www.Qadri.info

نقد و نظر

از

مولانا اسید الحق قادری بدایونی

ترتیب جدید

مولانا عطیف قادری بدایونی

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف

www.Qadri.info

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سلسلۂ مطبوعات (120)

کتاب: **نقد و نظر**

تصنیف: مولانا **اسید الحق قادری** بدایونی

ترتیب: مولانا **عطیف قادری** بدایونی

طبع اول: ۴؍مارچ ۲۰۱۶ء/۲۳؍جمادی الاول ۱۴۳۷ھ

صفحات: 194

تعداد: 1100

قیمت: 100

Publisher
TAJUL FUHOOL ACADEMY
(A Unit of Qadri Majeedi Trust)
Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla, Budaun-243601 (U.P.) India
Mob.: +91-9897503199, +91-9358563720
E-Mail: qadrimajeeditrust@gmail.com, Website: www.qadri.in

Distributor
Maktaba Jaam-e-Noor
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Phone : 011-23281418
Mob. : 0091-9313783691

Distributor
Khwaja Book Depot
Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-6
Mob. : 0091-9313086318

www.Qadri.info

شرفِ انتساب

فاضل مصنف، شہید بغداد، ممتاز ناقد ومحقق، عالم ربانی

حضرت الشیخ **اسید الحق محمد عاصم قادری** محدث بدایونی قدس سرہٗ

کے دادا

شیخ المشائخ، مفتیٔ اعظم، قادری دولہا

الشاہ عاشق الرسول **محمد عبد القدیر قادری بدایونی** قدس سرہٗ السامی

کے نام

کہ جن کی ذات وصفات کے آپ مظہر اتم تھے

کم ترین

عطیف قادری بدایونی

www.Qadri.info

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشر و اشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے- اکیڈمی کے زیر اہتمام اب تک عربی، اردو، ہندی، انگلش، گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تقریباً ۱۱۹ر کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جو شہید بغداد عالم ربانی مولانا اسید الحق قادری کی نگرانی اور ان کی قائدانہ کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے- آپ کی شہادت کے بعد اب نشر و اشاعت کے یہ سارے امور بحمد اللہ صاحبزادۂ گرامی مولانا عطیف قادری بدایونی کی نگرانی میں بحسن وخوبی انجام پا رہے ہیں- زیر نظر کتاب آپ ہی کی رہنمائی اور ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آئی- رب مقتدر صاحبزادۂ گرامی کے حوصلوں میں مزید پختگی عطا فرمائے-

تاج الفحول اکیڈمی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ہر حلقے اور ہر طبقے کی دلچسپی اور ضرورتوں کے پیش نظر اشاعتی خدمات انجام دی ہیں، خالص علمی اور تحقیقی کتب، ادبی اور شعری نگارشات، عام لوگوں کی تربیت واصلاح کے لیے آسان زبان میں رسائل، مسلک حق کے اثبات میں قدیم وجدید رسائل اور غیر مسلم برادران وطن کے لیے اسلام کے تعارف پر مشتمل سلجھا ہوا دعوتی اور تبلیغی لٹریچر وغیرہ موضوعات پر اکیڈمی کی خدمات نمایاں ہیں-

تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں یہ بات ابتدا ہی سے شامل تھی کہ خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کے اکابر و علما کی تصانیف کو ترجیحی بنیاد پر شائع کیا جائے- بفضلہ المقتدر اکیڈمی نے اس سمت میں بھی کامیاب کوششیں کی ہیں- زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے-

رب قدیر ومقتدر سے استدعا ہے کہ اکیڈمی کی ان خدمات کو شرف قبولیت بخشے، مستقبل میں اکیڈمی کے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے اور اراکین کو ہمت وحوصلہ اور اجر جزیل عطا فرمائے- آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم ﷺ-

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سیکریٹری: تاج الفحول اکیڈمی
خادم: خانقاہ قادریہ بدایوں

www.Qadri.info

مشمولاتِ کتاب

استدراک

سفرنامے

○○○

www.Qadri.info

ابتدائیہ

عالم ربانی شہید بغداد حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری بدایونی اس عظیم المرتبت اور جلیل القدر شخصیت کا نام ہے، جن کی علمی خدمات کا اعتراف اپنے وقت کے بڑے بڑے علما، فضلا اور دانش وران قوم وملت نے کیا، جس کے نتیجے میں آپ کی شہادت کے بعد ماہ نامہ جام نور کا ضخیم ''عالم ربانی نمبر'' معرض وجود میں آیا- آپ نے اپنی مختصر سی زندگی میں دین وسنیت کی جو خدمات انجام دیں وہ کسی سے مخفی نہیں اور نہ انہیں بیان کرنے کا یہ محل ہے-

مولانا بدایونی نے اپنے قلم کے جو نقوش چھوڑے ہیں، وہ یقیناً آج ہر صاحب قلم کے لیے مشعل راہ ہیں، جن کا ثبوت آپ کے دو مجموعہ مضامین ''تحقیق وتفہیم'' (مطبوعہ: ۲۰۰۹ء) اور ''افہام وتفہیم'' (مطبوعہ: ۲۰۱۵ء) ہیں- جب کہ یہ تیسرا اور آخری مجموعہ مضامین ''نقد ونظر'' آپ کے پیش نظر ہے- اس میں مولانا بدایونی کے ۶؍''تنقیدی مضامین'' کے علاوہ ۴؍سفر نامے شامل ہیں- مگر زیادہ تعداد تنقیدی مضامین کی تھی، اس لیے کتاب کا نام محبّ گرامی مولانا خوشتر نورانی نے ''نقد ونظر'' تجویز فرمایا-

عام طور پر جب تنقید کی بات آتی ہے تو بادی النظر میں آدمی کے ذہن پر منفی اثرات مرتب ہو جایا کرتے ہیں، حالاں کہ یہ بات درست نہیں ہے- دراصل عرف عام میں تنقید کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، ایک مثبت اور دوسری منفی- مگر یہ بات اہل علم وتحقیق بخوبی جانتے ہیں کہ تنقید کی اصولی طور پر کوئی تقسیم نہیں، بلکہ تنقید کے سلسلے میں لوگوں کے نظریے مختلف ہوا کرتے ہیں-

''اساس البلاغہ'' میں زمخشری نے، ''مختار الصحاح'' میں محمد بن ابوبکر الرازی نے اور ابن منظور نے ''اللسان'' میں نقد کی جو تعریف بیان کی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حسن کو قبح سے ممتاز کر دینے کا نام نقد ہے- جیسے کہا جاتا ہے ''نقد النقاد الدراهم '' ای میز جیدها من ردیئها''

www.Qadri.info

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض نقاد کے پیش نظر تنقید کا منفی پہلو ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے قلم کو تنقید کی حدود سے نکال کر تنقیص وتوہین کی سرحدوں میں داخل ہونے سے نہیں روک پاتے، جس سے تنقید کا مقصود اصلی فوت ہو جایا کرتا ہے- فی زماننا اس کی بے شمار نظیریں ہمیں جا بجا نظر آتی ہیں- یہی وجہ ہے کہ اگر نقاد کسی جذبے کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دے یا جو کچھ بیان کرے پوری اس میں پوری دیانت داری کا ثبوت دے اور بیان کرنے میں نیک نیتی سے کام لے تو تنقید کا مقصد اصلی حاصل ہو جاتا ہے اور ایسا نقاد ''ممتاز ناقد'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے-

الحمدللہ مولانا بدایونی بھی ایسے ہی باکمال اور ممتاز ناقدین میں سے تھے جس پر آپ کے تنقیدی مقالات شاہد عدل ہیں- اگر ہم مولانا بدایونی کے تنقیدی مضامین کا مطالعہ کریں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کی تحریر میں اپنا ''پندار علم'' اور دوسروں کا ''خسران علم'' قطعاً دکھائی نہیں دیتا- جگہ جگہ آپ نقد کرنے کے بعد کہیں یہ لکھتے ہیں ''ہمارے ناقص مطالعے کی روشنی میں''، کہیں اس طرح رقم طراز ہوتے ہیں کہ ''یہ بات ہماری ناقص فہم سے بالاتر ہے'' وغیرہ- یقیناً یہی وہ اوصاف اور خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ہر عام وخاص اور ذی شعور نے آپ کی تحریروں کو ہاتھوں ہاتھ لیا-

یہ بات بھی مسلم ہے کہ مذہبی دنیا میں تنقید کرنے کا جو سلیقہ، اسلوب اور منہج مولانا بدایونی نے دیا ہے اس کی طرف آپ سے قبل کسی نے پہل نہیں کی، جس کی وجہ سے ہمارے نوجوان اسکالرز اور قلم و قرطاس سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ایک نئی جہت ملی اور ان کی فکر میں ایسی وسعت پیدا ہوئی کہ انہوں نے مولانا بدایونی کو اپنا آئیڈیل بنالیا-

جیسا کہ مَیں نے پہلے عرض کیا کہ کتاب کا ایک حصہ ''سفرناموں'' پر مشتمل ہے، جس میں ۴؍سفر نامے شامل کیے گئے ہیں- سفر نامہ تحریر کرنا بھی ایک دشوار فن ہے- عموماً سفر ناموں میں تاریخی اور جغرافیائی معلومات یا اپنے ذاتی مشاہدات وتجربات ہوا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے قاری اپنی معلومات میں اضافہ تو کرسکتا ہے، مگر لطف اندوز نہیں ہوسکتا- تاہم مولانا بدایونی نے سفر ناموں کا جو نیا رخ پیش کیا ہے اس میں شوخی بھی ہے، طنز ومزاح بھی، معلومات بھی ہے اور تجربات و مشاہدات کے ساتھ ساتھ شگفتگی، شائستگی اور سلاست کے جو عناصر پائے جاتے ہیں وہ سفر ناموں میں بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں- بالخصوص مولانا بدایونی کی منظر نگاری کے وقت قاری اپنے آپ کو اسی مقام پر محسوس کرنے لگتا ہے جہاں

www.Qadri.info

کی منظرکشی کی جارہی ہو، جس کا اندازہ قاری کو پڑھنے کے بعد ہوگا-

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آخر میں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ برادر مکرم کے اس آخری مجموعہ مضامین ''نقد ونظر'' کی ترتیب والد گرامی حضرت اقدس شیخ عبدالحمید سالم القادری بدایونی دامت برکاتہ العالیہ کے حکم وایما پر عمل میں آئی اور اس کی تکمیل میں آپ کی دعائیں اور توجہات شامل رہیں- جب کہ تاج الفحول اکیڈمی مستقبل میں عالم ربانی کی مفصل سوانح اور باقیات شائع کرنے کا عزم مصمم رکھتی ہے-

رب قادر ومقتدر ہماری دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور خالص ''الدین النصیحۃ'' کے جذبہ خیر کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ -

عطیف قادری بدایونی
خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف
۱۸؍جمادی الاول ۱۴۳۷ھ/ ۱۸؍مارچ ۲۰۱۶ء

○○○

www.Qadri.info

تقریروں میں موضوع روایات

(ایک لمحۂ فکریہ)

یادش بخیر آج سے کچھ سال پہلے مَیں اور مدیر جام نور مولانا خوشتر نورانی ایک جلسے کے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے جماعت کے ایک مشہور خطیب کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے سن رہے تھے، موضوع تھا ''سماع اموات''- خطیب موصوف مخالف مسلک کے دلائل کا تنقیدی جائزہ لے رہے تھے، اس ضمن میں انہوں نے ایک ایسی موضوع روایت بیان کی کہ مَیں اس کو سن کر حیرت زدہ رہ گیا، مَیں نے ایک پرچی پر یہ لکھ کر خوشتر صاحب کے سامنے کر دیا کہ ''ردالباطل بالباطل '' اس کو دیکھ کر خوشتر نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا- جلسے کے بعد مَیں نے انہیں صورت حال بتائی تو مقررین کے ذریعے بیان کی جانے والی بہت سی موضوع روایتوں کا تذکرہ آیا، مَیں نے بتایا کہ میرے ساتھ یہ کوئی پہلا حادثہ نہیں ہے، بلکہ ایسا عموماً ہوتا رہتا ہے-

ہمارے یہاں عام مقررین کا جو مبلغ علم ہے وہ تو اپنی جگہ، مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے بڑے لوگوں میں بھی احادیث بیان کرنے کے سلسلے میں بڑی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں، اس کے بہت سے اسباب ہیں، جن میں علم و مطالعے کی کمی اور احادیث کے سلسلے میں تیسرے اور چوتھے درجے کی کتابوں پر اعتماد کے علاوہ ایک اہم اور بنیادی سبب ہمارے مقررین کی یہ پیشہ ورانہ مجبوری بھی ہے کہ ان کو ہر حال میں اپنے سامعین کو خوش کرنا ہوتا ہے، بات جتنی زیادہ حیرت انگیز ہوگی نعرہ اتنا ہی زیادہ بلند بانگ لگایا

www.Qadri.info

جائے گا،کم سے کم عمل کے بدلے جنت میں جتنا بڑے سے بڑا درجہ ملے گا مقرر کی مقبولیت میں اتنا ہی اضافہ ہوگا،بغیر عمل کیے بخشش کا جتنا آسان طریقہ بتایا جائے گا تقریر اتنی ہی کامیاب سمجھی جائے گی-اب ان مقاصد کی تکمیل کے لیے حضرت مقرر کو جو روایت جہاں سے بھی مل جاتی ہے، وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ گل بوٹے کھلا کر اور رنگ آمیزی کر کے بیان فرما دیتے ہیں-

ان غیر معتبر روایات کے چلن کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ لوگوں نے اصول حدیث کا ایک قاعدہ کہیں پڑھ لیا کہ'' فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے''اس قاعدے کے بے محل استعمال سے موضوع اور غیر معتبر روایتوں کے لیے اتنا بڑا دروازہ کھل گیا کہ ہر قسم کی روایتیں اس قاعدے کی دُہائی دے کر بیان کی جانے لگیں-اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ اپنی جگہ درست ہے،اس کے ثبوت میں بڑے بڑے ائمہ حدیث کے حوالے دیے جا سکتے ہیں،لیکن اس قاعدے کے اطلاق کا بھی ایک دائرہ ہے اور اس کے استعمال کے کچھ شرائط ہیں،ان کو بھی ائمہ اور علما نے بیان کر دیا ہے۔لیکن جب یہ قاعدہ کم علم مقررین کے ہتھے چڑھا تو اس کا نتیجہ ضعیف پھر ضعیف شدید پھر منکر اور آخر میں موضوع روایات کی قبولیت کی صورت میں نکلا-

ہم ان متشددین کے حامی نہیں ہیں جو معمولی سی معمولی علت کی بنیاد پر حدیث کو موضوع قرار دے دیتے ہیں اور ضعیف حدیث خواہ اس میں کتنا ہی خفیف درجے کا ضعف ہو اس کو رد کر دیتے ہیں،متقدمین میں حافظ ابن جوزی اور متاخرین میں علامہ ناصر الدین البانی صاحب اور ان کے ہم مزاج حضرات کو اس کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے-مگر اس تشدد کا رد عمل اس صورت میں سامنے آیا کہ جو حدیثیں واقعی قابل رد تھیں ہم نے ان کو بھی قبول کر لیا، گویا ایک طرف افراط ہوئی تو رد عمل میں دوسری طرف تفریط سے کام لیا گیا،ایک گروہ نے حدیث کی صحت میں غیر ضروری شدت سے کام لیا کہ بہت سی حسن احادیث یا متعدد طرق سے وارد خفیف درجے کی ضعف حدیثیں بھی نا قابل قبول ٹھہریں،دوسری طرف ہمارے بعض متاخرین نے کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کے لیے ایسی سخت شرائط عائد کر دیں کہ میرے خیال میں واضح سے واضح موضوع حدیث کو بھی ان شرائط کی موجودگی میں موضوع نہیں قرار دیا جا سکتا-

ابھی کچھ دن پہلے میرے ایک محترم بزرگ نے (جو خیر سے خطیب بھی ہیں) مجھ سے کچھ حدیثوں کی تحقیق چاہی،مَیں نے ان کی مطلوبہ حدیثوں کی تخریج کر دی اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ان میں

www.Qadri.info

فلاں فلاں حدیث ضعیف ومنکر ہے اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے، اس پر انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمارے عام ذہن ومزاج کی عکاسی کرتا ہے- انہوں نے فرمایا کہ ''ارے! تو کیا ہوا ان سے سرکار ﷺ کی فضیلت ہی تو ثابت ہورہی ہے، کوئی توہین تھوڑی ہی ہورہی ہے'' -

یہ ہم پیچھے لکھ چکے ہیں کہ حیرت واستعجاب میں ڈوبی ہوئی روایتیں بیان کرنا مقرر کی پیشہ ورانہ مجبوری ہے اور پھر ان ہی تقریروں کی وجہ سے ان کو عوام میں مقبولیت اور رسوخ حاصل ہوتا ہے- یہ معاملہ آج ہی کا نہیں ہے بلکہ تیسری چوتھی صدی میں بھی واعظین اور قصہ گو حضرات کا یہی حال تھا، یہ لوگ مساجد میں وعظ کہا کرتے تھے، وعظ کے بعد لوگ ان کی خدمت میں نذر پیش کرتے تھے، اب تقریر جتنی ''چٹپٹی'' ہوگی نذرانہ اتنا ہی معقول ہوگا- اسی لیے کتب اصول حدیث میں جہاں وضع حدیث کے اسباب شمار کروائے جاتے ہیں وہاں ایک سبب ''طلب الدنیا بالدین'' بھی ہے اور اس کی مثال میں واعظین اور قصاص (قصہ گو) کو پیش کیا جاتا ہے- امام ابن قتیبہ الدینوری (متوفی: ٢٧٦ھ) اپنے زمانے کے مقررین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> یہ واعظین جب جنت کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''اس میں مشک یا زعفران کی حوریں ہوں گی، ان کے بدن کی بناوٹ ایسی ایسی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کے لیے سفید موتیوں کا ایک محل بنایا ہے، جس میں ٧٠ ہزار یہ ہوگا، ٧٠ ہزار وہ ہوگا''، اور پھر وہ ٧٠/٧٠ ہزار کی اتنی چیزیں بیان کرے گا کہ گویا جنت میں کسی چیز کی تعداد ٧٠ ہزار سے کم یا زیادہ ہونا جائز ہی نہیں ہے- [١]

آگے جو جملہ ابن قتیبہ نے تحریر فرمایا ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے:

> وکلما کان هذا اکثر کان العجب اکثر والقعود عنده اطول والایدی بالعطاء الیه اسرع [٢]

> ترجمہ: جتنا یہ (اس قسم کی حیرت انگیز روایتیں) زیادہ ہوں گی اتنا ہی تعجب اور پسندیدگی میں اضافہ ہوگا اور اتنا ہی ان کے پاس لوگ زیادہ دیر تک بیٹھیں گے اور پھر اتنی ہی تیزی سے بخشش اور انعامات پیش کیے جائیں گے-

اس جملے کو لکھے ہوئے ١١٠٠/سو سال سے زیادہ ہوگئے، مگر ایمان سے کہیے کیا آج بھی یہ جملہ اپنی

www.Qadri.info

تمام تر معنوی وسعتوں کے ساتھ صادق نہیں آتا؟

ان مقررین اور قصہ گو حضرات کو عوام میں ایسا رسوخ حاصل تھا کہ ان کی بات کے آگے عوام بڑے سے بڑے امام کی بات ماننے کو تیار نہیں تھی (آج بھی حال اس سے مختلف نہیں ہے) یہاں اس سلسلے کے دو واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

امام شعبی خود اپنا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ:

> ایک مرتبہ مجھے عبدالملک بن مروان نے بغداد سے طلب کیا، مَیں سفر پر روانہ ہوا، راستے میں ''تدمر'' نام کی آبادی پڑی، اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا، مَیں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ایک طویل ڈاڑھی والے صاحب تقریر فرما رہے ہیں اور لوگوں کی بھیڑ ان کے ارد گرد جمع ہے، ان صاحب نے روایت بیان کرنا شروع کی کہ ''مجھ سے فلاں نے روایت کیا، ان سے فلاں نے، ان سے فلاں نے'' اس طرح اس نے حضور ﷺ تک روایت کا سلسلہ پہنچا دیا پھر کہا کہ ''حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو صور پیدا فرمائے ہیں اور ہر دو صوروں میں دو دو بار پھونک ماری جائے گی''۔ مَیں نماز پڑھ رہا تھا، مجھ سے ضبط نہیں ہوا، مَیں نے نماز جلدی سے مکمل کی اور اس مقرر سے کہا کہ ''اے شیخ! اللہ سے ڈرو، اللہ نے صرف ایک ہی صور بنایا ہے، اسی کو دو بار پھونکا جائے گا''، یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ ''اے فاجر! مَیں فلاں فلاں سے روایت کر رہا ہوں اور تو انکار کر رہا ہے؟!'' یہ کہہ کر اس نے چپل اٹھائی اور مجھ پر چپل برسانے لگا، یہ دیکھ کر اور لوگ بھی مجھے مارنے میں شریک ہو گئے، خدا کی قسم! وہ لوگ اس وقت تک مجھے مارتے رہے، جب تک مجھ سے یہ حلف نہیں لے لیا کہ اللہ نے ایک نہیں بلکہ تیس صور پیدا فرمائے ہیں اور ہر صور کو پھونکا جائے گا۔[۳]

امام جعفر محمد بن طیالسی نے اسی قسم کا ایک اور دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نے رصافہ کی مسجد میں نماز ادا کی، اسی درمیان ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور اس نے بیان کرنا شروع کیا کہ ''مجھ سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے روایت کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالرزاق نے روایت کی، ان

www.Qadri.info

سے معمر نے ان سے قتادہ نے ان سے انس بن مالک نے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا، تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر لفظ سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اس کے پر مرجان کے ہوتے ہیں'' اور پھر اس حدیث کو اتنا طول دیا کہ تقریباً بیس صفحات میں آئے، یہ سن کر امام احمد بن حنبل امام یحییٰ بن معین کو دیکھنے لگے اور وہ امام احمد بن حنبل کو، امام احمد نے ابن معین سے پوچھا کہ ''کیا آپ نے یہ حدیث اس سے بیان کی ہے؟'' ابن معین نے کہا کہ ''خدا کی قسم! مَیں نے یہ حدیث آج پہلی بار سنی ہے'' - جب وہ قصہ گو اپنی تقریر سے فارغ ہوا تو ان دونوں نے اس کو بلایا، امام ابن معین نے اس سے پوچھا کہ ''یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی؟'' اس نے جواب دیا کہ ''مجھ سے احمد بن حنبل اور ابن معین نے بیان کی ہے''، حضرت ابن معین نے فرمایا کہ ''مَیں ابن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں، ہم دونوں نے یہ حدیث آج پہلی بار تمہارے ہی منھ سے سنی ہے''، یہ سن کر اس نے فوراً کہا کہ ''ارے تم ابن معین ہو؟'' انہوں نے کہا ہاں تو اس نے کہا کہ ''مَیں نے سنا تھا کہ ابن معین احمق ہے، آج اس بات کی تصدیق بھی ہوگئی''، حضرت ابن معین نے پوچھا کہ ''تم نے کیسے جانا کہ مَیں احمق ہوں؟'' اس نے کہا کہ ''تم سمجھتے ہو کہ دنیا میں تم دونوں کے علاوہ کوئی احمد بن حنبل اور ابن معین نہیں ہے، اِن احمد بن حنبل کے علاوہ مَیں نے سترہ احمد بن حنبلوں سے یہ حدیث سنی ہے'' - [۴]

مقررین کے ساتھ اس قسم کے واقعات راقم الحروف کے تجربے میں بھی آچکے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک امام شعبی کی طرح جوتے چپل سے عزت افزائی کی نوبت نہیں آئی ہے -

ایک مرتبہ ایک جلسے میں ایک صاحب نے روایت بیان کی کہ:

صدیق اکبر نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے وصال کے بعد مجھے کفن وغیرہ پہنا کر حجرۂ رسول کے سامنے رکھ دینا اور دفن کی اجازت طلب کرنا، اگر حجرے کا دروازہ خود کھل جائے تو سمجھ لینا کہ اجازت ہے اور مجھے وہیں دفن کر دینا، جب آپ کی وصیت کے

www.Qadri.info

مطابق عمل کیا گیا تو حجرۂ نبی کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور اندر سے آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔(ملخصاً)

جلسے کے بعد جب قیام گاہ پر آئے تو مَیں نے مولانا سے کہا کہ ''یہ روایت بہت ضعیف ہے اور اگر تحقیق کی جائے تو شاید یہ موضوع ثابت ہوجائے، کیوں کہ اس کے الفاظ میں مجھے نکارت اور آثار وضع محسوس ہو رہے ہیں''، یہ سن کر انھوں نے عجیب وغریب متکبرانہ انداز میں مجھ پر ایک نظر ڈالی اور اس روایت کے سلسلے میں ماضی قریب کی ایک ایسی شخصیت کا حوالہ دے دیا کہ میرے لیے

اگر یک سرِ موئے برتر پرم | فروغ تجلی بسوزد پرم

والی کیفیت پیدا ہوگئی، حاضرین میں جو لوگ ان کے ہم خیال تھے وہ مجھے ایسی مشکوک نظروں سے گھورنے لگے جیسے کسی مجرم کو دیکھا جاتا ہے، مَیں نے یہ کہہ کر اپنی سنیت بچائی کہ ''شاید مجھ ہی کو سہو ہوا ہے، انھوں نے صحیح لکھا ہوگا''۔ جب گھر آکر مَیں نے تحقیق کی تو یہ روایت امام سیوطی کی الخصائص الکبریٰ میں ملی اور ساتھ ہی امام سیوطی کا یہ ریمارک بھی تھا کہ:

وقال ابن عساکر هذا حدیث منکر وفی اسناده ابو الطاهر موسیٰ بن محمد بن عطاء المقدسی کذاب عن عبدالجلیل المری وهو مجهول[۵]

ابن عساکر نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابوطاہر موسیٰ بن عطا مقدسی ہے جو جھوٹا تھا اس نے عبدالجلیل مُری سے روایت کیا ہے جو مجہول ہے۔

ابن عساکر جیسے متساہلین اگر کسی حدیث کے منکر اور اس کے راوی کے کذاب ہونے کا اعتراف کرلیں تو یہ بڑی بات ہے، یہ نکتہ اصول حدیث کے ماہرین سے پوشیدہ نہیں ہوگا۔

ایک مدرسے کے جلسۂ دستار فضیلت میں ایک نوجوان مقرر اپنی تقریری گھن گرج کے جوہر دکھا رہے تھے، اتفاق سے اس جلسے کی صدارت کی ''تہمت'' میرے سر منڈھ دی گئی تھی، موصوف ہمارے ایک مرکزی جامعہ سے تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے، انھوں نے علم اور علما کی فضیلت میں ایک حدیث بیان کرنا شروع کی، قیامت کا منظر تھا ایک شخص کے نامۂ اعمال میں کوئی نیک عمل نہیں ہے، اس کو جہنم کا حکم دے دیا گیا، فرشتے اس کو جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کچھ فرمایا، پھر فرشتوں نے کچھ عرض کیا، پھر اس بندے نے کچھ کہا، پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ فرمایا وغیرہ وغیرہ آخر میں تان یہاں آکر

www.Qadri.info

ٹوٹی کہ دنیا میں یہ بندہ ایسی جگہ سے گزر گیا تھا جہاں کبھی کوئی عالم دین رہتا تھا، بس اسی بات پر اس کی بخشش ہوگئی- کچھ تو وہ روایت ضرورت سے زیادہ طویل تھی اور کچھ مولانا کا انداز بیان کہ تقریباً ۲۰/۲۵ منٹ تک وہ ایک ہی حدیث چلتی رہی، ہر ہر جملے پر لوگ سر دھنتے رہے اور تحسین وآفریں کا شور بلند ہوتا رہا- جلسے کے بعد جب مولانا سے ملاقات ہوئی تو مَیں نے ان سے کہا کہ ''حدیث میں ''الاحــادیث الـطوال ''یعنی لمبی حدیثیں یہ ایک الگ قسم ہے مثلاً حدیث شفاعت، حدیث معراج یا حدیث موسیٰ وخضر وغیرہ اوراس پر علما کی مستقل تصانیف ہیں، جس میں سے ایک آدھ کتاب اس ناکارہ کے مطالعے میں بھی آئی ہے، مگر حیرت ہے کہ آپ کی بیان کردہ حدیث اتنی طویل ہے، پھر بھی اب تک مَیں اس کے مطالعے سے محروم رہا، آپ نے یہ حدیث کس کتاب میں پڑھی تھی؟!''اس پر انہوں نے جھینپتے ہوئے کہا کہ ''میں نے مولانا................صاحب کی تقریر میں یہ حدیث سنی تھی''، یہ سن کر موصوف کا مبلغ علم سمجھ میں آ گیا، لہٰذا مَیں نے بات نہ بڑھا کر ان سے صرف اتنا کہا کہ ''اگر ان صاحب سے کہیں ملاقات ہوجائے تو یہ بات ان سے ضرور پوچھ لیں کہ انہوں نے یہ حدیث کہاں پڑھی ہے؟اوران کے جواب باصواب سے مجھے بھی آگاہ فرمانے کی زحمت کریں''، شاید اب تک ان صاحب کی ان مقرر سے ملاقات نہیں ہو پائی ہے، اسی لیے اب تک مَیں ان کے جواب سے محروم ہوں''-

موضوع احادیث کی علما نے بہت سی قسمیں کی ہیں، ان قسموں میں مَیں نے ایک قسم کا اضافہ کیا ہے، اور وہ ہے''میڈ اِن انڈیا''(Made in India)ان کو موضوعات الہند بھی کہا جا سکتا ہے، یعنی ہمارے یہاں تقریروں اور عام زبانوں پر بہت سی ایسی موضوع احادیث ہیں جو کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب میں تو کیا ہوں گی، موضوع احادیث پر لکھی جانے والی کتابوں میں بھی ان کا پتہ نشان نہیں، گمان غالب یہی ہے کہ یہ گزشتہ سو دوسو سال کے کسی ہندستانی ذہن کی اُپج ہیں- مثال کے طور پر اس سال پہلی ربیع الاول کو میرے پاس ایک sms آیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ حضور نے فرمایا''جو شخص ربیع الاول کا چاند دیکھ کر سب سے پہلے کسی کو ماہ مبارک کی مبارک باد دے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''، میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث ہندستان ہی میں وضع کی گئی ہے، کسی کتاب میں شاید یہ نہ دکھائی جا سکے- جب بات ماہ میلاد کی آ گئی ہے تو ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ حافظ ابن حجر ہیثمی مکی کے نام سے ایک کتاب مشہور ہے''الـنـعـمة الـکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم ''اس میں محفل میلاد

www.Qadri.info

منعقد کرنے کی فضیلتیں خلفائے راشدین سے مروی ہیں مثلاً

حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ ''جس نے میلاد پڑھنے میں ایک درہم خرچ کیا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا''، حضرت عمر نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے محفل میلاد کی تعظیم کی اس نے اسلام کو زندہ کیا''، حضرت عثمان غنی نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے میلاد پڑھنے میں ایک درہم خرچ کیا وہ گویا غزوۂ بدر و حنین میں شریک ہوا''، وغیرہ وغیرہ۔

بعض لوگ پوری خطیبانہ گھن گرج کے ساتھ ان روایتوں کو تقریروں میں بیان کرتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب حافظ ابن حجر کی نہیں ہے بلکہ ان کی طرف منسوب ہے، یا اگر پوری کتاب منسوب نہیں ہے تو اس میں الحاقات ہوئے ہیں، یہ بات میں مضبوط دلائل سے ثابت کر سکتا ہوں، بلکہ مجھے تو مذکورہ تینوں روایتوں کے موضوع ہونے کا ایسا یقین ہے کہ اگر کوئی یہ ثابت بھی کر دے کہ یہ روایتیں واقعی حافظ ابن حجر مکی نے لکھی ہیں تب بھی میں ان کے موضوع ہونے کے دعوے سے دست بردار نہیں ہوں گا۔

تقریروں میں ایک حدیث یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت بلال کا تلفظ ٹھیک نہیں، وہ ''شین'' کو ''سین'' کہتے ہیں، لہٰذا وہ اذان نہ کہیں، حضور نے ان کو منع فرما دیا، چنانچہ صبح آپ نے اذان نہیں دی، جب آپ نے اذان نہیں دی تو سورج بھی نہیں نکلا، سب کو حیرت تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آخر میں حضرت جبریل تشریف لائے، انہوں نے یہ بتایا کہ سورج کو طلوع کرنے والا فرشتہ حضرت بلال کی اذان کے انتظار میں ہے، جب تک وہ اذان نہیں دیں گے سورج نہیں نکلے گا اور سین اور شین والا جو اعتراض تھا حضرت جبریل نے اس کا جواب یہ دیا کہ ''فان سین بلال عندالله شين''یعنی بلال کا سین اللہ کے نزدیک شین ہے۔ (ملخصاً)

ماضی قریب میں پاکستان کے معروف مقرر مولانا عبدالوحید ربانی (آج سے ۲۰/۲۵ سال پہلے جن کی آڈیو کیسٹس گھر گھر سنی جاتی تھیں) نے اس کو اپنی ایک تقریر میں بیان کیا تھا، اس کے بعد بین الاقوامی شہرت یافتہ قوال صابری برادران نے ڈھولک کی تھاپ پر یہ مصرعے پڑھ کر اس کو شہرت دوام عطا فرما دی کہ:

www.Qadri.info

ہو گی نہ صبح دیں گے نہ جب تک اذاں بلال
عاشق مصطفیٰ کی اذاں میں اللہ اللہ کتنا اثر تھا
عرش والے بھی سنتے تھے جس کو، کیا اذاں تھی اذانِ بلالی

یہ حدیث بالکل موضوع ہے کتابوں میں اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

بعض مقررین حسنین کریمین (علیٰ جدہما وعلیہما السلام) کی فضیلت میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ:

> دونوں حضرات نے تختی لکھی اور دکھانے کے لیے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں لائے کہ وہ فیصلہ کریں کہ کس کی تختی اچھی لکھی ہوئی ہے، انہوں نے خیال فرمایا کہ کسی ایک جگر گوشے کا دل ٹوٹے گا، لہٰذا آپ نے ان دونوں شہزادوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس بھیج دیا، انہوں نے بھی یہی گمان فرمایا اور ان کے کریم نانا ﷺ کی بارگاہ میں بھیج دیا تاکہ آپ فیصلہ کریں کہ کس کی تختی زیادہ خوش خط ہے، آپ ﷺ نے حضرت جبریل سے مشورہ کیا، وہ جنت سے ایک سیب لے کر آئے، اس کو اچھالا گیا تو فضا میں اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، آدھا سیب ایک تختی پر گرا اور آدھا ایک تختی پر، اس طرح دونوں کامیاب قرار دیے گئے۔ (ملخصاً)

مَیں تو ابھی تک اس روایت ہی کو تلاش کرنے میں ناکام تھا کہ سورت (گجرات) میں کچھ یارانِ عقیدت پیشہ وہ تختیاں برآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابھی کچھ مہینے پہلے سورت کا سفر ہوا، وہاں جناب عادل برکاتی صاحب نے میری معلومات میں یہ اضافہ کیا کہ یہاں ایک خانوادے میں وہ دونوں تختیاں تبرکات میں محفوظ ہیں اور ان کی زیارت بھی کروائی جاتی ہے، وقت کی قلت کی وجہ سے مَیں خواہش کے باوجود ان مبارک تختیوں کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن اس واقعے کے بعد سے مَیں اس روایت کی تلاش کی بجائے اب کسی خانقاہ میں اس غیبی سیب کی تلاش میں ہوں تاکہ دنیا ہی میں جنتی پھل کا نظارہ کر سکوں۔

یہ روایت بھی عام طور سے بیان کی جاتی ہے کہ:

> ایک مرتبہ ابوجہل نے امتحاناً حضور ﷺ سے پوچھا کہ بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟

www.Qadri.info

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر جو چیز مٹھی میں ہے وہی بتادے کہ مَیں کون ہوں تو تم ایمان لے آؤ گے؟'' اس نے مان لیا، تب اس کی مٹھی میں دبی ہوئی کنکریوں نے کلمہ پڑھ لیا، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا۔ (ملخصاً)

یہ روایت بھی مجھے آج تک کسی کتاب میں نہیں ملی (کتاب سے مراد حدیث کی معتبر کتابیں ہیں ورنہ تقریر و خطابت اور تیرہویں چودہویں صدی کی غیر مستند سیرت کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے) ہاں البتہ اسی قسم کی ایک روایت حضرت ابوذر غفاری اور حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سات یا نو کنکریاں حضور ﷺ کے دست اقدس میں تھیں اور ان کی بولنے کی ایسی آواز آرہی تھی جیسی شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے، پھر وہ کنکریاں حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ہاتھوں میں باری باری دی گئیں اور ان کے ہاتھوں سے بھی ان کنکریوں کے بولنے کی آواز آتی رہی۔ (ملخصاً)

اس روایت کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق[۶] میں امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ[۷] میں طبرانی نے معجم اوسط[۸] میں امام بیہقی نے دلائل النبوۃ[۹] میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد[۱۰] میں اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں ضعاف اور وضاع موجود ہیں، موضوع نہ بھی ہو تو کم از کم ضعیف شدید ہے۔

ہمارے ایک محترم ''شہنشاہ خطابت'' اکثر تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ شیطان جنت میں فرشتوں کو پڑھایا کرتا تھا، اسی لیے اس کا لقب ''معلم الملکوت'' پڑ گیا۔ اس روایت کو بھی پچھلے چار پانچ سال سے تلاش کر رہا ہوں، لیکن ان کی تقریر کے علاوہ آج تک کہیں نظر سے نہیں گزری۔

ہمارے ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ خطیب جو اپنے سامنے میز پر حدیث کی موٹی موٹی کتابیں رکھ کر خطاب فرماتے ہیں اور ایک سانس میں کم از کم آٹھ دس حدیث کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں، وہ بھی بڑے وثوق اور حوالوں کی روشنی میں بہت سی موضوع روایتیں بیان کر جاتے ہیں۔ ابھی رمضان میں T.V پر ان کی ایک تقریر سنی، جس میں انہوں نے حضرت سلمان فارسی کے حوالے سے یہ حدیث بیان فرمائی کہ ''حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے چودہ ہزار سال پہلے مَیں اور علی اللہ کے پاس نور تھے''۔ حضور ﷺ کی نورانیت اور حضرت آدم کی خلقت سے پہلے نور محمدی کی تخلیق یہ ایک الگ

www.Qadri.info

مسئلہ ہے اور اس پر محدثین کے درمیان بحثیں ہوئی ہیں، لیکن حضرت علی کا نور حضرت آدم سے پہلے بنایا جانا یہ میرے لیے بالکل نئی روایت ہے جو آج تک مَیں نے کہیں نہیں پڑھی- رمضان کی مصروفیت کی وجہ سے اس کی تحقیق نہیں کر سکا، گمان غالب ہے کہ یہ بھی ان شیعی روایتوں میں سے ہے جو حضرت علی کے فضائل میں وضع کی گئی ہیں- مذکورہ خطیب کی ایک تقریر واقعات کربلا کے تعلق سے سننے کا اتفاق ہوا تھا اس میں بھی موصوف نے وہ ساری موضوع روایتیں بیان فرمادی تھیں جو شیعی مآخذ سے آئی ہیں-

معراج شریف کے سلسلے میں صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں اتنی تفصیل اور کثرت سے روایات موجود ہیں کہ وہ اس واقعے کے سلسلے میں ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کر دیتی ہیں، اس کے باوجود اس سلسلے میں اس قدر ضعیف اور موضوع احادیث ہمارے مقرر بیان فرماتے ہیں کہ الامان الحفیظ- ایک رسالہ ''معراج ابن عباس'' کے نام سے مشہور ہے، جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے، اس میں بہت تفصیل سے واقعات معراج کا بیان ہے، مصر میں یہ رسالہ میری نظر سے گزرا تھا، اس وقت اس کی صحت یا ضعف کے سلسلے میں مَیں بالکل خالی الذہن تھا، ایک نشست میں یہ رسالہ پڑھ ڈالا اور رسالہ ختم کرتے کرتے مَیں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہ حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے، اس کی ۸۰ فی صد روایتیں موضوع اور من گھڑت ہیں، اس کی روایتوں میں جگہ جگہ آثار وضع نمایاں ہیں- مثلاً ایک جگہ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> مَیں فلاں مقام پر پہنچا تو وہاں چھت پر زمرد اور یاقوت کے قمقمے لٹکے ہوئے تھے جیسا کہ تمہاری مسجدوں میں لٹکے ہوتے ہیں-

یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ نہ تو حضور ﷺ کے ہیں اور نہ ہی یہ حضرت ابن عباس یا ان کے کسی شاگرد کے، کیوں کہ یہ سوال اپنی پوری توانائی سے جواب کا مطالبہ کرے گا کہ اس زمانے میں مساجد میں قمقمے کہاں لٹکائے جاتے تھے؟ بعد میں تحقیق کے ذریعے ثابت ہو گیا کہ یہ پورا رسالہ ہی من گھڑت ہے- جب ہندوستان آیا اور معراج کے تعلق سے اپنے مقررین کی تقریریں سننے اور خطبات کی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ یہاں معراج کے تعلق سے بیان کی جانے والی اکثر و بیشتر روایات اسی رسالے پر مبنی ہیں-

درود پاک پڑھنے کا حکم خود قرآن کریم میں موجود ہے اور اس کی فضیلتیں اور کچھ صیغیں بھی صحیح

www.Qadri.info

احادیث میں وارد ہیں، مگر اس باب میں بھی بے شمار موضوع احادیث اپنا وجود رکھتی ہیں اور سکہ رائج الوقت کی طرح تقریروں میں بیان کی جاتی ہیں- ان ہی احادیث میں ایک حدیث یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضورﷺ نے ارشادفرمایا:

> جب کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ درود تیزی کے ساتھ اس کے منھ سے نکلتا ہے اور کوئی خشک وتر اور مشرق ومغرب ایسا نہیں جس پر سے وہ درود نہ گزرتا ہو اور وہ درود یہ اعلان کرتا ہوا جاتا ہے کہ مَیں فلاں ابن فلاں کا درود ہوں جو اس نے خیر خلق اللہ محمد مختارﷺ پر پڑھا ہے، تو ہر چیز اس درود پڑھنے والے کے لیے دعا کرنے لگتی ہے، پھر اس درود سے ایک پرندہ پیدا کیا جاتا ہے، جس کے ۷۰ ہزار بازو ہوتے ہیں، ہر بازو میں ۷۰ ہزار پر ہوتے ہیں، ہر پر میں ۷۰ ہزار چہرے ہوتے ہیں، ہر چہرے میں ۷۰ ہزار منھ ہوتے ہیں، ہر منھ میں ۷۰ ہزار زبانیں ہوتی ہیں اور ہر زبان سے وہ ۷۰ ہزار لغات میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور ان تمام تسبیحات کا ثواب اس درود پڑھنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے- (ملخصاً)

ہمارے خیال میں اس حدیث کے راوی (یا واضع) سے ایک لغزش یہ ہوئی کہ جب ہر چیز ۷۰ ہزار کی تعداد ہی میں ہونے کی ٹھہری ہے تو پھر اگر حدیث کو یوں کر لیا جاتا تو بات اور زیادہ باوزن ہو جاتی ہے کہ ''وہ پرندہ ۷۰ ہزار لغات میں اللہ کی ۷۰ ہزار تسبیحیں بیان کرتا ہے''- بہر حال یہ روایت امام جازولی نے دلائل الخیرات کے مقدمے میں ذکر کی ہے- دلائل الخیرات کے مشہور شارح علامہ محمد مہدی الفاسی (جنھوں نے اس کتاب میں وارد تمام احادیث وروایات پر محققانہ کلام کیا ہے) مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات میں (اپنی تمام تر وسعت مطالعہ کے باوجود) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں ''ذلك لم اجده ''یعنی یہ روایت مجھے نہیں ملی- یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ اگر کوئی صاحب علم حدیث میں اپنی قابلیت کا ثبوت یہ کہہ کر دینا چاہیں کہ ''لم اجده'' کا مطلب حدیث کا موضوع ہونا نہیں ہوتا'' تو ان سے ادباً التماس ہے کہ اصول حدیث کی یہ ساری نزاکتیں اس کم ترین راقم الحروف کے بھی پیش نظر ہیں-

احادیث کی روایت میں ہمارے محدثین نے جو جو احتیاطیں فرمائی ہیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں

www.Qadri.info

ہیں، پھر جمع وترتیب کے زمانے میں ناقدین رجال کی کاوشیں اور محنتیں اپنی جگہ، اولاً تو حدیث بیان کرتے وقت اس کی پوری سند بیان کرنا ضروری ہوا کرتا تھا اور پھر اس کے بعد ناقدین رجال اس سند میں واقع راویوں پر جرح کر کے صحیح ،ضعیف اور موضوع احادیث میں فرق کر دیا کرتے تھے، ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود یاران ستم پیشہ نے ذخیرۂ احادیث میں ہزاروں نہیں تو کم از کم سیکڑوں موضوع احادیث تو شامل کر ہی دیں، اب آپ اندازہ لگائیں کہ احادیث جن کے جمع وترتیب اور روایت میں یہ احتیاطیں کی گئیں جب وہ موضوعات سے محفوظ نہیں ہیں تو آج تقریروں میں جو بزرگان دین کی کرامتیں اور واقعات بیان کیے جارہے ہیں ان پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

حدیث میں تو پوری سند (اور وہ بھی ثقہ اور معتمد راویوں پر مشتمل) بیان کرنا ضروری تھی جب کہ بزرگوں کے واقعات کے سلسلے میں صرف اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ ''نقل ہے کہ'' یا ''مروی ہے کہ'' ان دو جملوں کے بعد آپ کیسا ہی محیر العقول واقعہ بیان کر دیں (وہ واقعہ اصول شرعیہ کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو) پورا پنڈال نعرہائے تکبیر ورسالت کے شور سے گونج اٹھے گا اور اگر کوئی شامت کا مارا اس کرامت کے سلسلے میں اپنے شک وشبہ کا اظہار کر بیٹھے تو فوراً دشمن اولیا قرار دے کر پنڈال سے باہر کر دیا جائے گا!!-

یہی حال واقعات کربلا کا بھی ہے، ان پر گفتگو کرنے کے لیے ایک الگ مقالہ درکار ہے-

یہاں ایک اصولی بات یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے یہاں کی زیادہ تر خطابت ملا واعظ کاشفی کی معارج النبوۃ جیسی کتابوں اور صوفیہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے- معارج النبوۃ کا حال یہ ہے کہ اس میں رطب ویابس ہر طرح کی روایتیں ہیں، بلکہ ایسی ہی روایتیں زیادہ ہیں اور صوفیہ کے ملفوظات محدثانہ نقطۂ نظر سے جیسے کچھ ہیں وہ اہل علم خوب جانتے ہیں- حدیثوں کے سلسلے میں صوفیہ کا اپنا ایک الگ مذاق ومنہج ہے جس پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں-

میرے ایک محترم اور عزیز خطیب نے تقریر میں ایک حدیث بیان فرمائی جو میری نظر میں بالکل موضوع تھی، جب ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ'' یہ حدیث مَیں نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے ملفوظات میں پڑھی تھی''- مَیں یہ سن کر خاموش ہوگیا، کیوں کہ اگر مَیں اور کچھ عرض کرتا تو یقیناً جواب یہ ملتا کہ'' کیا تم حضرت خواجہ سلیمان تونسوی سے بڑے عالم ہو، اگر یہ حدیث موضوع ہوتی تو حضرت

www.Qadri.info

اپنے ملفوظات میں اس کا ذکر کیوں کرتے ؟'' اب ایسے معتقدین صوفیہ کو کوئی کیوں کر سمجھا سکتا ہے کہ یہ بات بھی ہم نے صوفیہ ہی سے سنی ہے کہ:

ہر مرتبہ ازوجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

عربی کی ایک مثل ہے کہ ''اعطی القوس باریھا'' یعنی تیر بنانے کے لیے اس کے ماہر بنانے والے ہی کو دو، اگر صرف صوفیہ کے مکاشفات ومنامات ہی پر احادیث کی صحت وضعف کی بنیاد رکھ دی جائے تو پھر محدثین کے طویل اسفار، ناقدین رجال کی دماغ سوزی اور ائمہ حدیث کی جدوجہد اور کاوشوں کے دفتر کے دفتر عبث ہو کر رہ جائیں گے-

جب صوفیہ کے محدثانہ مذاق ومزاج کی بات چل رہی ہے تو علامہ اسماعیل حقی کی تفسیر روح البیان کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا، کیوں کے ہمارے یہاں یہ کتاب بھی مقررین کا پسندیدہ ماخذ ہے-حضرت اسماعیل حقی کچھ بھی ہوں بہرحال ازاول تا آخر ایک صوفی ہیں اور ان کی اس تفسیر میں محدثانہ نقطہ نظر سے بہت سے ''مقامات آہ وفغاں'' ہیں-ایک بہت بڑے بزرگ نے ایک نجی محفل میں (جس میں یہ گناہ گار بھی حاضر تھا اور اس وقت عمر شاید ۱۷/۱۸ سال کی ہوگی) یہ روایت بیان کی کہ

> جب ملک الموت حضرت فاطمہ کی روح قبض کرنے کے لیے آئے تو ان سے کہا گیا کہ حضرت فاطمہ نامحرم کے سامنے نہیں آتیں، یہ سن کر وہ واپس بارگاہ رب العزت میں پہنچے اور پورا معاملہ بیان کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فاطمہ صحیح کہتی ہیں ان کی روح مَیں خود قبض کروں گا، چناں چہ حضرت فاطمہ کی روح خود پروردگار عالم نے قبض فرمائی-

یہ روایت بیان کر کے بزرگ نے فرمایا کہ

> مَیں کوئی روایت ایسے ہی بیان نہیں کرتا اگر کسی کو شک ہو تو تفسیر روح البیان اٹھا کر دیکھ لے، اس کی فلاں جلد اور فلاں صفحے پر یہ روایت موجود ہے-

مَیں نے آج تک روح البیان میں اس روایت کو تلاش نہیں کیا، لیکن مجھے یقین ہے کہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز روایتیں روح البیان میں ہو سکتی ہیں-

www.Qadri.info

موضوع احادیث بیان کرنے کے علاوہ مقررین کی ایک خاص عادت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی صحیح حدیث بھی بیان کریں گے تو اس کے ترجمے اور تشریح میں اپنی طرف سے ایسی باتیں شامل کردیں گے جو کہیں سے کہیں تک حدیث کے الفاظ کا مفہوم نہیں ہیں- اس مرض میں ''ایں قدر'' سے لے کر'' آں قدر'' تک سب مبتلا ہیں، دراصل یہ بھی وضع حدیث کی ہی ایک قسم ہے جس سے بچنا چاہیے، روایت بالمعنی کی گو کہ علما نے اجازت دی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف معنی ہی معنی ہو، روایت کا کہیں نام ونشان نہ ہو-

گزشتہ سطور میں ہم نے تفسیر روح البیان کی موضوع روایات کا تذکرہ کیا، اس سے ہمارے ایک قریبی دوست کے آبگینۂ عقیدت کو ٹھیس پہنچ گئی، لہٰذا ہم یہاں موضوع روایات کے سلسلے میں خود مصنف روح البیان حضرت اسماعیل حقی کا موقف بیان کر کے اس تذکرے کو ختم کرتے ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب ایک طویل حدیث منسوب ہے جس میں قرآن کریم کی ہر سورت کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، اس طویل حدیث کو اکثر محققین نے من گھڑت قرار دیا ہے، بلکہ بعض نے تو اس کے گھڑنے والے کا نام تک بتا دیا ہے- سورۂ توبہ کے آخر میں اس حدیث کا ایک جز نقل کرنے کے بعد حضرت اسماعیل حقی نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے موضوع احادیث کے سلسلے میں آپ کے موقف اور مزاج پر روشنی پڑتی ہے-

آپ فرماتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ وہ احادیث جو سورتوں کے آخر میں صاحب کشاف، قاضی بیضاوی اور ابوسعود جیسے اجلۂ مفسرین نے ذکر کی ہیں، ان کے سلسلے میں علما کے مختلف اقوال ہیں، بعض لوگوں نے ان کو ثابت مانا ہے اور بعض نے ان کو موضوع گمان کر کے ان کی نفی کی ہے- جیسے امام صغانی وغیرہ، اس فقیر پر جو چیز ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ احادیث اس بات سے خالی نہیں ہیں کہ یا تو یہ صحیح اور قوی ہیں، یا ضعیف اور سقیم ہیں، یا پھر جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہیں، تو اگر یہ صحیح اور قوی ہوں تو پھر تو کوئی کلام ہی نہیں ہے اور اگر ضعیف الاسناد ہوں تو محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ترغیب وترہیب میں ضعیف پر عمل جائز ہے، جیسا کہ نووی کی اذکار، علی بن برہان الدین حلبی کی انسان العیون اور ابن فخر الدین رومی کی الاسرار المحمدیہ وغیرہ میں مذکور ہے اور اگر

www.Qadri.info

یہ موضوع ہیں تو حاکم وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص فضائل قرآن میں احادیث وضع کیا کرتا تھا،اس سے لوگوں نے کہا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟اس نے کہا کہ ''مَیں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کی طرف سے بے رغبت ہورہے ہیں تو مَیں نے چاہا کہ ان کو قرآن کریم کی طرف راغب کروں''،لوگوں نے اس سے کہا حضورﷺ نے ارشادفرمایا ہے کہ''جوشخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''،تو اس نے جواب دیا کہ''مَیں حضور پر جھوٹ نہیں باندھ رہا ہوں بلکہ حضور کی خاطر جھوٹ بول رہا ہوں''!جیسا کہ فتح القریب شرح ترغیب وترہیب میں ہے-اس شخص کی مراد یہ تھی کہ حضور پر جھوٹ باندھنا قواعد اسلام کے ہدم اور شریعت کے فساد کی طرف مؤدی ہوتا ہے،جب کہ حضور کی خاطر جھوٹ بولنا ایسا نہیں ہے،کیوں کہ یہ تو آپ کی شریعت کی اتباع اور آپ کے طریقے کی پیروی کے لیے آمادہ کرتا ہے-

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ'' کلام حصول مقصد کا ایک وسیلہ ہے،جو بھی اچھا مقصد ہوگا تو جھوٹ اور سچ دونوں طریقوں سے اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے،جھوٹ حرام ہے ،لیکن اگر مقصد سچ سے حاصل نہ ہو صرف جھوٹ سے حاصل ہو رہا ہو تو اگر وہ مقصد مباح ہے تو جھوٹ بولنا بھی مباح ہے اور اگر مقصد واجب ہے تو اس کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا بھی واجب ہے''-

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ''عقل مندوں نے کہا ہے کہ مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے''-

طیفی کہتے ہیں کہ''وہ جھوٹ جو تمہاری جان ودل کو خوش کرے وہ اس سچ سے بہتر ہے جو تم کو پراگندہ کردے''-

خلاصۂ کلام یہ کہ اس باب میں آدمی کو اختیار ہے،چاہے تو اکابر سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان احادیث پر عمل کرے،کیوں کہ ان حضرات نے اپنی کتب میں خاص کر کتب تفسیر میں ان احادیث کو نقل کیا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ پوری تلاش وجستجو

www.Qadri.info

کے بعد ہی کوئی حرف تحریر فرماتے ہیں، اور چاہے تو ان احادیث پر عمل نہ کرے اور عظیم فائدوں سے محروم رہے، ایسے شخص سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں- ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض احادیث کی صحت پر محدثین متفق ہوں لیکن حقیقت میں وہ صحیح نہ ہو، اس لیے کہ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے اور حقیقی علم اللہ ہی کے پاس ہے-[۱۱]

موضوع احادیث کے بارے میں حضرت اسماعیل حقی کا موقف آپ نے ملاحظہ فرمالیا، مَیں اپنی کم علمی کے ہزار اعتراف کے ساتھ اس پر کوئی تبصرہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا-

علم اور علما کی فضیلت کے ضمن میں یہ حدیث بھی عام طور سے مقررین کی نوک زبان پر رہتی ہے کہ:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

ترجمہ: میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں-

معنوی اعتبار سے یہ جملہ کتنا ہی درست کیوں نہ ہو بہرحال یہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان نہیں ہے، موضوعات پر لکھنے والے اکثر علما نے اس کے بارے میں فرمایا کہ ''لا اصل له یعنی اس کی کوئی اصل نہیں ہے''-

جب بات تعلیم و تعلم کی آ گئی ہے تو یہ حدیث بھی سنتے چلیں جو خطبا اور مقررین سے لے کر عام پڑھے لکھے لوگ بھی اکثر بیان کرجاتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اطلبوا العلم ولو کان بالصین

ترجمہ: علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے-

آج سے ۶/۵ سال قبل میرے ایک عزیز ایک ماہنامہ نکالتے تھے اور اکثر مجھ سے کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے تھے، مذکورہ ماہنامے کے ایک شمارے میں ایک مضمون نظر سے گزرا تھا جس میں اس حدیث کا حوالہ بڑے طمطراق سے دیا گیا تھا، مَیں نے اس پر شاید ۳/۴ صفحات کی ایک تحریر مدیر کے نام لکھی تھی اور عرض کیا تھا کہ اسی کو شائع فرمادیں، میری وہ تحریر تو کیا شائع ہوتی، اس مہینے سے بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس رسالے کی اشاعت ہی موقوف ہوگئی اور آج تک میری وہ تحریر تشنہ طباعت ہے- ایک اسکول کے سالانہ جلسۂ تقسیم انعامات میں ایک صاحب نے یہ ستم ڈھایا کہ اسی چین والی روایت سے سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے کا وجوب ثابت فرمادیا- حقیقت یہ ہے کہ حدیث کے

www.Qadri.info

مذکورہ الفاظ بھی انتہائی ضعیف ہیں، یہاں تک کہ ابن حبان اور دیگر کئی ناقدین نے اس کے موضوع ہونے کا فیصلہ سنا دیا ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں:

انه باطل لا اصل له [۱۲]

ترجمہ: یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

ابن جوزی نے اس کی دو سندیں بیان کی ہیں، ایک میں حسن بن عطیہ ہیں اور دوسری میں ابو عاتکہ ہیں اور یہ دونوں راوی متکلم فیہ ہیں[۱۳] ابن طاہر مقدسی نے بھی اس روایت کو ابو عاتکہ طریف بن سلیمان کی وجہ سے معلل قرار دیا ہے[۱۴] سمہودی[۱۵] شیبانی[۱۶] اور امام سیوطی[۱۷] وغیرہ نے بھی بلا رد و تعقیب ابن حبان کا مذکورہ قول نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، البتہ امام سیوطی نے اللآلی المصنوعة میں اس کی دو سندیں اور ذکر کی ہیں، پھر خود ہی ان کے بارے میں فرمایا کہ ''ایک میں یعقوب بن اسحاق ہیں جن کو ذہبی نے کذاب کہا ہے، اور ایک میں احمد بن عبداللہ جو یباری ہیں جو وضاع ہیں''۔[۱۸]

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث کے یہ الفاظ اطلبوا العلم ولو كان بالصين انتہائی ضعیف یا پھر بعض کے نزدیک موضوع ہیں لہٰذا ان کو بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے۔

جماعت کی ایک انتہائی قابل احترام شخصیت اور میدان خطابت کے شہسوار حیات النبی پر خطاب فرما رہے تھے، دوران تقریر نعروں کی گونج میں انہوں نے یہ روایت بیان کی کہ:

> جب ملک الموت نے حضور اکرم ﷺ کی روح قبض کی تو وہ آپ کی روح لے کر علیین میں پہنچے، مگر وہاں کوئی جگہ آپ کی روح کے شایان شان نظر نہیں آئی، پھر اس روح مبارک کو رکھنے کے لیے انہوں نے کائنات ارضی و سماوی کا گشت کیا، مگر کوئی بھی مقام ایسا نظر نہیں آیا جو محبوب رب العالمین کی روح کے شایان شان ہو، حضرت ملک الموت بڑے حیران ہوئے اور آخر کار بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی بتائی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''پریشان کیوں ہوتے ہو یہ روح جہاں سے لائے ہو (یعنی جسم پاک مصطفیٰ سے) وہیں رکھ کر آجاؤ''، چناں چہ حضور کی روح مبارک واپس حضور کے جسم اقدس میں ڈال دی گئی۔

www.Qadri.info

جس نے بھی یہ روایت گھڑی وہ کوڑی تو بہت دور کی لایا، مگر ہمارے خیال میں یہ روایت بھی میڈ اِن انڈیا(Made in india) کی قبیل سے ہے- انبیائے کرام اور بالخصوص سیدالانبیاءﷺ کی حیات برزخی کے ثبوت کے لیے بہت سی صحیح احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ایسی بے سروپا روایتیں بیان کر کے آپ خود اپنا ہی مسلک کمزور کررہے ہیں، آپ کا حریف تو عوام کو یہی سمجھائے گا کہ حیات النبی پر جب کوئی صحیح حدیث نہیں ملی تو لوگوں نے اس کے ثبوت میں اس قسم کی حدیثیں وضع کرلیں-

ابھی کچھ مہینے قبل آج سے تقریباً ۱۷/۱۸ برس پہلے کی ایک آڈیو کیسٹ سننے کا اتفاق ہوا، جلسے میں اپنے زمانے کے ایک مشہور ''علامہ'' پورے جاہ وجلال کے ساتھ خطاب فرمارہے ہیں، دوران تقریر آپ نے یہ روایت بیان فرمائی کہ:

> ایک مرتبہ حضرت عائشہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے حجرۂ مبارکہ پر تشریف لائیں تو دروازہ بند پایا، آپ نے دستک دی، اندر سے آواز آئی ''کون ہے؟'' آپ نے جواب دیا ''مَیں عائشہ ہوں''، اندر سے آواز آئی کہ ''کون عائشہ؟'' آپ نے پھر جواب دیا کہ ''ابوبکر کی بیٹی عائشہ''، اندر سے آواز آئی کہ ''کون ابوبکر؟'' آپ یہ سن کر بہت حیران ہوئیں، آپ نے کہا ''وہ ابوبکر جو محمدﷺ کے ساتھی ہیں''، اس جواب پر اندر سے پُرجلال آواز آئی کہ ''کون محمد؟'' یہ سن کر حضرت عائشہ بے ہوش ہوگئیں، جب ہوش آیا اور حضور اکرمﷺ سے اس کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:
>
> لی مع الله ساعة لایسعنی فیها ملك مقرب ولا نبی مرسل
>
> اللہ کی بارگاہ میں میرے کچھ مخصوص اوقات ہیں جن میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل بھی دخل نہیں دے سکتا-

یہ روایت بھی بالکل من گھڑت ہے، البتہ اس کا آخری (عربی والا) حصہ بعض صوفیہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے، جن میں حضرت امام قشیری بھی شامل ہیں، مگر محدثین نے اس کو موضوع قرار دیا ہے- علامہ عجلونی اور ملاعلی قاری نے بالترتیب کشف الخفا اور المصنوع میں اس کو ذکر کیا ہے، ملاعلی قاری

www.Qadri.info

فرماتے ہیں کہ:

من كلام بعض الصوفية وليس بحديث[۱۹]

ترجمہ: یہ بعض صوفیہ کا کلام ہے، حدیث نہیں ہے۔

ہمارے زمانے کے ایک شارح بخاری نے اپنی شرح بخاری میں ایک مقام پر یہ روایت نقل کی ہے، مگر انہوں نے بھی اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، واللہ اعلم۔

یہ روایت بھی عام طور سے مقررین بیان کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کی عمر کے بارے میں پوچھا، حضرت جبریل نے فرمایا کہ مجھے اپنی صحیح عمر تو معلوم نہیں البتہ آسمان میں ایک ستارہ ہے جو ستر ہزار سال میں صرف ایک بار نکلتا ہے اور مَیں نے اس کو بہتر ہزار بار دیکھا ہے، یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ ستارہ مَیں ہی تھا۔

ہزار تلاش کے باوجود بھی یہ روایت مجھے کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی، گمان غالب ہے کہ یہ بھی موضوع روایتوں میں سے ہے۔

حضرت اویس قرنی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں جب یہ خبر ملی کہ حضور اکرم ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا ہے، تو آپ نے اپنے سارے دانت توڑ لیے، یہ سوچ کر کہ پتا نہیں حضور کا کون سا دندان مبارک شہید ہوا ہے۔ یہ روایت کچھ اس انداز میں مشہور ہوئی کہ بعض مقررین نے شب برات کے حلوے کا شجرۂ نسب اسی واقعے سے ملا دیا، یہ الگ بات ہے کہ اب شب برات میں بعض حلوے اتنے سخت بنتے ہیں کہ اگر دانت صحیح سلامت ہوں تو ٹوٹ جائیں۔ ابھی ہم یہ سطور لکھ ہی رہے تھے کہ مدرسہ قادریہ بدایوں کے مدرس مولانا مجاہد رضا قادری نے بتایا کہ اسی ضمن میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کیلے کا درخت اس سے پہلے نہیں تھا جب حضرت اویس قرنی نے اپنے دانت توڑ لیے تو ان کی خاطر اللہ تعالیٰ نے کیلے کا درخت پیدا کیا تا کہ وہ اس نرم پھل کو بہ آسانی کھا سکیں۔ علامہ جامی نے دندان شکنی کی اس روایت کو شعری جامہ پہنا کر شہرۂ آفاق بنا دیا، فرماتے ہیں:

در عشق تو دندان شکست ست بہ الفت
تو جامہ رسانید اویس قرنی را

www.Qadri.info

مشہور پاکستانی نعت خواں ام حبیبہ نے اس کو پڑھ کر گھر گھر پہنچا دیا، دانت توڑنے والی یہ روایت علامہ جامی کی نفحات الانس جیسی کتابوں میں ہوتو ہو لیکن تابعین کے حالات پر لکھی جانے والی کسی معتبر کتاب میں تلاش بسیار کے باوجود ہمیں نہیں ملی۔صحیح مسلم میں امام مسلم نے حضرت اویس قرنی کی فضیلت میں ایک مستقل باب باندھا ہے، مسلم شریف والی روایت دوسری کتابوں کے علاوہ مشکوۃ شریف میں بھی ہے، مسلم اور مشکوۃ کی کئی شروحات پیش نظر ہیں مگر کسی شارح نے اس روایت کا تذکرہ نہیں کیا ہے، تاریخ ورجال کی متعدد معتبر اور معروف کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیز ان میں حضرت اویس قرنی کا طویل تذکرہ کیا ہے[۲۰]، ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں تقریباً چار صفحات حضرت اویس قرنی کے ذکر کے لیے خاص کیے ہیں[۲۱]، ابن عدی نے الکامل میں[۲۲] اور ابن حبان نے المجر وحین میں[۲۳] حضرت اویس سے متعلق بہت سی روایات کا تذکرہ کیا ہے، مگر کہیں بھی اب تک دندان شکنی کا یہ واقعہ نظر سے نہیں گزرا۔ برسبیل تذکرہ یہ بھی عرض کردوں کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''قرن'' یمن کا کوئی مقام ہے جہاں حضرت اویس قرنی پیدا ہوئے تھے، اسی کی نسبت سے آپ کو قرنی کہا جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے بلکہ آپ کے اجداد میں قرن بن ردمان نام کے ایک صاحب تھے ان ہی کی نسبت سے آپ کو قرنی کہا جاتا ہے۔

گزشتہ سطور میں ہم نے ابوجہل کے ہاتھ میں کنکریوں کے کلمہ پڑھنے والی روایت کا تذکرہ کیا تھا، اس پر ایک علامہ نے یوں اظہار لیاقت فرمایا کہ ''یہ روایت اگر ضعیف شدید بھی ہوتو کیا ہوا اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور تلقی بالقبول حدیث کو ضعف سے نکال کر حسن تک پہنچانے کا ایک قوی سبب ہوتا ہے''۔اس دلیلِ قاطع اور برہانِ ساطع کے جواب میں علامہ موصوف کی خدمت میں صرف اتنا عرض ہے کہ یہ درست ہے کہ تلقی بالقبول بعض وقت ضعیف حدیث کو تقویت پہنچاتا ہے، مگر محترم تلقی بالقبول سے تیرہویں چودہویں صدی کے مقررین اور خطبا کی قبولیت مراد نہیں ہے بلکہ ائمہ ومحدثین کی قبولیت مراد ہے، پہلے آپ اس روایت کی سند (خواہ ضعیف ہی سہی) پیش فرمائیں اور پھر یہ بتائیں کہ کن کن محدثین نے اس کی سند ضعیف کے باوجود اس کو قبول کیا ہے، اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے، خیر اس موضوع پر تحقیقی بحث کی جاسکتی ہے مگر یہ مقالہ ان دقیق بحثوں کا متحمل نہیں ہے۔

موضوع اور اسرائیلی روایات کا ایک ذخیرہ وہ ہے جو انبیا کے واقعات کے سلسلے میں بیان کیا جاتا

www.Qadri.info

ہے، یوسف وزلیخا، کشتیٔ نوح، قصہ آدم وحوااور قصص انبیا جیسی بے شمار کتابیں ہیں جواس قسم کے بے بنیاد قصوں سے بھری ہوئی ہیں اور وہیں سے اردو خواں مقررین ان قصوں کو یاد کر کے بیان کرتے ہیں، جو دلچسپی اور شوق سے سنے جاتے ہیں، ان میں سے بہت سی روایات ایسی ہیں جو تفسیر طبری اور قرطبی وغیرہ میں بھی نقل کی گئی ہیں اور ان ہی کتابوں سے بعد کے مفسرین نے بھی اپنی تفسیروں میں ان کا تذکرہ کیا ہے، حالاں کہ ناقدین نے ان روایات کے متن اور سند پر تنقید کر کے ان میں سے صحیح، ضعیف اور موضوعات کو الگ کر دیا ہے- حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے، پھر توبہ قبول ہونے اور حضرت نوح کی کشتی کے سلسلے میں عجیب وغریب روایتیں، ہاروت وماروت نامی فرشتوں کا شراب پی کر زہرہ نامی عورت کے ساتھ بدکاری کرنا اور ایک آدمی کو قتل کرنا، پھر زہرہ نامی اس عورت کا اسم اعظم معلوم کر کے آسمان پر چلے جانا اور وہاں جا کر ستارہ بن جانا، حضرت یوسف اور زلیخا کے متعلق ایسی روایات جو ایک نبی کے منصب کے خلاف ہیں، اوج بن عنق کے بارے میں عجیب وغریب داستانیں، اصحاب کہف اور ان کے کتے کے قصے وغیرہ وغیرہ- حضرت آدم کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان نے سانپ کی شکل اختیار کی اور ایک مور اس کو اپنے پنجوں میں دبا کر جنت میں لے گیا، وہاں جا کر اس نے حضرت حوا کو بہکایا، یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اس قسم کی روایات اتنی کثرت سے رائج ہیں کہ وہ خود ایک تفصیلی مقالہ چاہتی ہیں-

وطن دوستی کی جب بات آتی ہے تو یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: حب الوطن من الایمان (ترجمہ: وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے) حالاں کہ یہ بھی حدیث نہیں ہے- ملا علی قاری[۲۴] امام سیوطی[۲۵] اور حافظ ابن حجر[۲۶] وغیرہ نے فرمایا کہ ''مَیں اس کی اصل سے واقف نہیں ہو سکا''- ملا علی قاری نے اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ معین الدین صفوی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ لیس بثابت (ترجمہ: یہ ثابت نہیں ہے)

روایتوں کی ایک قسم وہ ہے جو کسی تابعی یا تبع تابعی یا ان کے بعد کے کسی امام ومحدث کا قول ہے، مگر غلطی سے اس کو حدیث رسول سمجھ لیا گیا، ایسی روایتیں معنوی اعتبار سے درست ہوتی ہیں، یہ اگر بیان کی جائیں تو ان کے صحیح قائلین کی طرف منسوب کر کے بیان کی جائیں بطور حدیث ان کو بیان کیا جانا درست نہیں ہے- یہاں ہم صرف چند روایتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

www.Qadri.info

تقریروں اور نعتوں میں یہ جملہ بطور حدیث نقل کیا جاتا ہے کہ الفقر فخری (ترجمہ: فقر ہی میرا فخر ہے) حالاں کہ یہ حدیث نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم (م:۱۵۶ھ) کا قول ہے، ملا علی قاری، سمہودی، صغانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو بطور حدیث باطل اور موضوع قرار دیا ہے۔[۲۷]

بزرگوں کے اعراس کے موقع پر یہ جملہ بھی حدیث سمجھ کر تقریروں میں بیان کیا جاتا ہے کہ: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة (ترجمہ: صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے) معنوی اعتبار سے یہ جملہ حقیقت سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو، مگر اکثر ناقدین نے اس کو بطور حدیث بے اصل قرار دیا ہے، البتہ کئی محققین نے اس کو حضرت سفیان بن عیینہ کے قول کے طور پر قبول کیا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں:

لیس له اصل فی المرفوع وانما هو قول سفیان بن عیینة[۲۸]

ترجمہ: بطور حدیث مرفوع اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ یہ سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔

یہی بات ملا علی قاری[۲۹] محدث پٹنی[۳۰] اور امام سخاوی[۳۱] وغیرہ نے بھی ذکر کی ہے۔

اعراس کا ذکر آیا تو ایک حدیث اور یاد آئی جس کو خانقاہی محفلوں اور بعض بزرگوں کے ملفوظات میں نقل کیا جاتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: الشیخ فی قومه کالنبی فی امته اپنی قوم (یعنی مریدین) میں شیخ کا وہی مرتبہ ہے جو اپنی امت میں نبی کا ہے۔ کافی تلاش کے باوجود یہ حدیث ہمیں نہیں ملی، ویسے اس کے الفاظ اور تیور بتا رہے ہیں کہ یہ صادق و مصدوق ﷺ کا کلام نہیں ہے، واللہ اعلم۔ اسی ضمن میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضور نے فرمایا ''جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے'' ۔ یہ حدیث بھی ہمیں آج تک نہیں ملی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسے کا جلسۂ دستار فضیلت ہو تو ضروری ہے کہ تقریروں میں علم اور علما کی فضیلت میں احادیث بیان کی جائیں تاکہ لوگوں میں علم دین کے حصول کا شوق پیدا ہو اور ساتھ ہی اہل ثروت میں بھی مدرسے کی مالی امداد کرنے کا جذبہ بے دار ہو، لہٰذا علما کی اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے قلم کی روشنائی قیامت کے دن شہدا کے خون کے ساتھ تولی جائے، چناں چہ اس معنی کی دو تین روایتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

www.Qadri.info

ایک روایت ہے:

مداد العلماء افضل من دم الشھداء

ترجمہ: علما کی روشنائی شہدا کے خون سے افضل ہے۔

ایک روایت یوں ہے:

یوزن یوم القیامة مداد العلماء ودم الشھداء

ترجمہ: قیامت کے دن علما کی روشنائی اور شہیدوں کا خون تولا جائے گا۔

ایک اور روایت میں ایک ہاتھ آگے جا کر صاف صاف یہ فیصلہ ہی سنا دیا گیا کہ:

یوزن حبر العلماء ودم الشھداء فیرجح ثواب حبرالعلماء

ترجمہ: قیامت کے دن علما کی روشنائی اور شہیدوں کا خون تولا جائے گا تو علما کی روشنائی والا پلہ بھاری ہوگا۔

آخر الذکر دونوں روایتوں کی سند ذکر کر کے ابن جوزی اور خطیب بغدادی نے نقد کیا اور خطیب نے ان کے موضوع ہونے کا فیصلہ سنا دیا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی دوسری اور تیسری روایت کو موضوع قرار دیا ہے[۳۲] ذہبی نے میزان میں تیسری والی روایت کو موضوع قرار دیا ہے [۳۳] البتہ پہلے والی روایت کے بارے میں امام سیوطی[۳۴] اور زرقانی[۳۵] نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل ومناقب میں بے شمار صحیح اور ثابت روایتیں موجود ہیں، مگر اس سلسلے میں موضوع روایتوں کی بھی کمی نہیں، ان میں سے اکثر شیعی راویوں کی طبع زاد ہیں، مگر اہل سنت میں بھی بغیر تحقیق کے بیان کی جاتی ہیں۔ اصول حدیث کی کتابوں میں جہاں موضوعات کو پرکھنے کی بحث کی جاتی ہے وہاں ایک علت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ''یہ روایت فضائل اہل بیت میں ہے اور اس کا راوی رافضی ہے''، محرم کے خطبات کے سلسلے میں ایک بڑے سنی عالم کی کتاب نظر سے گزری جو ہمارے یہاں محرم کے خطبات کے سلسلے میں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں بھی اس قسم کی بے شمار روایتیں درج ہیں اور ہمارے مقررین ان کو بیان کر کے زبانی اور نقد دونوں طرح کی داد وصول کر رہے ہیں۔

جب واقعات کربلا کا ذکر چل ہی نکلا ہے تو یہ روایت بھی سنتے چلیں جو تقریروں میں پوری گھن گرج

www.Qadri.info

کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ:

یزید کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ اس کو کندھوں پر بٹھا کر لے جا رہے تھے، حضور اکرم ﷺ نے جب یہ دیکھا تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ''دیکھو جنتی کے کندھے پر جہنمی سوار ہو کر جا رہا ہے''۔

جس نے بھی یہ حدیث گھڑی ہے اس کو یہ خیال نہیں رہا کہ یزید کی پیدائش حضور اکرم ﷺ کے وصال فرمانے کے ۱۵/سال بعد ہوئی ہے۔

ہمارے یہاں خطبات کی بہت سی کتابیں رائج ہیں، مدارس کے طلبہ ان ہی کتابوں سے تقریریں یاد کر کے میدان خطابت میں قدم رکھتے ہیں، ان کتابوں کے مصنفین عموماً خطباہی ہیں اس لیے انہوں نے ان کتابوں میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں درج کردی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی صاحب علم اس طرف توجہ کریں اور ان خطبات کی کتابوں کا تنقیدی مطالعہ کر کے ان میں موجود صحیح وموضوع روایتوں میں امتیاز کریں اور پھر تقریری موضوعات سے متعلق ایک عمدہ کتاب ترتیب دے کر اسی کو رائج کیا جائے تو کہیں جا کر موضوع احادیث کے اس فتنے کا سد باب ہو سکے گا۔

اس کم ترین راقم الحروف نے ''احادیث قدسیہ'' کے نام سے ایک کتاب اسی جذبے کے تحت ترتیب دی تھی، جس میں صرف صحیح احادیث کا التزام کیا تھا، یہ کتاب اردو کے علاوہ انگلش اور گجراتی میں بھی دستیاب ہے، ہندی ایڈیشن بھی طباعت کے مراحل میں ہے، اس میں مختلف موضوعات سے متعلق ۱۰۰/سے زیادہ صحیح احادیث قدسیہ جمع کی گئیں ہیں جو عام طور پر تقریروں میں کام آنے والی ہیں۔

آخر میں حضور ﷺ کے اس ارشاد عالی پر ہم بات ختم کرتے ہیں:

من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین[۳۶]

جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ (حدیث) جھوٹی ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

آخر میں، ہم یہ عرض کردیں کہ یہ مضمون حدیث پاک کے ارشاد الدین النصیحة کے تحت محض جذبہ خیر خواہی میں قلم بند کیا گیا ہے، پندار علم کا اظہار یا کسی قلمی معرکہ آرائی کا آغاز مقصود نہیں ہے، ہمیں اس ذمہ داری کا احساس بھی ہے کہ کسی من گھڑت بات کو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنا جتنا بڑا

www.Qadri.info

گناہ ہے اتنا ہی بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ کسی صحیح ثابت حدیث کو موضوع قرار دے دیا جائے، لہٰذا احادیث کو موضوع قرار دینے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے، پھر بھی اگر کوئی صاحب علم مضمون میں ذکر کی گئی روایات میں سے کسی کے بارے میں بحث و تحقیق کر کے اس کا حدیث ہونا ثابت کر دیں تو وہ سب سے پہلے ہمیں اس کو قبول کرنے والا پائیں گے–ان ارید الا الاصلاح مااستطعت وما توفیقی الا باللہ

﴿ماہ نامہ جام نور: اکتوبر/نومبر ۲۰۱۰ء﴾

□□□

www.Qadri.info

مـــراجـــع

[۱] تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ الدینوری ص ۲۸، بحوالہ الدخیل فی التفسیر: احمد شحات موسیٰ ص ۵۹۔
[۲] مرجع سابق۔
[۳] تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص ص: ۱۵۳/۱۵۲۔
[۴] الجامع لاحکام القرآن ج ا/ص ۲۹۔
[۵] الخصائص الکبریٰ ج ۲/ص ۲۸۲۔
[۶] تاریخ دمشق: ص ۱۰۷۔
[۷] الخصائص الکبریٰ: جلد ۲/ص ۷۵/۷۴۔
[۸] المعجم الاوسط: جلد ۲/ص ۱۲۰۔
[۹] دلائل النبوۃ ج ۶/ص ۱۲۰۔
[۱۰] مجمع الزوائد: ج ۸/۲۹۸، ۲۹۹۔
[۱۱] ترجمہ ملخصاً تفسیر روح البیان: اختتام سورۂ توبہ، ج ۳/ص ۵۴۷/۵۴۸، المکتبۃ الاسلامیہ بیروت
[۱۲] المقاصد الحسنة: ص ۸۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء
[۱۳] الموضوعات لابن جوزی: ج ا/ص ۲۱۵، المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ ۱۹۶۶ء
[۱۴] معرفة التذکرة فی احادیث المشتھرة: ص ۱۰۱، بیروت ۱۹۸۵ء
[۱۵] الغماز علی اللماز: ص ۴۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۶ء
[۱۶] تمییز الطیب من الخبیث: ۲۴، دارالکتب العربی بیروت سنہ ندارد
[۱۷] الدرر المنتثرة: ۹۶ دارالاعتصام قاہرہ ۱۹۸۷ء
[۱۸] اللآلی المصنوعة: ج ا/ص ۱۹۳، دارالمعرفۃ بیروت ۱۹۸۳
[۱۹] کشف الخفا: ج ۲/ص ۲۲۶، مؤسسۃ الرسالہ بیروت م ۱۴۰۵ھ، المصنوع: ج ا/ص ۱۵۱، مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۹۸ھ

www.Qadri.info

[۲۰]لسان المیزان: ج۱/ص۴۷۱تا۴۷۴، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت ۱۹۸۶ء

[۲۱]الطبقات الکبریٰ ج۶/ص۱۶۱تا۱۶۴، دارصادر بیروت سنہ ندارد

[۲۲]الکامل فی ضعفاء الرجال: ج۱/ص۴۱۲، ۴۱۳، دارالفکر بیروت ۱۹۸۸ء

[۲۳] کتاب المجروحین: ج۳/ص۱۵۲، دارالوعی حلب سنہ ندارد

[۲۴]الاسرار المرفوعة: ص۱۰۹، دارالکتب العلمیۃ ۱۹۸۵ء

[۲۵]الدرر المنتثرة: ۱۹۷، دارالاعتصام قاہرہ ۱۹۸۷ء

[۲۶]الغماز علی اللماز: للسمہودی ص۹۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۶ء

[۲۷] دیکھیے: الغماز علی اللماز: للسمہودی ص۱۸۳، الاسرار المرفوعة: ملاعلی قاری ص۱۶۶، الدرالملتقط: للصغانی ص۱۴ حدیث ۴۴۔

[۲۸]المغنی عن حمل الاسفار: ج۱/ص۵۴۵، مکتبہ طبریہ ۱۴۱۰ھ

[۲۹]الاسرار المرفوعه: ملاعلی قاری ص۱۶۱، دارالکتب العلمیۃ ۱۹۸۵ء

[۳۰]تذکرة الموضوعات: ۱۹۳

[۳۱]المقاصد الحسنة: ۴۶۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت

[۳۲]میزان الاعتدال: ج۶/ص۱۱۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۶ھ

[۳۳]لسان المیزان: ج۵/ص۱۲۵، ص۱۲۸، اورص۲۲۵، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت ۱۹۸۶ء

[۳۴]الدرر المنتثرة ص۳۶۸، دارالاعتصام قاہرہ ۱۹۸۷ء

[۳۵]مختصر المقاصد الحسنة ص۲۲۸، مکتب التربیۃ العلمی، ریاض ۱۹۸۶ء

[۳۶] مقدمہ صحیح مسلم: باب وجوب الروایۃ عن الثقات۔

□□□

www.Qadri.info

مولانا فضل رسول کی کتاب سوط الرحمٰن کے سلسلے میں

(مولانا ابوالکلام آزاد کا تسامح)

سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (۱۲۸۹ھ) برصغیر کے متاخرین اکابر میں جس بلند علمی اور روحانی مقام کے حامل ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں- درس و تدریس، رشد و ہدایت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کی خدمات ہماری تاریخ کا ایک زریں باب ہیں، بالخصوص باطل افکار و نظریات اور بدعقیدگی کے مقابلے میں آپ کا جہاد بالقلم اسلامیان ہند پر ایک عظیم احسان ہے- اس سلسلے میں آپ کی تصانیف المعتقد المنتقد (عربی)، البوارق المحمدیہ (فارسی) اور سیف الجبار (اردو) اولین ماخذ ہونے کے علاوہ درجۂ استناد بھی رکھتی ہیں- ''البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ'' آپ نے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں تصنیف فرمائی۔ اس کتاب کا دوسرا نام ''سوط الرحمن علی قرن الشیطان'' بھی ہے- یہ دونوں تاریخی نام ہیں جن سے کتاب کا سنہ تالیف ۱۲۶۵ھ برآمد ہوتا ہے-

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تذکرہ'' میں سوط الرحمٰن کی بعض عبارتوں کی تنقید بلکہ تضحیک فرمائی ہے- زیر نظر مضمون میں ہم مولانا آزاد کی اسی کرم فرمائی کا تنقیدی جائزہ لیں گے-

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ سوط الرحمٰن کی تالیف (۱۲۶۵ھ) کے ستر سال بعد تذکرہ (۱۳۳۶ھ) میں مولانا آزاد نے اس پر تنقید فرمائی اور اب ''تذکرہ'' کے ۹۴ سال بعد اس تنقید کا تنقیدی جائزہ لینے کی نوبت آرہی ہے- ''تلك الايام نداولها بين الناس''

مصنف سوط الرحمٰن کے بارے میں مولانا آزاد کی تنقید یا تضحیک پر کچھ کہنے سے پہلے اس سلسلے میں ان کے والد محترم کے خیالات پر بھی ایک نظر ڈال لیں، تاکہ والد اور فرزند کے مزاج و مسلک کا تفاوت بھی واضح ہو جائے-

www.Qadri.info

مولانا آزاد اپنے والد ماجد حضرت مولانا خیرالدین دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

مقلدین حنفیہ کے جو مختلف حلقے نظر آتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ تنگ حلقہ ان (آزاد کے والد) کے مشرب کا تھا اور ہندستان کے گذشتہ علما میں صرف مولوی فضل رسول بدایونی، جنھوں نے تقویت الایمان کے رد میں سوط الرحمٰن لکھی ہے، ٹھیک اسی رنگ پر تھے جو اس بارے میں والد مرحوم کا تھا، ان (مولانا فضل رسول بدایونی) کے علاوہ ہندستان کا کوئی سخت سے سخت حنفی عالم بھی ان کے معیار حنفیت پر نہیں اتر سکتا تھا۔[۱]

پھر ایک صفحے کے بعد لکھتے ہیں:

البتہ علمائے حال میں مولانا عبدالقادر بدایونی کی تعریف کرتے تھے اور ان کی حنفیت پر معترض نہ تھے۔[۲]

مولانا ابوالکلام آزاد نے ''تذکرہ'' میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کی تحریک کی مدح وستائش میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں اور ان کے دفاع میں بڑی طویل خامہ فرسائی فرمائی ہے۔
شیخ ابن تیمیہ کے سلسلے میں علمائے ہند کی بے خبریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن عام علمائے ہند کی بے خبریوں کا اس بارے میں جو حال رہ چکا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ مولوی فضل رسول بدایونی مرحوم سوط الرحمٰن میں لکھتے ہیں: داؤد ظاہری شیطان کا متبع تھا، اس کے بعد ابن حزم ظاہری پیدا ہوا جو خبیث تھا، پھر ابن حزم کا شاگرد ابن قیم ہوا اور ابن قیم کا شاگرد شقی ابن تیمیہ، ابن تیمیہ نے ایک نیا دین نکالا'' بعض اشرار بداطوار، جہلا، فسقہ درحلقۂ انقیادش آمدہ در بلاد اسلامیہ طرفہ ہنگامہ برپا نمودند'' اور ان تمام مؤرخانہ تحقیقات کے لیے آخر میں ''طبقات سبکی'' کا حوالہ بھی دیتے ہیں! ایسی ہی تاریخی تحقیقات اکبر کے زمانے میں بھی بعض محققین نے کی تھیں ''چوں سکندر ذوالقرنین باعانت رستم شاہ بابل درمیدان پانی پت با محمود غزنوی پیکار نمودہ چناں کہ فردوسی در سکندر نامہ تفصیل حالش پرداختہ۔ کجا ابن حزم اور کجا ابن قیم؟ بینهما مفاوز تنقطع فيها اعناق المطی پھر لطف یہ کہ ابن تیمیہ ابن قیم کے شاگرد تھے اور ابن تیمیہ کے ساتھی صرف اشرار و جہلا تھے! اللہ تعالیٰ ہم سب کی

www.Qadri.info

کوتاہیاں معاف فرمائے اور جو گزر چکے ہیں ان کی مغفرت۔[۳]

ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ سوط الرحمٰن کی فارسی عبارتوں کی اردو تعبیر میں مولانا آزاد کے قلم سے لغزش ہوئی ہے، داؤد ظاہری کے بارے میں مصنف سوط الرحمٰن نے لکھا تھا:

> داؤد بن علی اصبہانی محدث جلیل الشان مبتلاے وسوسۂ شیطان گردیدہ قائل بخلق قرآن وحدوث آں گشتہ۔[۴]
>
> ترجمہ: داؤد بن علی اصبہانی جو محدث جلیل تھے شیطانی وسوسہ میں مبتلا ہو کر قرآن کے مخلوق اور حادث ہونے کے قائل ہو گئے۔

ابن حزم ظاہری کے بارے میں مصنف نے لکھا تھا:

> دقیقہ در توہین و تذلیل بلکہ تفسیق و تکفیر ائمہ دین فروگذاشت نہ نمودہ و کتب عدیدہ تصنیف کردہ ہرگاہ خبث باطن اوظاہر گردید علما و صلحاے عصر باتفاق امام ابوالولید باجی کہ از عراق طلبیدہ بودند ابن حزم را بزیر حساب آوردہ، کتب اورا در مجمع پیش کردہ ابن حزم را چناں چہ باید و شاید عاجز و ساکت ساختہ در ہماں محفل آں کتب را چاک کردہ بآتش سوختند۔[۵]
>
> ترجمہ: (ابن حزم نے) ائمہ دین کی توہین و تذلیل بلکہ تفسیق و تکفیر میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، متعدد کتابیں تصنیف کیں، جب اس کا خبث باطن ظاہر ہو گیا تو اس زمانے کے علما و صلحا نے امام ابوالولید باجی کے ساتھ جن کو عراق سے بلوایا گیا تھا ابن حزم کا محاسبہ کیا۔ ان کی کتابیں مجمع عام میں پیش کی گئیں اور ابن حزم کو (بحث میں) عاجز و ساکت کر دیا گیا۔ اسی محفل میں ان کی کتابیں چاک کر کے نذر آتش کر دی گئیں۔

پھر صرف ایک سطر کے بعد مصنف کتاب نے ایک انصاف پسند ناقد کی حیثیت سے ابن حزم کی غزارت علمی کا بھی اعتراف کیا ہے:

> غزارت علم از کتب اوظاہر فامابسبب جرات کثیر الاغلاط و خیلے بے احتیاط۔[٦]
>
> ترجمہ: ان کی کتابوں سے ان کی غزارت علمی ظاہر ہے، مگر جرات کے سبب بڑی غلطیاں کرنے والے اور بڑے بے احتیاط تھے۔

www.Qadri.info

مصنف سوط الرحمٰن کی اصل عبارت پڑھنے کے بعد اب مولانا آزاد کے الفاظ دوبارہ پڑھیے کہ ''داؤد ظاہری شیطان کا متبع تھا، اس کے بعد ابن حزم ظاہری پیدا ہوا جو خبیث تھا''، ایسا لگتا ہے کہ یہاں ''حب علی'' اور ''بغض معاویہ'' دونوں جذبوں نے ایک ساتھ اپنا جلوہ دکھایا ہے- حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے داؤد ظاہری اور ابن حزم کے بارے میں چند سطروں میں جو منصفانہ تنقید فرمائی ہے اس کو سامنے رکھ کر آپ کتب طبقات کھنگال ڈالیں اس کے نتیجے میں ان دونوں حضرات کی شخصیت کا جو مرقع بنے گا اس پر یہ چند سطریں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ منطبق ہوتی نظر آئیں گی-

سوط الرحمٰن کے حوالے سے مولانا آزاد نے تیسری بات یہ لکھی ہے کہ ''پھر ابن حزم کا شاگرد ابن قیم ہوا'' اور اس پر اپنے مخصوص انداز میں چوٹ کرتے ہیں کہ ''کجا ابن حزم اور کجا ابن قیم؟ بینهما مفاوز تنقطع فيها اعناق المطى ''اس ریمارک پر ہم مولانا آزاد کو معذور سمجھتے ہیں کیوں کہ یہ غلط فہمی کاتب کی مہربانی کی وجہ سے پیدا ہوگئی-

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سوط الرحمٰن ۱۲۶۵ھ میں تالیف کی گئی، جو اسی سال معمولی کتابت اور غیر معیاری طباعت کے ساتھ منظر عام پر آئی، ظاہر ہے کہ مصنف سوط الرحمٰن کو تقویت الایمان کے مصنف کی طرح خصوصی مراعات تو حاصل تھیں نہیں کہ سوط الرحمٰن کو بھی تقویت الایمان کی طرح معیاری کتابت اور اعلیٰ طباعت کے ساتھ رائل ایشیاٹک سوسائٹی جیسا سرکاری ادارہ منظر عام پر لاتا!، لہٰذا اس میں جگہ جگہ کتابت کی اغلاط موجود تھیں- مصنف نے ابن قیم کے بارے میں یہ لکھا تھا:

پس ازاں ابن قیم وغیرہ تلامذہ اش ہم بتائیداو برخاستند و کتابہاے عجیبہ تصنیف نمودند-

ترجمہ: ان کے بعد ان کے شاگرد ابن قیم وغیرہ ان کی تائید میں اٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب وغریب کتابیں تصنیف کیں-

یہ جملہ مصنف نے اپنے مسودے کے حاشیہ پر لکھا تھا جس کو ابن تیمیہ کے ذکر کے بعد آنا تھا اور بات بالکل درست تھی کہ ابن تیمیہ کے بعد ان کے شاگرد ابن قیم ان کی تائید میں اٹھ کھڑے ہوئے، مگر کاتب نے غلطی سے اس جملہ کو ابن حزم کے ذکر کے بعد اور ابن تیمیہ کے ذکر سے پہلے کتابت کر دیا، اب مفہوم یہ بن گیا کہ ''ابن حزم کے بعد ان کے شاگرد ابن قیم اٹھ کھڑے ہوئے''، اس پر مولانا آزاد کو ایک خوب صورت عربی جملہ چسپاں کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا-

www.Qadri.info

جب سوط الرحمٰن شائع ہو کر آئی تو فوراً مصنف کو کتابت کی اس غلطی کا احساس ہو گیا،مَیں تو اس کو مصنف سوط الرحمٰن کی فراست ایمانی ہی کہوں گا کہ انہوں نے مولانا آزاد کے ریمارک لکھنے سے ستر برس پہلے ہی حقیقت کی وضاحت کر کے مولانا کے ریمارک کو بے وزن کر دیا-سوط الرحمٰن کی تالیف کے اگلے سال یعنی ۱۲۶۶ھ میں حضرت نے ''اکمال فی بحث شد الرحال'' (یہ بھی تاریخی نام ہے) تصنیف فرمائی،جس میں سوط الرحمٰن کی زیر بحث عبارت کا خلاصہ درج کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرما دیا:

کاتب مطبع ذکر ابن قیم را کہ برحاشیہ مسودہ بود از غلطی بالائے ذکر ابن تیمیہ نوشتہ است-[۷]

ترجمہ: کاتب مطبع نے ابن قیم کے ذکر کو جو مسودے کے حاشیہ میں تھا ابن تیمیہ کے ذکر کے اوپر لکھ دیا-

مصنف کی وفات کے چند سال بعد جب سوط الرحمٰن دوبارہ بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تو اس میں اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی اور ابن قیم کے ذکر کو ان کے استاذ ابن تیمیہ کے ذکر کے بعد درج کر دیا گیا- سوط الرحمٰن کے قدیم وجدید دونوں نسخے اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں، یہ عبارت کتابت کی مذکورہ غلطی کے ساتھ طبع اول کے ص:۲۹ پر ہے اور تصحیح کے ساتھ طبع دوم کے ص:۲۴ پر، طبع دوم پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۰ء سے پہلے طبع ہوئی ہے، کیوں کہ آخری صفحہ پر ''اعلان'' کے عنوان سے مصنف کے صاحبزادے تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کی ایک تحریر درج ہے-تاج الفحول کا وصال ۱۳۱۹ھ میں ہوا تھا- اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ یہ مصنف کی وفات کے بعد شائع ہوئی ہے، کیوں کہ سرورق پر مصنف کے نام کے ساتھ ''قدس سرہ'' لکھا ہے،مولانا آزاد کے مطالعے میں طبع اول والا نسخہ آیا ہوگا،جس میں کاتب کی مہربانی شامل تھی اسی لیے ہم نے لکھا تھا کہ اس معاملے کی حد تک ہم مولانا کو معذور سمجھتے ہیں-

مولانا آزاد بڑے لطف کے ساتھ مصنف سوط الرحمٰن کے بارے میں چوتھی بات یہ لکھتے ہیں کہ ''پھر لطف یہ کہ ابن تیمیہ ابن قیم کے شاگرد تھے''،ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی تأمل نہیں کہ یہ سہو ہے کیوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ابن قیم ابن تیمیہ کے شاگرد تھے نہ کہ اس کا برعکس،مگر یہ سہو مصنف سوط الرحمٰن کا نہیں بلکہ خود مولانا آزاد کا ہے، کیوں کہ سوط الرحمٰن میں سرے سے اس عبارت کا

www.Qadri.info

وجود ہی نہیں ہے، ''تذکرہ'' کے مرتب وحاشیہ نگار مالک رام نے انصاف و دیانت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے حاشیے میں بات صاف کردی ہے، لکھتے ہیں:

یہ سہو ہے، مولوی فضل رسول نے ابن تیمیہ کو ابن قیم کا شاگرد نہیں کہا۔[۸]

مولانا آزاد نے مصنف سوط الرحمٰن کی جانب دن دھاڑے جو عبارت منسوب کردی ہے اس پر ناطقہ سر بگریباں اور خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے؟-

مصنف سوط الرحمٰن نے شیخ ابن تیمیہ کے بارے میں لکھا تھا:

بعضے اشرار بداطوار از جہلہ وفسقہ بحلقہ انقیادش آمدہ در بلاد اسلامیہ طرفہ ہنگامہ برپا نمودند-[۹]

ترجمہ: جہلا و فاسقین میں سے بعض اشرار بداطوار ان کے حلقے میں داخل ہوئے اور بلاد اسلامیہ میں عجب ہنگامہ برپا کردیا-

اس پر مولانا آزاد تعجب کے ساتھ لکھتے ہیں:

اور ابن تیمیہ کے ساتھی صرف اشرار وجہلا تھے!-

اس پر عرض ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی شخصیت ابتدا ہی سے مختلف فیہ اور متنازع رہی ہے، گذشتہ ۶، ۷ سو سال میں علامہ موصوف کی مدح وستائش اور ان پر رد وقدح کے سلسلے میں ہزاروں صفحات سیاہ کیے جا چکے ہیں، یہ مختصر مقالہ اس کی تفصیل کا متحمل نہیں ہے- یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ سوط الرحمٰن لکھتے وقت مصنف کے سامنے سبکی کی طبقات الشافعیہ تھی، جیسا کہ ان کے اس جملے سے واضح ہوتا ہے کہ ''در طبقات سبکی تمام ماجرا موجود'' لہٰذا انھوں نے جو کچھ لکھا طبقات سبکی پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا، اب اگر اس سلسلے میں الزام کا کوئی داغ لگتا ہے تو امام سبکی کا دامن داغ دار ہوگا، مصنف سوط الرحمٰن اپنے ماخذ کا حوالہ دے کر اس الزام سے بری ہیں- دوسری بات یہ کہ جہاں تک شیخ ابن تیمیہ کے ساتھیوں کے بارے میں اس خاص جملے کا تعلق ہے تو یہ بھی مصنف سوط الرحمٰن کا طبع زاد نہیں ہے، خود شیخ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید امام ذہبی نے شیخ کے ساتھیوں کے بارے میں اس سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کیے ہیں- امام ذہبی نے اپنے استاذ ابن تیمیہ کی فہمائش کے لیے ان کو ایک خط لکھا تھا، علمی حلقوں میں یہ خط ''النصیحة الذهبية'' کے نام سے مشہور ہے-

www.Qadri.info

امام ذہبی شیخ ابن تیمیہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فما اظنك تقبل علی قولی و لا تصغی إلی وعظی بل لك همة كبيرة فی نقض هذه الورقة بمجلدات و تقطع لی اذناب الكلام و لا تزال تنتصر حتی اقول و البتّة سكت، فاذا كان هذا حالك عندی و انا الشفوق المحب الواد فكيف يكون حالك عند اعداء ك و اعداء ك و اللّٰه فيهم صلحاء و عقلاء و فضلاء كما ان اولياء ك فيهم فجرة و كذبة و جهلة و بطلة

ترجمہ: مَیں گمان نہیں کرتا کہ آپ میری بات مانیں گے یا میری نصیحت پر کان دھریں گے، بلکہ آپ کے اندر تو اتنی ہمت ہے کہ میرے اس ایک ورق کے رد میں کئی جلدیں لکھ ڈالیں اور مجھے برا بھلا کہیں اور آپ اس وقت تک مجھ پر برستے رہیں گے جب تک مَیں یہ نہ کہہ دوں کہ مَیں ساکت ہوا - جب مجھ جیسے شخص کی نظر میں آپ کا یہ حال ہے جو کہ آپ کا مشفق، آپ سے محبت کرنے والا اور آپ کا چاہنے والا ہے تو پھر آپ کے دشمنوں کی نظر میں آپ کا کیا حال ہوگا؟ خدا کی قسم! آپ کے دشمنوں میں صلحا وفضلا اور عقلا ہیں جیسا کہ آپ کے حمایتیوں میں فاجر، جھوٹے، جاہل اور ناقص لوگ ہیں-

شیخ ابن تیمیہ کے ساتھیوں کے بارے میں صاحب سوط الرحمٰن نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھا ہے-

امام ذہبی کی یہ نصیحت سبکی کی طبقات شافعیہ میں بھی ہے اور الگ سے امام زاہد کوثری کی تعلیقات کے ساتھ بھی شائع ہو چکی ہے- اس کے مخطوطے کا اسکین انٹرنیٹ پر موجود ہے اور وہیں سے Download کر کے ہمارے کمپیوٹر میں بھی محفوظ ہے-

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ہم اس بات سے غافل نہیں ہیں کہ بعض حضرات نے اس مکتوب کو فرضی اور جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے- محمد بن ابراہیم الشیبانی کا رسالہ ''التوضيح الجلی فی الرد علی النصيحة الذهبية المنحولة علی الامام الذهبی'' ہمارے علم میں ہے- اس کے علاوہ امام ذہبی کی کتاب ''المہذب فی اختصار السنن الکبیر'' کے مقدمے میں بھی استاذ زکریا علی یوسف نے ''النصيحة الذهبية مزورة'' کے عنوان سے (ص۴ تا ص۷) اس سلسلے میں داد تحقیق دی ہے- اسی کتاب کے جز اول کے آخر میں (ص۴۹۱ تا ص۵۰۱) محقق محمد حسین العقبی نے بھی اس پر

www.Qadri.info

کلام کیا- ان حضرات نے داخلی اور خارجی شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ امام ذہبی کا خط نہیں ہے، بلکہ شیخ ابن تیمیہ کے کسی مخالف (غالباً ابن قاضی شہبۃ) نے اس کو لکھ کر ذہبی کی طرف منسوب کر دیا ہے- ان حضرات نے جو دلائل دیے ہیں ان سب پر بحث ونظر کی گنجائش ہے اور جو حضرات اس کو امام ذہبی کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کے پاس بھی اس سلسلے میں ٹھوس اور مضبوط دلائل ہیں- اس تمام ردو قدح کی تفصیل کے لیے ایک مستقل مقالہ درکار ہے- مختصر یہ کہ صاحب سوط الرحمٰن نے شیخ ابن تیمیہ کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہے جو پہلے سے نہ کہی جا رہی ہو-

تقریباً ایک صفحہ آگے جانے کے بعد مولانا آزاد پھر پلٹ کر صاحب سوط الرحمٰن پر حملہ کرتے ہیں:

> صاحب سوط الرحمٰن نے امام داؤد ظاہری کی نسبت جو لعن وطعن کیا ہے تو یہ دوسری مصیبت ہے اور عامۂ علماے ہند کی بے خبریوں کی ایک واضح مثال-

اس پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ صاحب سوط الرحمٰن نے امام داؤد ظاہری پر جو ''لعن وطعن'' کیا ہے اس کا حرف بحرف ترجمہ یہاں نقل کر دیں تا کہ آگے بات سمجھنے میں آسانی ہو-

> داؤد بن علی اصبہانی جو جلیل الشان محدث تھے، شیطان کے وسوسے میں مبتلا ہو کر قرآن کے مخلوق اور حادث ہونے کے قائل ہو گئے، قیاس کے رد میں ایک رسالہ املا کروایا، اس وقت کے اکابر نے ہر چند فہمائش کی کہ تم قیاس کو رد کرتے ہوئے اور خود ہی قیاس کو رد کرنے کے لیے سیکڑوں قیاس کرتے ہو یہ کیا بلا ہے؟ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، بالآخر ہر طرف سے سرزنش کی نوبت آئی اور داؤد کے رد واخراج کا فیصلہ قرار پایا- جس جگہ بھی وہ جاتے تھے یہی حکم (یعنی رد واخراج کا) ان کا ہم سفر ہوا کرتا تھا، جس وقت نیشاپور سے ان کے اساتذہ محمد بن یحییٰ ذہلی اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ ان کے رد واخراج کا سبب بنے تو وہ وہاں سے بغداد آ گئے اور امام احمد بن حنبل کی مجلس میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا- امام احمد بن حنبل ان کے سوے اعتقاد کا حال جانتے تھے، لہٰذا اپنی محفل میں باریابی کی اجازت نہیں دی- امام احمد کے صاحبزادے نے عرض کیا، ''داؤد انکار کرتے ہیں'' (یعنی ان کے بارے میں جو بدعقیدگی منسوب ہے اس سے انکار کرتے ہیں) امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ''محمد بن یحییٰ ذہلی زیادہ سچے

www.Qadri.info

ہیں، انھوں نے داؤد کا حال مجھے لکھ کر بھیجا ہے، خبردار! وہ (داؤد) میرے سامنے نہ آئے''- سعید بن عمر والبرذعی نے کہا کہ ہم ابوزرعۃ کی مجلس میں تھے کہ عبدالرحمٰن بن خراش نے کہا کہ ''داؤد کافر ہے'' اور وراق داؤد نے ابوحاتم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے داؤد کے بارے میں کہا کہ ''وہ گمراہ اور گمراہ گر تھا، اس کے وسوسوں اور خطرات کی طرف توجہ نہیں کرنا چاہیے''- خلاصۂ کلام یہ کہ اس وقت کاملین کی کثرت اور سید المرسلین ﷺ کے عہد مبارک سے قرب کی وجہ سے داؤد کے فساد کا سلسلہ زیادہ لمبا نہیں چلا اور علمائے اعلام کی کوششوں سے اس کا پایۂ اعتبار ساقط ہوگیا''-[۱۰]

داؤد ظاہری کے ''محدث جلیل الشان'' ہونے، قیاس کو رد کرنے، خلق قرآن کے قائل ہونے اور ان کے جلاوطن کیے جانے کے یہ سب معاملات کوئی ایسے رازہائے سربستہ نہیں ہیں کہ مولانا آزاد جیسے ''ہمہ داں'' سے پوشیدہ رہ گئے ہوں- لسان المیزان، تذکرۃ الحفاظ، تاریخ بغداد وغیرہ آپ کوئی بھی کتاب اٹھائیں آپ کو الفاظ و اسلوب کے ذرا فرق کے ساتھ یہ سب باتیں مل جائیں گی-

امام احمد بن حنبل کے سلسلے میں مصنف نے جو واقعہ لکھا ہے اس کو حافظ ابن حجر کی زبانی بھی ملاحظہ کرلیں:

قلت و قداراد الدخول علی الامام احمد فمنعه وقال کتب الی محمد بن یحییٰ الذهلی فی امرہٖ وانه زعم ان القرآن محدث فلا یقربنی فقیل یا ابا عبد انه ینتفی من هذا وینکرہ فقال محمد بن یحییٰ اصدق منه-[۱۱]

ترجمہ: مَیں کہتا ہوں کہ (داؤد ظاہری نے) امام احمد کی مجلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کو منع کردیا اور فرمایا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی نے مجھے ان کے بارے میں لکھ بھیجا ہے کہ وہ قرآن کو حادث سمجھتے ہیں، وہ ہرگز میرے قریب نہ آئیں''، امام احمد سے کہا گیا کہ ''اے ابوعبداللہ! وہ ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں''، اس پر آپ نے فرمایا کہ ''محمد بن یحییٰ اس کے مقابلے میں زیادہ سچے ہیں''-

اسی واقعے کو قدرے تفصیل کے ساتھ خطیب بغدادی نے بھی نقل کیا ہے-[۱۲]

مصنف سوط الرحمٰن اور حافظ ابن حجر کی عبارتوں میں اس کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک فارسی میں ہے اور دوسری عربی میں-

www.Qadri.info

صاحب سوط الرحمٰن نے سعید بن عمرو کے حوالے سے جو واقعہ لکھا ہے وہ خطیب بغدادی کی زبانی ملاحظہ کریں:

حدثنا سعید بن عمرو البروذعی قال کنا عند ابی زرعة فاختلف رجلان من اصحابنا فی امر داؤد الاصبهانی والمزنی وهم فضل الرازی وعبدالرحمن بن خراش البغدادی فقال ابن خراش داؤد کافر.[۱۳]

ترجمہ: ہم سے سعید بن عمرو البروذعی نے بیان کیا کہ ہم لوگ ابوزرعۃ کی مجلس میں تھے، ہمارے اصحاب میں سے دولوگوں نے داؤد اصفہانی اور المزنی کے بارے میں اختلاف کیا یہ دونوں (اختلاف کرنے والے) فضل رازی اور عبدالرحمٰن بن خراش البغدادی تھے، ابن خراش نے کہا کہ ''داؤد کافر ہے''۔

یہاں بھی مصنف سوط الرحمٰن کا اس سے زیادہ اور کوئی قصور نہیں ہے کہ انھوں نے تاریخ بغداد سے یہ روایت نقل کردی ہے۔

صاحب سوط الرحمٰن نے وراق داؤد کے حوالے سے امام ابوحاتم کا جو قول نقل کیا ہے کہ ''داؤد گمراہ اور گمراہ گر تھے''، یہ بات بھی انہوں نے اس طرح ہوا میں نہیں لکھی جیسے مولانا آزاد نے صاحب سوط الرحمٰن کی طرف منسوب کر کے ایک فرضی بات لکھ دی تھی جس پر مالک رام کو تصحیح کرنا پڑی، بلکہ وراق داؤد کے حوالے سے امام ابوحاتم کا یہ قول حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے۔[۱۴]

امام ابوحاتم رازی نے ''امام داؤد ظاہری کی نسبت جو لعن طعن کیا ہے'' چلتے چلتے اس کو بھی دیکھتے چلئے تاکہ ہمارا یہ سوال اور مضبوط ہو سکے کہ آخر مصنف سوط الرحمٰن نے ایسی کون سی بات لکھ دی تھی کہ ان کی عبارت ''بے خبری کی ایک واضح مثال'' قرار پائی؟!

ابوحاتم فرماتے ہیں:

رویٰ عن اسحاق الحنظلی وجماعة من المحدثین وتفقه للشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ ثم ترک ذلک ونفی القیاس والف فی الفقه علی ذلک کتبا شذ فیه عن السلف وابتدع طریقة هجره اکثر اهل العلم علیها وهو مع ذلک صدوق فی روایته ونقله واعتقاده إلا ان رأیه اضعف الاراء وابعد هامن طریق الفقه واکثرها شذوذاً۔[۱۵]

www.Qadri.info

ترجمہ: داؤد ظاہری نے اسحاق حنظلی اور محدثین کی ایک جماعت سے روایت کی ہے، مذہب شافعی پر فقہ حاصل کیا، پھر اس کو ترک کر دیا، قیاس کی نفی کی اور فقہ میں اسی طریقے پر (یعنی نفی قیاس کے طریقے پر) کئی کتابیں لکھیں، جن میں سلف صالحین کے طریقے سے الگ ہو گئے اور ایک نیا طریقہ ایجاد کیا، اس طریقہ کی بنیاد پر اکثر اہل علم نے ان کو چھوڑ دیا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی روایت، نقل اور اعتقاد میں سچے تھے، مگر ہاں ان کی رائے کمزور ترین، طریق فقہ سے بعید اور اکثر شاذ ہوا کرتی تھی۔

ہمارے خیال میں لسان المیزان میں درج اس ''لعن طعن'' کے مقابلے میں سوط الرحمٰن کا ''لعن طعن'' پھر بھی ہلکا ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ صرف سوط الرحمٰن کے مصنف ہی مولانا کے مورد لطف و کرم ٹھہرے!۔ اگر داؤد ظاہری کے بارے میں سوط الرحمٰن کی عبارت بے خبری کی دلیل ہے تو آخر پھر امام ابو حاتم رازی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور خطیب بغدادی کو بھی ''بے خبر'' کیوں نہ قرار دے دیا جائے؟۔

داؤد ظاہری، ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کے بارے میں سوط الرحمٰن کی تحقیقات کا مذاق اڑاتے ہوئے مولانا رقم طراز ہیں:

ایسی ہی تاریخی تحقیقات اکبر کے زمانے میں بھی بعض محققین نے کی تھیں چوں سکندر ذوالقرنین باعانت رستم شاہ بابل درمیدان پانی پت با محمود غزنوی پیکار نمودہ چنانکہ فردوسی درسکندر نامہ تفصیل حالش پرداختہ۔[۱۶]

ترجمہ: جب سکندر ذوالقرنین نے بادشاہ بابل رستم کی مدد سے پانی پت کے میدان میں محمود غزنوی سے جنگ کی جیسا کہ فردوسی نے سکندر نامہ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

تفنن طبع کے طور پر ہم نے بھی یہ جملہ پڑھا اور اس کا لطف اٹھایا اس فارسی جملے کے با موقع اور برجستہ استعمال (جو مولانا کا خاص وصف ہے) پر مولانا آزاد کو داد تو دی جا سکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوط الرحمٰن کی مذکورہ تحقیقات سے اس جملے کا اتنا ہی تعلق ہے جتنا ذوالقرنین کا محمود غزنوی یا فردوسی کا سکندر نامے سے ہے۔ اگر اس میں کوئی شک ہو تو ہماری معروضات ایک بار پھر پڑھ جائیے۔

دیانت دارانہ اور منصفانہ تنقید کا تقاضا ہے کہ ہم آخر میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کر دیں، ممکن ہے مولانا آزاد کا کوئی وکیل صفائی یہ دلیل دے کہ ''تذکرہ'' مولانا نے رانچی کے زمانہ نظر بندی میں

www.Qadri.info

تالیف کی تھی، جہاں ان کے پاس سوائے دو چار کتابوں کے کوئی ذخیرۂ کتب نہیں تھا، انھوں نے جو کچھ بھی لکھا اپنی یادداشت کی بنیاد پر لکھا-

وہ خود تذکرہ کے آخر میں اس کا اعتراف کرتے ہیں:

تمام کتابیں کلکتہ میں پڑی ہیں، بجز اپنے قلمی مسودات اور ایک نسخۂ مصحف کے اور کوئی کتاب ہم راہ نہیں، جب یہ تذکرہ لکھنا شروع کیا تو بعض حالات کے لیے صرف تذکرۃ الواصلین، اخبار الاخیار اور طبقات اکبری منگوالی اور بعد کو منتخب التواریخ بھی آ گئی، ان کے سوا کوئی کتاب پیش نظر نہیں رہی ہے جو کچھ لکھا ہے صرف اپنے حافظے کے اعتماد پر لکھا ہے-[۱۷]

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں:

پس جو کچھ حافظے میں محفوظ تھا حوالۂ قلم کر دیا-[۱۸]

''تذکرہ'' میں مولانا نے فقہ و عقائد کے مسائل، تاریخ و سیرت کے مباحث، بے شمار کتابوں اور مصنفین کے تذکرے، علما کی عبارتیں اور سیکڑوں عربی فارسی اردو اشعار محض اپنے حافظے اور یادداشت کی بنیاد پر قلم برداشتہ لکھ دیے ہیں، ایسی صورت میں اگر سوط الرحمٰن کی چند عبارتوں کی تعبیر میں ''تسامح'' ہو گیا تو کیا قیامت آ گئی؟

اس پر ہم عرض کریں گے کہ یہ بات مولانا آزاد کی ذہانت و ذکاوت، غیر معمولی قوت حفظ اور زبردست علمی استحضار کی دلیل تو بن سکتی ہے، مگر مولانا کے اس ''تسامح'' نے مولانا فضل رسول بدایونی جیسے محقق و عالم، خدا رسیدہ بزرگ اور ذمہ دار مصنف کی جو تحقیقی ثقاہت مجروح کی ہے اس کا کفارہ نہیں بن سکتی-

اس بحث کے آخر میں مولانا نے جو جملے لکھے ہیں ان کو بلا تبصرہ نقل کر کے ہم مضمون ختم کرتے ہیں-

مقصود اس ذکر سے نکتہ چینی نہیں ہے، غلطیاں سب سے ہوتی ہیں، دکھلانا یہ ہے کہ ہندستان میں ابتدا سے مطالعہ و نظر کا میدان بہت محدود رہا ہے اس لیے عجیب عجیب لغزشیں ہوتی رہیں-[۱۹]

﴿ماہ نامہ جام نور: اکتوبر ۲۰۰۹ء﴾

□□□

www.Qadri.info

حــواشــی

[۱] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی:ص۱۶۴،حالی پبلی کیشنز دہلی ۱۹۵۸ء

[۲] مرجع سابق

[۳] تذکرہ:ص۲۵۰،۲۵۱،مرتبہ مالک رام،ساہتیہ اکیڈمی دہلی ۱۹۹۰ء

[۴] سوط الرحمٰن،ص:۲۹

[۵] سوط الرحمٰن ص:۳۰

[۶] سوط الرحمٰن ص:۳۰

[۷] اکمال فی بحث شد الرحال:ص۸

[۸] حواشی تذکرہ،ص:۴۵۲،ساہتیہ اکیڈمی دہلی ۱۹۹۰ء

[۹] سوط الرحمٰن ص:۳۲

[۱۰] سوط الرحمٰن:ص۲۹،۳۰

[۱۱] لسان المیزان : حافظ ابن حجر عسقلانی ج:۲/ص:۴۲۲،مؤسسۃ الاعلمی بیروت ۱۴۰۶ھ

[۱۲] دیکھیے تاریخ بغداد ج:۸/ص:۳۷۴،دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۱۳] تاریخ بغداد ج:۲/ص:۳۷۳،دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۱۴] دیکھیے لسان المیزان ج:۲/ص:۴۲۳

[۱۵] لسان المیزان: حافظ ابن حجر ج:۲/ص:۴۲۳

[۱۶] تذکرۃ،ص:۲۵۱

[۱۷] تذکرہ،ص:۳۳۸

[۱۸] حوالۂ مذکور

[۱۹] تذکرہ،ص:۲۵۲

□□□

www.Qadri.info

مولانا فضل رسول بدایونی کے فتوے پر

(ایک غلط بیانی کا تنقیدی جائزہ)

تیرہویں صدی کے نصف میں برصغیر ہندو پاک میں شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی کتاب تقویت الایمان کی وجہ سے جو افتراق و انتشار پیدا ہوا تھا اس کا اثر نہ صرف علما اور عوام تک رہا، بلکہ یہ کشمکش لال قلعہ میں ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے دربار تک جا پہنچی- دربار میں بعض لوگ شاہ صاحب کی بیان کردہ توحید و شرک کی جدید تعبیر و تشریح سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض حضرات اپنے ان ہی قدیمی عقائد و معمولات کے پابند رہے جو انہیں اپنے جلیل القدر اسلاف و اکابر بالخصوص خانوادۂ ولی اللہ کے علما و صوفیا سے وراثتاً ملے تھے-

دربار میں جب قدیم و جدید کی اس کشمکش نے ٹکراؤ اور تصادم کی صورت اختیار کر لی تو بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے فیصلہ کیا کہ ان اختلافی مسائل پر کسی معتبر عالم سے فتویٰ لیا جائے اور وہ جو رائے دے اسی کے مطابق لال قلعہ میں عمل درآمد کروایا جائے- اس اہم کام کے لیے اس کی نگاہِ انتخاب سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی ذات گرامی پر پڑی، بادشاہ نے آپ کی بارگاہ میں استفتا روانہ کیا، آپ نے پوری تحقیق سے مسائل کا تشفی بخش جواب تحریر فرمایا، اس کے بعد آپ کا یہ فتویٰ فرمان سلطانی کے مطابق دہلی سے شائع کیا گیا- اس فتوے کے سلسلے میں حضرت کے سوانح نگار مولانا ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

> حضرت اقدس کی تصانیف مطبوعہ مشہورہ اور غیر مطبوعہ کے علاوہ ایک فتویٰ ہے جس کو ہندوستان کے آخری اسلامی تاجدار، خاتم السلاطین ہند، حضرت ظل سبحانی، سلالۂ دودمان تیموریہ، خلاصۂ خاندان مغلیہ، سلطان ابن السلطان خاقان ابن خاقان ابو

www.Qadri.info

ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہِ غازی جنت آشیانی نے دہلی سے بہ کمال حسن
ِ عقیدت آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا تھا- یہ استفتا بارگاہ سلطانی سے نواب معلیٰ
القاب علاء الدولہ یمین الملک سید محی الدین خان بہادر استقامت جنگ خلف
الصدق جناب اعظم الدولہ معین الملک محمد منیر خان بہادر بدایوں لے کر آئے-
حضرت اقدس کی خدمت میں شاہانہ آداب کے ساتھ خریطۂ سلطانی پیش کیا، آپ
نے شاہی مہمان کو درویشانہ میزبانی کے ساتھ ٹھہرایا اور فوراً جواب استفتا مرتب
فرمایا- دہلی کے تمام اکابر علمائے اعلام نے تصحیح و تصدیق کی مہریں کر دیں- فرمان
سلطانی سے یہ فتویٰ ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں دارالخلافت شاہ جہاں آباد محلّہ
زینب باڑی مطبع مفید الخلائق میں مطبوع ہوا-[۱]

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کے غیر منقسم ہندوستان کا تصور کریں، معقول و منقول، تصوف و روحانیت اور علم ظاہر و باطن کے ایسے ایسے اساطین نظر آئیں گے کہ رہتی دنیا تک زمانہ ان پر ناز کرے گا- برصغیر کے علمی مرکز فرنگی محل کا شمس فضل و کمال دائرۂ نصف النہار پر تھا، خیر آبادی درس گاہ اپنے عہد شباب میں تھی، دارالخلافت دہلی میں تو اہل فضل و کمال کی ایسی انجمن آباد تھی کہ پھر چشم فلک نے اس کے بعد اہل علم و فن کا ایسا اجتماع کبھی نہ دیکھا- مولانا عبدالوالی فرنگی محلی، مفتی نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا ولی اللہ فرنگی محلی اور مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی خانوادۂ فرنگی محل کی علمی وراثت کی نمائندگی کر رہے تھے، استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے پورے علمی جاہ و جلال کے ساتھ رونق افروز تھے، مولانا حیدر علی فیض آبادی (مصنف منتہی الکلام) مفتی عنایت احمد کاکوروی اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اپنے علمی فیضان سے زمانے کو سیراب کر رہے تھے، دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی انجمن علم وادب کی شمع فروزاں تھے اور خود شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ دہلوی مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے اور علم و فن کے دریا بہا رہے تھے- خدانخواستہ ان اساطین علم و فن کی تنقیص یا تخفیف مقصود نہیں ہے، مگر قابل توجہ بات یہ ہے کہ مختلف فیہ اور متنازع مسائل میں جب حکم شرعی معلوم کرنا ہوا تو بادشاہ وقت کی نگاہ نے کسی ایسی شخصیت کی تلاش کی ہوگی جو علم و تحقیق کی گہرائی کے ساتھ ساتھ علما اور عوام دونوں میں یکساں طور پر پایۂ اعتبار و استناد رکھتی ہوتا کہ اس کی رائے اس سلسلے میں قول فیصل قرار پائے، اس

www.Qadri.info

کے لیے پورے ہندوستان میں طواف کرنے کے بعد بادشاہ وقت کی نگاہِ انتخاب ایک ایسی شخصیت پر جا کرٹھہرتی ہے جو مسند درس اور بوریۂ فقر دونوں کو بیک وقت زینت بخش رہی تھی- یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر بادشاہ اس ذات میں اپنے مطلوبہ تمام اوصاف نہ دیکھ لیتا تو نواب استقامت جنگ کو ہرگز آپ کی بارگاہ میں استفتا لے کر نہ بھیجتا- اس پہلو سے اگر اس فتوے کو دیکھا جائے تو اس حقیقت کا ادراک زیادہ مشکل نہیں کہ اپنے معاصر علما میں سیف اللہ المسلول کس بلند رتبہ اور ممتاز مقام کے حامل تھے-ذلك فضل اللّٰه یو تیه من یشاء۔

استفتا اور فتویٰ دونوں فارسی زبان میں ہیں، یہاں ہم بہادر شاہ ظفر کے استفتا کا اردو ترجمہ نذر قارئین کرتے ہیں تا کہ اس فتوے کی نوعیت اور اُس کشمکش کا کچھ اندازہ ہو سکے جو اس وقت لال قلعہ میں پیدا ہوگئی تھی-

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو مندرجہ ذیل باتیں کہتا ہے:

[۱] دن مقرر کر کے محفل میلاد شریف کرنا گناہ کبیرہ ہے-

[۲] محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے-

[۳] کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے-

[۴] اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہے-

[۵] قدیم رواج کے مطابق پنج آیات ختم کرنا بدعت سیئہ ہے-

[۶] حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے-

[۷] قصداً تعزیہ کو دیکھنا یا بلا ارادہ دیکھنا کفر ہے-

[۸] ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اگر چہ بغیر ارادے کے ہو اور اس سے اس کی بیوی پر طلاق ہو جاتی ہے-

[۹] کعبہ شریف اور مدینہ منورہ کے خطے کو کوئی بزرگی حاصل نہیں ہے، کیوں کہ اس سرزمین پر ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے رہنے والے ظالم ہیں، اس لیے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا اور حضرت امام حسین کو مکہ شریف سے نکال دیا، اس وقت دین محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے علما جو حقیقتاً

www.Qadri.info

مہاجرین تھے انہیں نکال کر ہندوستان بھیج دیا، حالاں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے والے نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جلا وطن کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں قائل مذکور کی اقتدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مسلمانوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت مطہرہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے، نیز اس کے متبعین کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی بادشاہ دیں پناہ

وفقه الله لما يحبه ويرضاه

المستفتی

ابوظفر سراج الدین

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ یہ فتویٰ پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں دہلی سے شائع ہوا تھا، اس کے بعد ۱۹۷۰/۱۹۸۰ کے درمیانی عرصے میں ڈاکٹر شیخ علیم الدین قادری قدیری نے اس کا اردو ترجمہ کر کے اپنے زیر اہتمام کلکتہ سے شائع کروایا اور ابھی حال میں اِس بے بضاعت راقم الحروف کے ترجمے اور حواشی کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے شائع کیا ہے۔[۲]

اس فتوے کے ایک جملے کی وجہ سے بعض اذہان میں ایک غلط فہمی راہ پا گئی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہمیں اسی غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہے۔

بہادر شاہ ظفر کے استفتا میں دو سوال یہ بھی تھے کہ ایک شخص کہتا ہے "تعزیہ کو قصداً یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اگر چہ بغیر ارادے کے ہو، ایسے قائل کا کیا حکم ہے؟"

سوال کو دوبارہ غور سے پڑھیں قائل یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ تعزیہ دیکھنا اور دسہرے میں جانا حرام ہے، بلکہ وہ اس کو کفر کہہ رہا ہے۔ اہل علم تو اہل علم ایک عام آدمی بھی حرام اور کفر کے درمیان فرق کو خوب سمجھتا ہے۔

اس فرق کو نگاہ میں رکھ کر اب حضرت کا جواب ملاحظہ کریں:

www.Qadri.info

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان وکفر تصدیق وتکذیب کا نام ہے جو دل کا فعل ہےاور زبان سے اقرار کرنا ایک زائد رکن ہے یا زبان سے اقرار کرنا دنیا میں اجرائے احکام کے لیے شرط ہے اور باطل فرقوں میں سے خوارج کے نزدیک تصدیق مع الطاعت کا نام ایمان ہے، لہٰذا ہر گناہ کو وہ کفر بتاتے ہیں اور ہر معصیت ان کے نزدیک شرک ہے خوارج کا یہ گمراہ عقیدہ چوں کہ حد شہرت کو پہنچ چکا ہے، لہٰذا اس کی سند کی حاجت نہیں ہے۔

قائل نے فقط آنکھ کے فعل یعنی دیکھنے پر کفر کا حکم لگا دیا خواہ دل کی تصدیق ہو یا نہ ہو، قائل کا یہ قول اس کے اہل سنت و جماعت کے دائرے سے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تعزیہ کے بارے میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ چوں کہ قوم اس کی عبادت کرتی ہے اس لیے اس کے دیکھنے سے کفر لازم آئے گا، تو قائل کا یہ حکم لگانا بھی باطل ہے ورنہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ چاند سورج دیکھنا، گنگا جمنا کو دیکھنا اور اس کا پانی پینا بھی کفر ہو!۔

اس کے بعد سوال میں موجود دسہرے کے تعلق سے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کے تیوہاروں میں شرکت اگر تعظیماً ہو اور ان کے کفریہ اعمال میں موافقت کرے تو کفر ہوگا ورنہ کفر نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ نے طحطاوی اور عالمگیری کا حوالہ دیا ہے۔

فرماتے ہیں:

ہاں البتہ فقہ کی کتابوں میں مشرکین کی عیدوں میں بہ قصد تعظیم جانے اور ان کے افعال میں موافقت کرنے کو کفر لکھا ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ ''آدمی کا مشرکین کی عید میں تعظیماً جانا کفر ہے''۔

عالمگیری میں ہے کہ ''اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جو مجوسیوں کے جشن نیروز میں جائے، ان کی ان کاموں میں موافقت کی غرض سے جو وہ اس دن کرتے ہیں اور نیروز کی تعظیم کے قصد سے کوئی ایسی چیز خریدے جو اس نے اس سے پہلے نہیں خریدی، نہ کہ اس چیز کو کھانے پینے کے لیے، اسی طرح اس دن مشرکوں کو اس دن کی

www.Qadri.info

عظمت کی وجہ سے کوئی ہدیہ وغیرہ دینے سے بھی کفر ہو جائے گا، اگر چہ تحفے میں ایک انڈا ہی دیا ہو، مجوسی کی دعوت جو وہ اپنے لڑکے کے سر منڈانے میں کرے تو اس دعوت میں جانے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی''۔

اس کے بعد آپ نے صحیح بخاری اور فتح الباری سے اس بات کو مزید مدلل کیا ہے۔ اس ضمن میں فتاویٰ عالمگیری سے یہ جزیہ نقل کیا کہ مسلمان کو مجوسی سے اس کی آگ روشن کرنے کے عوض مزدوری لینے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب محیط سے یہ جزیہ نقل کیا کہ کسی مسلمان کا کسی ذمی کے یہاں عبادت خانہ اور کلیسہ بنانے کے لیے مزدوری کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد بتوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں حافظ ابن حجر کی فتح الباری سے ایک عبارت نقل کی جس کے آخر میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''بت اور صلیب بنانا حرام ہے''۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل کفر نہیں ہے، چوں کہ استفتا میں تعزیہ دیکھنے اور دسہرے میں جانے کو حرام نہیں بلکہ کفر کہا گیا تھا، اس لیے پوری بحث کرنے کے بعد اب اس قائل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہ بیند کہ ساختن بت کفر نیست و در جواز بیع آں تفصیل علی لاختلاف و مزدوری ساختن بت خانہ و برافروختن نارِ معبد مجوس جائز و دیدن تعزیہ بالقصد یا بلاقصد کفر؟

دیکھنا چاہیے کہ بت بنانا کفر نہیں ہے اور بتوں کی خرید و فروخت کے جواز میں اختلاف موجود ہے، بت خانہ بنانے کی مزدوری اور مجوسیوں کے عبادت خانے کی آگ روشن کرنا تو جائز ہو اور تعزیہ کو قصداً یا بلاقصد دیکھنا کفر ہو؟!

یہ اتنی صاف شفاف بحث ہے کہ اس میں کسی ذی شعور انصاف پسند کو اشکال نہیں ہوگا اور پھر اس میں مصنف نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ معتبر کتب کے حوالے سے کہا ہے، مگر برا ہو تعصب و تنگ نظری کا کہ بعض اہل قلم نے اس پر حاشیہ آرائی کر کے اس واضح مسئلے کو کیا سے کیا بنا دیا۔

دیوبندی مکتبۂ فکر سے وابستہ معاصر قلم کار ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے ''مطالعۂ بریلویت'' کے نام سے سات جلدوں میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اس میں موصوف نے کئی جگہ مولانا فضل رسول بدایونی اور ان کے اخلاف پر بھی کرم فرمائی کی ہے۔ ان کے ایک بے بنیاد الزام کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ ہم اپنی کتاب ''تذکرۂ ماجد'' [۳] میں پیش کر چکے ہیں، ان کی باقی مہربانیوں کا حساب بے باق کرنا ابھی ہمارے اوپر قرض ہے۔ سردست

www.Qadri.info

ہم ڈاکٹر صاحب کی اس خامہ فرسائی پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق زیر بحث فتوے سے ہے۔
ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

ہندو بت پرست تھے اور ابھی پنڈت دیانند نے آریہ سماج کی تحریک شروع نہ کی تھی اور مسلمانوں کو بتوں سے بہت نفرت تھی اور وہ کبھی بتوں اور مندروں کے قریب نہ پھٹکتے تھے۔ ہندو چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ذہنوں سے بتوں کی نفرت اتاری جائے، اچانک یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بت بنانا کفر ہے یا نہیں؟ اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ (رحیمیہ) کی طرف رخ نہ کیا گیا، ان علما کی تلاش کی گئی جو ان محدثین دہلی کے خلاف مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی مسند سنبھالے ہوئے تھے۔ مولانا فضل رسول بدایونی ان کے سرخیل تھے اور حضرت اسماعیل شہید کے خلاف متعدد کتابیں ''سیف الجبار'' وغیرہ لکھ چکے تھے، آپ نے فتویٰ دیا جسے مفید الخلائق پریس شاہ جہاں آباد نے ۱۲۲۸ھ میں بڑی آب وتاب سے شائع کیا: ''عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں'' دیکھئے مولانا نے ہندوازم کو کس گھناؤنے انداز میں سہارا دیا، مسلمانوں کو بتوں کے نام سے نفرت تھی وہ اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے، چہ جائے کہ بنانا، مگر مولانا نے مسلمانوں کے ذہن سے بتوں کی نفرت کو کم کرنے کے لیے ایک عجیب فقہی سہارا لیا۔[۴]

اس اقتباس میں جس طرح تاریخی حقائق کو مسخ کیا گیا ہے وہ مسلکی زعم تعصب کی ایک عبرت انگیز مثال ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سوال ہندوؤں نے کیا تھا جب کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ استفتا مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا تھا، پھر یہ کہ بت بنانے کے سلسلے میں کوئی سوال کیا ہی نہیں گیا تھا، آپ دیکھ چکے کہ یہ بات ضمناً آ گئی ہے، اصل استفتا میں اس تعلق سے کوئی سوال نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فتوے سے جو ایک جملہ نقل کیا ہے کہ ''عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں؟'' اس میں لفظ ''عبادت کے لیے'' اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اصل فتوے میں اس لفظ کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ ''اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسے کی طرف رخ نہ کیا گیا، بلکہ محدثین دہلی کے مخالف علما کو تلاش کیا گیا'' تاریخ کی اس ستم ظریفی کو کیا کہا جائے کہ (بقول ڈاکٹر

www.Qadri.info

صاحب)''ہندوازم کو گھناؤنے انداز میں سہارا دینے والے''اس فتوے کی تائید وتصدیق کرنے والے علما میں آدھے سے زیادہ علما ''دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ رحیمیہ'' کے فارغ التحصیل اور ''محدثین دہلی'' کی درس گاہ کے فیض یافتہ ہیں-مثال کے طور پر

[۱]مفتی صدرالدین آزردہ تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

[۲]مولانا حیدر علی فیض آبادی تلمیذ شاہ رفیع الدین دہلوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

[۳]مولانا احمد سعید نقشبندی تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

[۴]مولانا کریم اللہ دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

[۵]مولانا حکیم امام الدین تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادی تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

[۶]مولانا فریدالدین دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ-[۵]

فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولا یجر منکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی[۶]

ترجمہ:کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس حد تک نہ لے جائے کہ تم ناانصافی کرو، (بلکہ)ہمیشہ انصاف کروکہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے-

اس سلسلے میں ایک اور کرم فرما ڈاکٹر ابوعدنان سہیل صاحب نے اپنی کتاب ''بریلویت طلسم،فریب یا حقیقت'' میں داد تحقیق دی ہے، پہلے انھوں نے الفاظ کی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ بلاحوالہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے،اس کے بعد فرماتے ہیں:

> اس بت کدۂ ہند میں سیکڑوں سال تک شان سے حکومت کرنے والے مسلمانوں کو روزی روٹی حاصل کرنے کے بہانے بت خانے بنانے کی ترغیب دینے کا یہ فتویٰ کہ ''عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں''جہاں ان کی دینی غیرت کے لیے ایک تازیانہ ہے اور عقیدۂ توحید کے ساتھ ایک سنگین مذاق، وہاں ہندومت کی تائید وتوثیق اور اس کے احیائے نو کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کی فکر اور در پردہ اسلام کے خلاف ان کے پوشیدہ عزائم کی بھی صاف نشان دہی کرتا ہے-[۷]

www.Qadri.info

ڈاکٹر سہیل صاحب نے ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی تحقیق پر اپنی طرف سے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ:

اس کے لیے محدثین دہلی کے پرانے مدرسے مدرسہ رحیمیہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے خاندان ولی اللہ کے کٹر دشمن اور ابوالفضل فیضی کے مداح مولانا فضل رسول بدایونی کو تلاش کیا گیا اور انہوں نے ہندوازم کی تائید میں یہ فتویٰ دے ڈالا -[۸]

مولانا فضل رسول بدایونی کو ابوالفضل اور فیضی کا مداح ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر سہیل نے یہ دلیل دی کہ:

مولانا فضل رسول بدایونی کے بیٹے عبدالقادر بدایونی کے بارے میں یہ تاریخی شہادت ملتی ہے کہ انہوں نے اپنی دینی تعلیم آگرہ میں ابوالفضل اور فیضی کے قائم کردہ ان ہی اداروں میں حاصل کی تھی، چناں چہ واحد یار خاں اپنی کتاب ''ارض تاج'' میں آگرہ کی مشہور شخصیات کے بارے میں لکھتا ہے ''ابوالفضل اور فیضی اسی اجڑے دیار کے باشندے تھے، عبدالقادر بدایونی نے آگرہ ہی میں تحصیل علم کیا'' -[۹]

ڈاکٹر سہیل صاحب کی اس عجوبۂ روزگار ''تاریخی شہادت'' پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم ڈاکٹر سہیل صاحب اور ان کی اس کتاب کے بارے میں کتاب کے مقدمہ نگار اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی رائے پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں-

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ کسی مولوی کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ ایک دانشور کی محنت ہے، جس نے تلاش حق میں کوہ کنی کی ہے-[۱۰]

ہمیں افسوس ہے کہ ایک ''دانشور'' نے ''کوہ کنی'' کر کے جو تاریخی گوہر برآمد کیا ہے اس پر تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی تعجب کیے بنا نہیں رہ سکتا - یہ بات تاریخی طور پر بالکل بے بنیاد ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقادر بدایونی کو آگرہ تحصیل علم کے لیے بھیجا- اپنے تعلیمی مراحل کے کسی بھی دور میں مولانا عبدالقادر بدایونی کا آگرہ سے کوئی تعلق نہیں رہا، بلکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقادر بدایونی کو ''محدثین دہلی کے پرانے مدرسے مدرسہ رحیمیہ'' کے سند یافتہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ

www.Qadri.info

عبدالقادر محدث دہلوی کے خاص شاگرد استاذ مطلق مولانا فضل حق خیرآبادی کی بارگاہ میں تحصیل علم کے لیے بھیجا تھا- واحد یار خاں نے جن عبدالقادر بدایونی کا ذکر کیا ہے وہ مولانا فضل رسول بدایونی کے صاحبزادے نہیں بلکہ مشہور مؤرخ اور اکبر کے فتنۂ دین الٰہی کے خلاف احقاق حق کرنے والے عظیم مجاہد ملاّ عبدالقادر بدایونی ہیں، جن کی وفات کے ۲۳۲ برس بعد مولانا فضل رسول بدایونی اس دنیا میں تشریف لائے- ملا عبدالقادر کی پیدائش ۹۴۷ھ/ ۱۵۴۰ء اور وفات ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء میں ہوئی- ملا عبدالقادر کے تمام سوانح نگار یہ بات لکھتے ہیں کہ انھوں نے آگرہ میں تحصیل علم کی تھی، مگر ملا عبدالقادر بدایونی کو ابوالفضل اور فیضی کا مداح یا ان کے افکار وخیالات سے متأثر وہی شخص قرار دے سکتا ہے جو علم وتاریخ سے بالکل نابلد ہو، اگر کوئی ایسا دانشور جس نے تلاش حق میں کوہ کنی کی ہو یہ بات لکھے تو تاریخ اور علم تاریخ کی مظلومیت پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے-

ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور زمانہ کتاب ''منتخب التواریخ'' عہد اکبری کے سلسلے میں ایک بنیادی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے- اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کس طرح ملا عبدالقادر بدایونی نے ابوالفضل اور فیضی کی حقیقت عالم آشکارا کی ہے، نیز ملا عبدالقادر وہ مرد مجاہد ہے جس نے برسرِ دربار بادشاہ جلال الدین اکبر کے روبرو اس کے دین الٰہی کی مذمت کر کے اس حدیث پاک کا عملی نمونہ پیش کر دیا کہ ''ظالم بادشاہ کے روبرو کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے''، مگر یہ سب تاریخی حقائق اہل علم وانصاف کے لیے ہیں، اگر کوئی دانشور قسم کھالے کہ مَیں تمام تاریخی تحقیقات سے منھ موڑ کر خود ہی تلاش حق میں کوہ کنی کروں گا تو اس کے لیے سوائے دعاے صحت کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا-

اس کتاب میں ڈاکٹر سہیل صاحب نے مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب البوارق المحمدیہ اور تصحیح المسائل کے دو حوالے دیے ہیں، ان میں بھی صورت حال زیادہ مختلف نہیں ہے، ان دونوں عبارتوں کی وضاحت اور ڈاکٹر صاحب کی تحقیق پر تنقید وتبصرہ ہم کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں- رب قدیر ومقتدر ہمیں ہر حال میں حق بولنے، حق سمجھنے اور حق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے-

﴿ماہ نامہ جام نور: دسمبر ۲۰۰۹ء﴾

□□□

www.Qadri.info

حــواشــی

[۱]اکمل التاریخ، ج ۲/ص ۱۵۳

[۲]یہ فتویٰ تاج الفحول اکیڈمی سے ''اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

[۳]یہ کتاب بھی مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی ترتیب کے ساتھ جولائی ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی شائع کر چکی ہے۔

[۴]مطالعۂ بریلویت ج ۳/ص ۱۱۵، ۱۱۶، حافظی بک ڈپو دیوبند

[۵]دیکھیے: نزہۃ الخواطر و تذکرۂ علماے ہند از رحمان علی

[۶]المائدہ: آیت ۸

[۷]بریلویت طلسم فریب یا حقیقت، ص: ۳۶۰، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند ۱۹۹۹ء

[۸]مرجع سابق ۳۵۹

[۹]مرجع سابق ص ۳۵۹

[۱۰]مرجع سابق، ص: ۱۴

□□□

www.Qadri.info

پروفیسر ایوب قادری کی سخن گستری، سخن فہمی کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد ایوب قادری برصغیر کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ڈاکٹر صاحب تاریخ کے محقق، سوانحی ادب کے معتبر قلم کار اور ممتاز فارسی مترجم کی حیثیت سے اپنی ایک امتیازی شناخت رکھتے ہیں، ان کی تحقیقات اور تراجم کو عموماً علمی حلقوں میں اعتبار و استناد کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب قادری کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں قصبہ آنولہ (ضلع بریلی) میں ہوئی، ۱۹۵۰ء میں وہ پاکستان ہجرت کر گئے اور وہیں ۲۵ر نومبر ۱۹۸۳ء کو ایک کار ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوئے۔ انہوں نے ''اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک) کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا جس پر ۱۹۸۰ء میں کراچی یونیورسٹی نے انہیں پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری تفویض کی۔ اردو کالج کراچی میں لکچرار کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں، آخر میں صدر شعبہ کے عہدے تک ترقی کی۔ متعدد علمی و ادبی اداروں سے وابستہ رہے، کئی تحقیقی کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ''مخدوم جہانیاں جہاں گشت''، ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء''، ''غالب اور عصر غالب'' وغیرہ نمایاں ہیں۔ متعدد فارسی کتابوں کے ترجمے کیے اور ان کو تحقیقی مقدمات اور ضروری حواشی کے ساتھ شائع کیا، ان کے تراجم میں تین کتابیں خصوصیت کی حامل ہیں:

[۱] تذکرۂ علمائے ہند : مولوی رحمٰن علی

[۲] وصایا اربعہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

[۳] مآثر الامراء : شاہنواز خاں

اس کے علاوہ ڈھائی سو کے قریب علمی و تحقیقی مقالے اور تقریباً ۳۰ کتابوں پر مقدمات تحریر کیے، گویا اپنی ساری عمر علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کی نذر کر دی۔[۱]

دیگر غیر جانب دار مؤرخین و محققین کی طرح ہم ڈاکٹر ایوب قادری کے بارے میں بھی یہی حسن ظن

www.Qadri.info

رکھتے ہیں کہ ان کا تاریخی مطالعہ معروضی نوعیت کا تھا موضوعی نہیں، گروہی اور مسلکی خانوں سے اوپر اٹھ کر وہ تاریخ کا مطالعہ کرتے تھے، مستند تاریخی روایات، درایت وقرائن اور واقعات کی مخصوص ترتیب کے بعد وہ جن نتائج تک پہنچتے تھے ان کو بے کم وکاست صفحۂ قرطاس کی زینت بنادیا کرتے تھے- اپنے اس تحقیقی منہج کی بنیاد پر انہوں نے اپنے بعض معاصرین اور متقدمین سے اختلاف رائے بھی کیا ہے، جس کا بہر حال ان کو حق حاصل تھا-

انہوں نے ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد، مولانا فیض احمد بدایونی'' کے نام سے ایک تحقیقی مقالہ ترتیب دیا جس کو پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی نے مئی ۱۹۵۷ء میں کراچی سے شائع کیا- اگر چہ یہ مقالہ ان کی بالکل ابتدائی تصنیف ہے، مگر اس میں بھی انہوں نے اپنے اسی تحقیقی منہج کو برتا ہے، انہوں نے صاحب تذکرہ مولانا فیض احمد بدایونی کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور جمع شدہ معلومات کو بڑے سلیقے سے ترتیب دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ مقالہ مولانا فیض احمد بدایونی کی حیات وخدمات کے سلسلے میں ایک اہم ماخذ کا درجہ رکھتا ہے-

مذکورہ رمقالے کے صفحہ ۳۱ تا ۳۳ پر ''سخن گستری'' کے عنوان سے قادری صاحب نے خامہ فرسائی کی ہے- ڈاکٹر قادری کے وسعت مطالعہ، گہری نظر اور تنقیدی بصیرت کے تمام تر اعتراف کے باوجود مستند تاریخی حوالوں اور علمی دلائل کی روشنی میں ان کی بعض تحقیقات اور اخذ کردہ بعض تاریخی نتائج سے اختلاف رائے کی گنجائش ہے- ''سخن گستری'' کے ذیلی عنوان سے انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اسی زمرے میں آتا ہے- ''سخن گستری'' ان کی ذاتی رائے ہے جو انہوں نے اپنے مطالعے کی روشنی میں قائم کی ہے، ضروری نہیں کہ اس سے صد فی صد اتفاق بھی کرلیا جائے- زیر نظر مقالے میں ہم ان کی اسی ''سخن گستری'' کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیں گے-

سخن گستری میں قادری صاحب نے دو باتیں کہی ہیں......

[ا] مولانا فیض احمد بدایونی کے خاندان والوں نے ان کے مجاہدانہ کردار پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور جہاد آزادی میں ان کی شرکت کا یا تو تذکرہ ہی نہیں کیا یا اگر کیا تو بڑے مبہم انداز میں-

اس سلسلے میں انہیں تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (تحفۂ فیض)، مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی (طوالع الانوار)، مولانا ضیاء القادری بدایونی (اکمل التاریخ) اور قاضی معین الدین کیفی قادری

www.Qadri.info

(ضمیمہ بوارق محمدیہ) سے حالات چھپانے کی شکایت ہے۔

[۲] مولانا فیض احمد بدایونی کے سال وفات کا تعین نہیں کیا جا سکتا، لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے ۱۲۷۴ھ کو ان کا سال وفات قرار دے دیا ہے، جب کہ بعض تذکروں کی عبارت سے بادیٔ النظر میں سال وفات ۱۲۷۳ھ کا تعین ہوتا ہے، حالاں کہ ۱۲۷۵ھ تک مولانا کا باحیات ہونا یقینی ہے۔

اولاً ہم پہلی سخن گستری کا جائزہ لیتے ہیں:

نمبر [۱] میں جو ''سخن گسترانہ بات'' ہے، وہ اگر کسی ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہوتی جو ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات، انگریزی ظلم واستبداد، سزائے موت اور حبس دوام کی گرم بازاری، مجاہدین اور ان کے خاندانوں کی کس مپرسی اور موقع شناسوں وابن الوقتوں کی سازشوں سے ناواقف ہوتا تو چنداں حیرت کی بات نہیں تھی، مگر یہ بات ڈاکٹر قادری صاحب جیسے ''دانائے راز'' کے قلم سے نکلی ہے جو یقیناً باعث حیرت ہے۔

۱۸۵۷ء سے لے کر لگ بھگ ۲۰ویں صدی کی پہلی دہائی تک ہندستانیوں پر ۱۸۵۷ء کے واقعات کا ایسا خوف طاری تھا کہ عموماً اس سانحے کا تذکرہ کرنے کی جرأت نہیں کی جاتی تھی، خوف ودہشت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ۱۸۵۷ء کے سانحے کو جنگ آزادی یا جہاد حریت کہنے سے بھی کتراتے تھے، عموماً اس کو ''بغاوت''، ''غدر'' یا ''فساد'' کا نام دیا جاتا تھا، یہ نام اگرچہ انگریز کا دیا ہوا تھا، مگر اس کو طوعاً یا کرھاً قبول کر لیا گیا تھا۔

زیر بحث مقالے میں قادری صاحب نے ۱۸۵۷ء کے واقعات کو بانگ دہل ''جنگ آزادی'' اور ''جہاد حریت'' لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقالہ ۱۸۵۷ء کے پورے سو برس بعد ایک آزاد مسلم ملک میں بیٹھ کر لکھا جا رہا ہے، ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر قادری صاحب یہ مقالہ ۱۸۸۰ء یا ۱۹۰۰ء کے درمیان لکھ رہے ہوتے تو وہ اتنی آسانی سے اس کو جنگ آزادی یا جہاد حریت لکھنے اور کہنے کی جرأت ہرگز نہ کرتے۔ قادری صاحب نے جن کتابوں اور مقالوں کا تذکرہ کیا ہے (کہ ان میں سب سے پہلے مولانا فیض احمد بدایونی کے مجاہدانہ کردار کو اجاگر کیا گیا) ان کے بارے میں یہ بات خاص طور سے نوٹ کرنے کی ہے کہ یہ سب کتابیں اور مقالات آزادیٔ وطن ۱۹۴۷ء کے بعد منظر عام پر آئے ہیں۔ مثلاً مفتی انتظام اللہ شہابی کی ''ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما''، ''غدر کے چند علماء'' اور مولوی محمد سلیمان بدایونی کا مقالہ ''بدایوں

www.Qadri.info

کا جہاد حریت'' وغیرہ ،جس زمانے میں تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی ''تحفۂ فیض'' (۱۳۰۴ھ /۱۸۸۷ء) اور مولانا انوارالحق عثمانی ''طوالع الانوار'' (۱۲۹٦ھ/ ۱۸۸۰ء) لکھ رہے تھے،اس وقت نہ مفتی انتظام اللہ شہابی مذکورہ دونوں کتابیں شائع کرنے کا خیال دل میں لا سکتے تھے اور نہ ہی محترم ایوب قادری صاحب زیرِنظر مقالہ تالیف فرما کر شائع کرنے کی جرأت رندانہ کرتے- یہاں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی اکثر مشہور کتابیں آزادی کے بعد ہی تالیف وطباعت سے ہم کنار ہوئی ہیں-مثلاً غلام رسول مہر کی ''سرگزشت مجاہدین'' (طبع اول ۱۹۵٦ء) اور سید محمد میاں کی ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' (طبع اول ۱۹۵۷ء) وغیرہ-

۱۸۵۷ء کے بعد ان مجاہدین کے جہادی کارنامہ کا تذکرہ یا تو انگریز مؤرخین نے اپنی کتابوں میں کیا یا پھر ان ہندوستانیوں نے کیا جو انگریزوں کو خوش کر کے امن وامان کی زندگی گزارنا چاہتے تھے- صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتابوں میں ان حضرات کا تعارف قومی ہیرو کی حیثیت سے نہیں کرایا گیا تھا، بلکہ ان کو فسادی اور ریاست کا باغی بنا کر پیش کیا گیا تھا-

ہاں! ڈاکٹر صاحب کی اس سخن گستری میں اس وقت کچھ وزن ہوتا جب مولانا فیض احمد بدایونی کے علاوہ باقی مجاہدین آزادی مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ کی جہادِ آزادی میں شرکت، انگریزوں سے نفرت اور آزادیٔ وطن کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کا خوب تذکرہ کیا جا رہا ہوتا، ان حضرات کے کارنامۂ جہاد پر تصنیف و تالیف کا بازار گرم ہوتا، تذکرہ نویس ان کو شجاعت اور ہمت مردانہ کے تمغوں سے نواز رہے ہوتے ،شعرا ان کی شان میں مدحیہ قصائد لکھ کر ان کی پامردی اور جاں سپاری کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہوتے اور صرف ''بے چارے مولوی فیض احمد بدایونی'' کے مجاہدانہ کردار کو چھپایا جا رہا ہوتا- ایسی صورت حال میں اُن کے خاندان والوں پر ان کے حالات چھپانے کا الزام اپنے اندر کچھ وزن رکھتا- لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حالات ایسے نہیں تھے، بلکہ جہادِ حریت ۱۸۵۷ء میں شریک تمام علماء و قائدین کی جہادی اور سیاسی خدمات کے تذکرے سے عموماً صرفِ نظر کیا جاتا تھا، خود مفتی انتظام اللہ شہابی اس بات کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں:

ان میں (انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والوں میں) نمایاں شخصیت

www.Qadri.info

مولانا امام بخش صہبائی شہید، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ
خاں، نواب شیفتہ، مولوی عظیم اللہ کان پوری، منیر شکوہ آبادی وغیرہ تھے، مگر افسوس
ہے کہ ان بزرگوں کے سیاسی حالات سے تذکرہ نویسوں نے چشم پوشی کی-[۲]

علامہ فضل حق خیرآبادی جو اس جہاد میں قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے اور جن کے فتوے پر دیگر علما کے علاوہ خود مولانا فیض احمد بدایونی کے بھی دستخط تھے، اگر ۱۹۴۷ء سے قبل ان کے تذکروں کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگی- مولانا خیرآبادی کا رسالہ ''الثورۃ الھندیۃ'' اور ''قصائد فتنۃ الھند ''جن کو ۱۸۵۷ء کے حالات کے سلسلے میں ایک معتبر عینی شہادت کا درجۂ استناد حاصل ہے، وہ بھی ۱۹۴۷ء سے قبل شائع نہیں کیے جا سکے، جب کہ غیر منقسم ہندو پاک میں سلسلۂ خیرآباد کے ہزاروں تلامذہ اور مستفیضین درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کے میدانوں میں خدمات انجام دے رہے تھے، مولانا خیرآبادی کی اکثر تصانیف مثلاً ہدیہ سعیدیہ، حاشیہ قاضی مبارک، امتناع النظیر اور الروض المجود وغیرہ ۱۹۴۷ء سے پہلے شائع ہو کر منظر عام پر آ گئیں، مگر ان کے اخلاف یا تلامذہ میں سے کسی نے ''الثورۃ الھندیہ'' اور ''قصائد فتنۃ الھند'' کی طباعت کی طرف توجہ نہیں کی، سب سے پہلے اس کو مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے ترجمہ کر کے مدینہ پریس بجنور سے اوائل ۱۹۴۷ء میں ''باغیٔ ہندوستاں'' کے نام سے شائع کیا- اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے ''تعارف'' کے عنوان سے ایک مختصر تحریر لکھی، اس میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> مولانا فضل حق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ اہل علم میں متداول تھا، لیکن آج تک اس کی طباعت کا سر و سامان نہ ہو سکا، غدر ۵۷ء کی بربادیوں کے بعد لوگوں کی ہمتیں اس درجہ پست ہو گئیں تھیں کہ اس قسم کی تحریرات کی اشاعت کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا، خود مولانا کے خاندان نے اس کی اشاعت مصلحت کے خلاف سمجھی اور جن لوگوں کے پاس اس کی نقلیں تھیں وہ بھی اس کی نمائش احتیاط کے خلاف سمجھتے تھے- آج ہم اس رسالے کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی بات ایسی نہیں پاتے جسے سیاسی حیثیت سے خطرناک تصور کیا جائے، لیکن اس زمانے کا حال دوسرا تھا-[۳]

باغیٔ ہندوستان کی ''تقدیم'' میں مولانا نجم الحسن خیرآبادی کا یہ اقتباس بھی قابل غور ہے:

www.Qadri.info

لیکن علامہ کی زندگی کا دوسرا رخ جس کا تعلق اعلائے کلمۂ حق سے ہے، اس کے متعلق علمی دنیا میں بھی اس سے زیادہ کسی کو علم نہ تھا کہ انگریزوں کے خلاف فتوائے جہاد کی پاداش میں ملک بدر کرکے آپ کو جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا- علامہ کی زندگی کے اس رخ پر بالکل پردہ پڑا ہوا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ پورے برصغیر پر انگریزوں کا اقتدار تھا، کسی کو لب کشائی کی گنجائش نہ تھی- علامہ کی حیات کا یہ درخشاں رخ باغئ ہندوستاں اور الثورۃ الھندیۃ کی اشاعت سے منظر عام پر آیا، اگر چہ الثورۃ الھندیۃ کے دو چار نسخے بعض اہل علم کے پاس محفوظ تھے، لیکن ان کے اظہار سے اس وقت کا قانون مانع تھا-[۴]

اس کے مترجم مولانا عبدالشاہد خاں مقدمے میں لکھتے ہیں:

مولانا عبدالحق (علامہ فضل حق کے صاحبزادے) نے بڑی محنت و کاوش سے اسے (الثورۃ الھندیہ کو) مرتب کیا اور چند مخلصین اور معتقدین نے اس کی نقلیں حرز جاں بنا کر اپنے پاس رکھیں، اس طرح اس کے نسخے خاص خاص حضرات کے پاس محفوظ ہو گئے، حکومت کے خوف سے کسی نے اس کے عام کرنے کی کوشش کی نہ کوئی چھپوانے کی جرأت کر سکا-[۵]

مذکورہ تینوں اقتباسات پر ہم کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے-

نظامی بدایونی کی ''قاموس المشاہیر'' دیکھی جائے (اہل علم نے اس پر جو استدراکات کیے ہیں ان سے قطع نظر) اس میں بھی مجاہدین آزادی ۱۸۵۷ء کے تذکرے کے ذیل میں ان کے کارنامۂ جہاد پر کچھ نہیں لکھا گیا ہے- مولانا خیرآبادی کے ذکر میں صرف اس پر اکتفا کیا گیا کہ:

غدر کے زمانے میں انگریزوں نے ان کو رنگون یا انڈمان میں قید کردیا، وہیں ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو وفات پائی-[۶]

بلکہ مفتی صدرالدین آزردہ کے بارے میں جو بات نظامی بدایونی نے کہی ہے اس سے تو جنگ آزادی میں ان کی شرکت ہی مشکوک ٹھہرتی ہے-

لکھتے ہیں:

۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء بزمانۂ غدر فتویٰ جہاد کے اتہام میں جائداد ضبط ہوگئی، مگر

www.Qadri.info

چند ماہ کی نظر بندی اور تحقیق کے بعد رہائی ہوئی اور کچھ جائداد بھی واپس مل گئی۔[۷]
آزردہ کے بارے میں یہی بات مولوی رحمٰن علی نے بھی لکھی ہے۔[۸]

مولوی رحمٰن علی صاحب نے ۱۳۰۵ھ میں ''تذکرۂ علمائے ہند'' لکھنا شروع کی جو لگ بھگ ۸-۱۳۰۷ھ/ ۹۱-۱۸۹۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، اس کا اصل فارسی ایڈیشن مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا، بعد میں ایوب قادری صاحب کے ترجمے، ترتیب اور ضروری حواشی کے ساتھ ۱۹۶۱ء میں پاکستان سے طبع ہوئی۔ اس میں بھی (بقول ایوب قادری صاحب) ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی تحریک میں حصہ لینے والے علما کو نظر انداز کر دیا گیا'' اور اگر ان علما میں سے کسی کا ذکر کیا بھی گیا ہے تو ان کی جہاد آزادی میں شرکت پر ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔

جب تمام مجاہدین آزادی کے بارے میں سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کا عمومی رویہ یہی رہا تو پھر صرف تحفۂ فیض، طوالع الانوار اور اکمل التاریخ کے مصنفین ہی کو کیوں مورد الزام ٹھہرایا جائے؟ بات وہی ہے جو ہم نے اوپر عرض کی کہ ۱۸۵۷ء سے لے کر ۲۰/ویں صدی کی پہلی دہائی تک ۱۸۵۷ء کے سرفروش مجاہدین کے حق میں ماحول ایسا سازگار نہیں تھا کہ ان کے مجاہدانہ کارناموں پر سیمینار منعقد کیے جاتے، رسائل و جرائد کے خصوصی نمبر شائع کیے جاتے، ان کی یادگاریں قائم کی جاتیں اور سوانحی کتب میں جہاد آزادی میں شرکت پر ان کی شان میں قصائد درج کیے جاتے۔ یہ حضرات تو انگریز کی نظر میں باغی اور ریاست کے سب سے بڑے مجرم تھے، ان کا تذکرہ تو خیر بہت بڑا جرم تھا ہی عمومی طور پر بھی انگریز کی کسی پالیسی پر تحریراً یا تقریراً تنقید کرنا بھی کوئی کم دل گردہ کا کام نہیں تھا۔

۲۰/ویں صدی کی دوسری دہائی میں گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی تحریک شروع، ۱۹۱۹ء میں خلافت موومنٹ شروع ہوا اور ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات بپا کی گئی، ان تحریکوں کے اثر سے انگریز کے خلاف کچھ کہنا یا لکھنا نسبتاً آسان ہو گیا تھا۔

ان تمام تفصیلات کے بعد آپ ڈاکٹر ایوب قادری صاحب کی سخن گستری کی یہ عبارت پڑھیں تو آپ کو پہلی نظر میں یہ احساس ہو جائے گا کہ یہ محض ''برائے وزن شعر'' لکھ دی گئی ہے، تاریخی حیثیت سے اس کا کوئی وزن نہیں۔

فرماتے ہیں:

www.Qadri.info

خاندانی تذکروں کے طور پر چار کتابیں تحفۂ فیض، طوالع الانوار، بوارق محمد یہ اور اکمل التاریخ شائع و طبع ہوئیں، مگر افسوس کہ مولانا فیض احمد بدایونی کے مجاہدانہ کارناموں کو کہیں جگہ نہ ملی۔[۹]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

اگر چہ مفتی (انتظام اللہ شہابی) صاحب کو مکمل حالات نہ مل سکے اور کیوں کر ملتے جب کہ گھر سے اخفا و پوشیدگی کی پوری پوری کوشش کی گئی۔[۱۰]

ڈاکٹر ایوب قادری صاحب نے دوسری سخن گستری مولانا فیض احمد بدایونی کے سن وفات اور گمشدگی کے سلسلے میں کی ہے۔ اس سلسلے میں تذکرہ نگاروں میں جو اختلاف ہے اس کو قادری صاحب نے ایک ''لطیفہ'' قرار دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس میں لطیفے والی کوئی بات نہیں ہے، واقعات کی تواریخ و سنین اور شخصیات کی ولادت و وفات کے سن میں اس قسم کا اختلاف ہوتا رہتا ہے، جو شخص سوانحی ادب یا تاریخی تذکرے پڑھنے کا عادی ہے اس کو قدم قدم پر اس قسم کے ''لطائف'' کا سامنا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس سخن گستری پر کچھ عرض کرنے سے پہلے چند تمہیدی مقدمات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، جن سے غالباً ایوب قادری صاحب کو بھی اختلاف نہ ہو۔

[۱] جہاد آزادی کی ابتدا مئی ۱۸۵۷ء/ رمضان ۱۲۷۳ھ میں ہوئی۔ مولانا فیض احمد بدایونی روز اول سے کسی نہ کسی حیثیت سے جہاد آزادی میں شریک تھے، لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ۱۲۷۳ھ میں دنیاوی علائق کو ترک کر کے اعانت دین کے لیے مردانہ وار مصروف ہوئے۔

[۲] مجاہدین آزادی میں سے اکثر کی گرفتاری، ہجرت یا شہادت کے سلسلے میں تاریخی ثبوت موجود ہیں، مگر مولانا فیض احمد بدایونی کے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔

[۳] مولانا کے بارے میں اتنی بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ معرکۂ محمدی میں شریک تھے، یہ معرکہ مئی/ جون ۱۸۵۸ء/ شوال ۱۲۷۴ھ میں پیش آیا، لہٰذا نتیجہ نکلا کہ مولانا فیض احمد کی حیات جون ۱۸۵۸ء/ شوال ۱۲۷۴ھ تک یقینی ہے۔

[۴] گزشتہ تین مقدمات اور ان سے برآمد شدہ نتائج سے ایوب قادری صاحب کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اب اس کے بعد چند امکانات فرض کیے جاسکتے ہیں:

www.Qadri.info

[الف]وہ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ حجاز یا کسی اور اسلامی ملک کی طرف ہجرت کر گئے اور وہیں وفات پائی-

[ب]نیپال چلے گئے-

[ج]گرفتار ہوئے،سزائے موت یا کالا پانی کی سزا ہوئی-

[د]ہندستان میں ہی کہیں روپوش ہو گئے اور گم نامی میں وفات ہوئی-

[ہ]معرکۂ محمدی میں شہید ہو گئے-

[و]ساتھیوں کے ساتھ ہجرت تو کی مگر راستے ہی میں کہیں جاں بحق ہو گئے-

درایت اور قرائن کی روشنی میں ان امکانات کا جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

[الف]پہلا امکان تو خود ایوب قادری صاحب کو بھی تسلیم نہیں-

وہ اسی رسالے میں فرماتے ہیں:

> اگر مولانا فیض احمد حجاز پہنچتے تو ضرور سراغ لگتا،کیوں کہ آپ کے ماموں مولانا فضل رسول بدایونی نے بہت تلاش کیا اور اس سلسلے میں ممالک اسلامیہ کا مکمل سفر کیا، قسطنطنیہ(ترکی)تک پہنچے،مگر سراغ نہ ملا-[۱۱]

[ب]مولانا کے متعلق مشہور ہوا کہ نیپال چلے گئے،مگر اس امکان کو بھی ڈاکٹر قادری مرحوم نے مسترد کر دیا ہے-

فرماتے ہیں:

> یقینی بات ہے کہ اگر مولوی فیض احمد معرکۂ محمد سے بچ گئے تو یقیناً ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ رہے-[۱۲]

اور پھر''قیصر التواریخ''کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر وزیر خاں اور شہزادہ فیروز شاہ سندیلہ،بلہور گھاٹ،مکن پور،اٹاوہ،جے پور اور بیکانیر ہوتے ہوئے دریائے اٹک اتر کر ایران میں داخل ہوئے اور وہاں سے حجاز پہنچے-

[ج]گرفتار ہو کر سزائے موت یا کالا پانی(عبور دریائے شور)کی سزا کا امکان بھی قابل قبول نہیں ہے-جن جن حضرات پر مقدمات قائم ہوئے،سزائے موت ہوئی یا انڈمان میں عمر قید(حبس دوام بعبور

www.Qadri.info

دریائے شور) کی سزا سنائی گئی، ان سب کا ریکارڈ موجود ہے، انگریز مؤرخین اور ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے بھی اکثر کا ذکر کیا ہے، مولانا فیض احمد عام آدمی نہ تھے، بلکہ ''باغیوں کے سرغنہ'' اور ''غدر'' بپا کرنے والوں میں سے تھے، لہٰذا اگر ان کی گرفتاری اور مقدمہ وغیرہ کی نوبت آئی ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ اس کا تذکرہ انگریزی تاریخ یا ہندوستانی تذکروں میں کہیں بھی نہ ہو۔

[د] ہندوستان میں کہیں روپوش ہونے کا امکان بھی بعید از قیاس ہے، کیوں کہ انگریزوں کے ایجنٹ مجاہدین کی بوسونگھتے پھر رہے تھے، مخبر انعام واکرام کے لالچ میں ''باغیوں'' کی تلاش میں چپہ چپہ چھان رہے تھے، ایسے حالات میں کسی ایسے شخص کا زیادہ دنوں تک روپوش رہ پانا قرین قیاس نہیں ہے، جس نے جہاد آزادی میں تقریراً، تحریراً اور عملاً ہر طرح حصہ لیا ہو۔

اب صرف دو امکان باقی رہتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو ہمیں اختیار کرنا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے حق میں کوئی داخلی شہادت نہیں ہے، لہٰذا لامحالہ ہمیں قیاس اور قرائن سے کام لینا ہوگا۔

[ہ] مولانا معرکۂ محمد میں شہید ہو گئے۔

اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ''اس کا بظاہر کوئی ثبوت نہیں''۔ مگر اس کے باوجود وہ اس سلسلے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ''اگر مولوی فیض احمد معرکۂ محمدی سے بچ گئے تو......'' ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''اگر مولانا فیض احمد معرکۂ محمدی میں شہید نہ ہوئے تو......'' لہٰذا معرکۂ محمدی میں مولانا کی شہادت کا دعویٰ اگر بے ثبوت ہے تو یقینی طور پر یہ دعویٰ بھی بے ثبوت ہے کہ وہ بچ کر چلے گئے تھے اور پھر جتنا اس بات کا امکان ہے کہ وہ بچ کر چلے گئے تھے اتنا ہی امکان اس کا بھی ہے کہ وہ معرکۂ محمدی میں شہید ہو گئے ہوں۔

[و] مولانا اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ معرکۂ محمدی سے بچ کر نکلے، مگر حجاز پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں کہیں جاں بحق ہو گئے۔

ڈاکٹر قادری نے ''قیصر التواریخ'' کا جو حوالہ دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر وزیر خاں اور شہزادہ فیروز شاہ کو سندیلہ سے لے کر راجپوتانہ تک کے سفر میں کئی جگہ معرکے پیش آئے، عین ممکن ہے کہ مولانا بدایونی نے ان معرکوں میں سے کسی معرکے میں جام شہادت نوش فرمایا ہو۔

www.Qadri.info

ہمارے ناقص خیال میں ان تمام امکانات میں یہ امکان نسبتاً زیادہ قوی ہے، لیکن پھر بھی اس پر اصرار کرنے کی کوئی وجہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان تمہیدی مقدمات کے بعد ہم ڈاکٹر قادری صاحب کی سخن گستری (یا ان ہی کے الفاظ میں ''لطیفے'') کا جائزہ لیتے ہیں:

ڈاکٹر صاحب نے مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی کی طوالع الانوار سے جو عبارت نقل کی ہے وہ یہ ہے:

> سن ۱۲۷۳ھ میں تائید دین متین میں للہ فی اللہ مردانہ دولت دنیا کو پیٹھ دے کر مصروف ہوئے، جب سے آج تک کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔[۱۳]

ڈاکٹر صاحب نے مولانا ضیاءالقادری کی اکمل التاریخ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ یہ ہے:

> آپ نے زمانۂ غدر میں آگرہ ہی سے جب کہ ہر طرف ہنگامۂ جدال وقتال گرم تھا، ترک علائق کر کے راہ حق میں قدم رکھا اور جادۂ فنا تک پہنچ کر بقائے جاودانی کا لطف اٹھایا۔ کسی کو آپ کا پتہ نہ چلا کہ کہاں تشریف لے گئے۔[۱۴]

(یہی وہ عبارت ہے جس میں قادری صاحب کو مولانا فیض احمد بدایونی کے بارے میں ''مبہم'' لہجہ اختیار کرنے کا شکوہ ہے، اس پر ہم گزشتہ صفحات میں روشنی ڈال چکے ہیں۔)

وفات اور گم شدگی کے سلسلے میں جو مقدمات ہم نے عرض کیے تھے ان سے معلوم ہوا تھا کہ مئی ۱۸۵۷ء/ رمضان ۱۲۷۳ھ کو معرکہ کا آغاز ہوا اور مولانا فیض احمد ابتدا ہی سے اس میں شریک تھے، لہٰذا صاحب ''طوالع الانوار'' کا یہ لکھنا کہ ''۱۲۷۳ھ میں تائید دین میں مصروف ہوئے'' بالکل درست ہے۔ اسی طرح صاحب اکمل التاریخ کا یہ لکھنا بھی بالکل بے غبار ہے کہ ''زمانۂ غدر میں ترک علائق کر کے راہ حق میں قدم رکھا''۔

ان دونوں عبارتوں پر ڈاکٹر صاحب کو اس پہلو سے اعتراض بھی نہیں ہے، سخن گستری کا تعلق ان کے اس جملے سے ہے:

> مگر تحفۂ فیض کی عبارت سے بادی النظر میں سن وفات کا تعین ہوتا ہے، الفاظ ملاحظ فرمایئے ''در ۱۲۷۳ھ اعانت دین متین بر جان و مال خود مقدم فہمیدند و فی سبیل اللہ جان خود را وقف گردانیدند''۔[۱۵]

www.Qadri.info

تحفۂ فیض کی یہی عبارت ڈاکٹر صاحب نے ایک صفحہ قبل بھی نقل کی ہے اور وہاں پوری عبارت نقل کی ہے- ہمیں افسوس ہے کہ یہاں ڈاکٹر صاحب نے عبارت کے اول وآخر سے ایک ایک جملہ حذف کردیا، جس کی وجہ سے انہیں بادی النظر میں سن وفات کے تعین کا شبہ ہوا-

تحفۂ فیض کی پوری عبارت اس طرح ہے:

> آخر در سنہ یک ہزار و دوصد و ہفتاد و سہ ترک علائق دنیا و یہ نمودہ اعانت دین متین بر جان و مال خود مقدم فہمیدند، و فی سبیل اللہ جان خود را وقف گردانیدند و بحیات سرمدی و نعیم ابدی فائز شدند- [۱۶]

ڈاکٹر ایوب قادری فارسی زبان وادب پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے، فارسی دانی میں ہم ان کی ہمسری کا دعویٰ تو نہیں کرسکتے، ہاں البتہ فارسی کی تھوڑی بہت شد بد ضرور رکھتے ہیں- ہمارے خیال میں مذکورہ عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہوگا:

> آخر کار سن ۱۲۷۳ھ میں دنیاوی علائق کو ترک کر کے دین متین کی اعانت کو اپنی جان و مال پر فوقیت دی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان کو وقف کردیا اور ابدی زندگی اور دائمی عیش وآرام پالیا-

اس عبارت میں تین مستقل جملے ہیں:

[۱] آخر کار ۱۲۷۳ھ میں دنیاوی علائق کو ترک کر کے دین متین کی اعانت کو اپنی جان و مال پر فوقیت دی-

[۲] اللہ کی راہ میں اپنی جان کو وقف کردیا-

[۳] ابدی زندگی اور دائمی عیش وآرام پالیا-

پہلے دو جملوں میں وفات کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے- ''علائق دنیا ترک کر کے دین کی اعانت کو اپنی جان پر فوقیت دینا اور جان کو اللہ کی راہ میں وقف کردینا'' یہ دونوں باتیں بادی النظر اور امعانِ نظر ہر طرح صرف اسی مفہوم کو ظاہر کررہی ہیں جو صاحب طوالع الانوار کی عبارت سے ظاہر ہے- ہاں البتہ تیسرے جملے سے وفات کی طرف اشارہ ہوتا ہے- عبارت کے اس تحلیلی تجزیے کے بعد آپ غور کریں تو ظاہر ہوگا کہ ''آخر در ۱۲۷۳ھ'' (آخر کار ۱۲۷۳ھ میں) کا تعلق صرف پہلے جملے سے ہے، دوسرے اور تیسرے جملے سے نہیں- اس بات کو اگر فارسی گرامر کی اصطلاحی زبان میں کہا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ

www.Qadri.info

تینوں جملوں کے درمیان میں جو ''واؤ'' ہے وہ ''واوِ عاطفہ'' نہیں ہے، بلکہ ''واو مستانفہ'' ہے۔ اگر یہاں ''واو عاطفہ'' ہوتی تو البتہ کہا جاسکتا تھا کہ ''آخر در ۱۲۷۳ھ'' کا تعلق تینوں جملوں سے ہے۔

اس تشریح کے بعد عبارت کا مطلب واضح ہے کہ صاحب تحفۂ فیض ۱۲۷۳ھ کو ترک علائق کا سال قرار دے رہے ہیں نہ کہ ابدی زندگی اور دائمی عیش و آرام پانے کا سال۔ پھر یہاں ایک غور طلب نکتہ یہ بھی ہے کہ مولانا عبدالقادر بدایونی ۱۲۷۳ھ کو مولانا فیض احمد کا سال وفات کیسے قرار دے سکتے تھے، کیوں کہ اگر ان کے خیال میں ۱۲۷۳ھ میں مولانا فیض احمد بدایونی کی وفات ہوگئی تھی تو پھر ان کے والد مولانا فضل رسول بدایونی کا حجاز اور قسطنطنیہ کا طویل سفر کر کے مولانا فیض احمد کی تلاش میں سرگرداں رہنا عبث ٹھہرتا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ بیٹے کو ۱۲۷۳ھ میں مولانا فیض احمد کی وفات کا یقین ہو اور والد محترم اس سے ناواقف ہوں، لہٰذا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح مولانا فضل رسول بدایونی کو ۱۲۷۳ھ میں مولانا فیض احمد کی وفات کا یقین نہیں تھا (ورنہ وہ سفر کیوں کرتے) اسی طرح مولانا عبدالقادر بدایونی کو بھی ۱۲۷۳ھ میں ان کی وفات پر یقین نہیں تھا۔ ہاں البتہ یہ بات انہیں قطعی طور پر معلوم تھی کہ ۱۲۷۳ھ میں مولانا فیض احمد اللہ کی راہ میں دین متین کی اعانت کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے اور اسی بات کا اظہار انہوں نے زیر بحث عبارت کے پہلے جملے میں کیا ہے۔

تحفۂ فیض کی عبارت کے بعد ڈاکٹر ایوب قادری قاضی معین الدین میرٹھی اور مولوی رحمٰن علی (مؤلف تذکرۂ علمائے ہند) کی عبارتوں پر تبصرہ فرماتے ہیں:

> بوارق محمدیہ کی عبارت میں اس کو بالکل صاف کر کے سن وفات کا تعین بھی کر دیا گیا جیسا کہ ''درسنہ دوازدہ صد و ہفتاد و چہار راہی جنت گردید'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ تذکرۂ علمائے ہند مؤلفہ رحمٰن علی میں تو اعانت دین متین کا ذکر چھوڑ کر صاف صاف لکھا گیا کہ ''درحدود سال دوازدہ صد و ہفتاد و چہار ہجری رحلت فرمود'' حالاں کہ تاریخ وفات کا تعین کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ [۱۷]

ہمیں ڈاکٹر قادری کی اس بات سے اتفاق ہے کہ قاضی معین الدین میرٹھی اور رحمٰن علی دونوں کی مذکورہ عبارتوں میں ۱۲۷۴ھ کو متعین طور پر مولانا فیض احمد کا سن وفات قرار دیا گیا ہے، لیکن یہاں تین باتیں قابل لحاظ ہیں:

www.Qadri.info

[۱] تذکرۂ علمائے ہند مؤلفہ مولوی رحمٰن علی کا ذکر کر کے ڈاکٹر صاحب حاشیہ میں یہ لکھنا نہیں بھولے کہ:

بدایونی علما کے تراجم کے لیے مولانا عبدالقادر بدایونی نے مؤلف ''تذکرہ علمائے ہند'' کو مواد بہم پہنچایا۔[۱۸]

شکر ہے کہ قادری صاحب نے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ مولانا فیض احمد بدایونی کا سن وفات ۱۲۷۴ھ مولوی رحمان علی کو مولانا عبدالقادر بدایونی نے بتایا تھا- وہ یہ نتیجہ نکال بھی نہیں سکتے تھے کیوں کہ اگر وہ ایسا کرتے تو ''تحفۂ فیض'' کی عبارت پر ان کی سخن گستری کا مقدمہ کمزور ہو جاتا، کیوں کہ یہ بات نا قابل تسلیم ہے کہ مولانا عبدالقادر بدایونی خود اپنی کتاب میں تو مولانا فیض احمد کا سن وفات ۱۲۷۳ھ متعین کر دیں اور مؤلف تذکرہ علمائے ہند کو سن وفات ۱۲۷۴ھ بتائیں، پھر ''تحفۂ فیض'' اور ''تذکرۂ علمائے ہند'' کے وقت تالیف میں اتنا زیادہ تفاوت بھی نہیں ہے کہ ذہول ونسیان کے احتمال کو تسلیم کر لیا جائے- ''تحفۂ فیض'' ۱۳۰۴ھ میں تالیف کی گئی اور ''تذکرہ علمائے ہند'' کی تالیف کا آغاز ٹھیک اگلے سال ۱۳۰۵ھ میں ہو گیا ہے، جو ۸-۱۳۰۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی- ایک دو سال کا عرصہ اتنا زیادہ بھی نہیں ہوتا کہ مولانا عبدالقادر بدایونی جیسا علامۂ وقت اپنی لکھی ہوئی بات ہی بھول جائے!-

[۲] ہم تمہیدی مقدمات میں عرض کر چکے ہیں کہ ۱۲۷۴ھ (معرکۂ محمدی) میں مولانا فیض احمد بدایونی کی وفات کا دعویٰ اگر بے ثبوت ہے تو اس دعوے کو رد کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ۱۲۷۴ھ (معرکۂ محمدی) میں فوت نہیں ہوئے تھے اتنا ہی بے ثبوت ہے- ہاں جب تک مستند تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت نہیں کر دی جاتی کہ ۱۲۷۴ھ کے بعد بھی مولانا فیض احمد باحیات تھے اس وقت تک بہر حال اس کا امکان قائم ہے کہ وہ ۱۲۷۴ھ (معرکۂ محمدی) میں شہید ہو گئے ہوں- اس امکان کو سرے سے خارج نہیں کیا جا سکتا- پھر معرکۂ محمدی کے بعد سارے زمانے میں تلاش کرنے کے باوجود بھی مولانا کا کوئی سراغ نہیں ملا، اس پہلو کو دیکھتے ہوئے اگر قاضی معین الدین اور مولوی رحمٰن علی نے یہ قیاس کر لیا کہ وہ اسی معرکہ ۱۲۷۴ھ میں شہید ہو گئے تو کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں کر دیا جو نا قابل معافی ہو-

تاریخ کی بہت ساری پیچیدہ گتھیاں اسی قسم کے ''گمان غالب''، ''ظن وتخمین''، ''قرینہ وقیاس'' اور ''بالفرض'' جیسے غیر یقینی سہاروں کے ذریعے حل کی گئی ہیں، جن سے غالباً قادری صاحب بھی نا آشنا نہیں

www.Qadri.info

ہوں گے-

[۳] ۱۲۷۴ھ میں وفات کے دعوے کو ڈاکٹر ایوب قادری صاحب نے جس دلیل سے باطل کیا ہے وہ بھی قابل توجہ ہے-

فرماتے ہیں:

اگر مولانا فیض احمد معرکۂ محمدی میں شہید نہ ہوئے جس کا بظاہر کوئی ثبوت نہیں تو ان کی حیات ۱۲۷۵ھ تک یقینی ہے-

ہم نہیں سمجھ سکے کہ ۱۲۷۵ھ تک مولانا کے باحیات ہونے کا دعویٰ کس بنیاد پر کیا گیا ہے- زیرنظر مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے معرکۂ محمدی کی کچھ تفصیلات تحریر فرمائی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معرکہ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا، ۵/جون کو مولانا احمد اللہ مدراسی شہید کر دیے گئے اور محمدی کی اسلامی حکومت کا سقوط ہو گیا- ۵/جون ۱۸۵۸ء کو ۲۳/شوال ۱۲۷۴ھ تھی، گویا ابھی ۱۲۷۵ھ کے آغاز میں ۲ ماہ سے زیادہ کا عرصہ باقی تھا، ظاہر ہے کہ اگر مولانا بدایونی اس معرکے میں شہید نہ ہوئے ہوں تو وہ بقول قادری صاحب ''یقینی طور پر ڈاکٹر وزیر خاں اور شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ روانہ ہو گئے ہوں گے''-

قادری صاحب نے قیصر التواریخ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ''شہزادہ شاہ احمد اللہ شاہ کی وفات کے بعد سندیلہ پہنچا، کئی جگہ مقابلہ ہوا، آخر میں ۴ سو سوار رجمنٹ ۱۲ مع ظریف خاں رسالدار اور ڈاکٹر وزیر خاں باقی سوار جنگی متفرق قریب ہزار کے جمع ہو کر باڑی روانہ ہوئے''- اب قادری صاحب کی بیان کردہ ان سب باتوں کو اس ترتیب سے دیکھیں کہ اگر مولانا فیض احمد معرکۂ محمدی میں بچ گئے تو وہ ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ رہے- یہ سفر شوال ۱۲۷۴ھ میں شروع ہوا، مختلف جگہ ہوتے ہوئے سندیلہ میں فیروز شاہ کے ساتھ قریب ہزار کے جمع ہو کر باڑی کی طرف روانہ ہوئے، جب کہ اس درمیان مسلسل معرکے بھی پیش آتے رہے-

ان تمام واقعات کو اگر آپ ایک سے ڈیڑھ ماہ کا عرصہ بھی دیتے ہیں تو بھی یہ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ ہی ہوتا ہے یعنی اب بھی ۱۲۷۵ھ شروع ہونے میں ایک مہینہ باقی ہے- اب کیا اس بات کا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس ارڈیڑھ مہینے میں اس طویل سفر کے دوران کئی جگہ مقابلوں کے باوجود مولانا یقینی طور پر باحیات رہے؟ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ وہ ان ہی مقابلوں میں سے کسی میں شہید ہو گئے

www.Qadri.info

ہوں؟ بظاہر ایسی کوئی شہادت نہیں ہے جو اس امکان کو خارج کر دے، اگر اس بات امکان ہے (اور یقیناً ہے) کہ وہ ان مقابلوں میں سے کسی میں شہید ہو گئے تو پھر ۱۲۷۵ھ تک ان کی حیات کو یقینی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ بات دراصل وہی ہے کہ اگر قاضی معین الدین میرٹھی اور مولوی رحمٰن علی کا یہ دعویٰ بے ثبوت ہے کہ مولانا فیض احمد ۱۲۷۴ھ میں وفات پا گئے تو یہ بات بھی اپنے پیچھے کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت نہیں رکھتی کہ ''ان کی حیات ۱۲۷۵ھ تک یقینی ہے'' ہاں اگر معرکہ محمدی ۱۲۷۴ھ کی بجائے ۱۲۷۵ھ میں ہوا ہوتا (جس کا کوئی ثبوت نہیں) تو میرٹھی اور رحمٰن علی کے (۱۲۷۴ھ میں وفات کے) دعوے کو مسترد کر کے قادری صاحب کے (۱۲۷۵ھ تک حیات یقینی ہونے کے) دعوے کو درست قرار دیا جا سکتا تھا۔

ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ ہماری ان معروضات کو دیکھنے اور اپنی سخن گستری کا دفاع کرنے کے لیے آج ایوب قادری صاحب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، تاہم ہمارا ضمیر اس پر مطمئن ہے کہ ہم نے یہ گزارشات نیک نیتی کے ساتھ دلائل کی روشنی میں کی ہیں، خدانخواستہ ڈاکٹر قادری کی ذات پر حملہ یا ان کے متعلقین کی دل آزاری مقصود نہیں ہے۔ اگر کسی وفات یافتہ شخص کی رائے سے اختلاف یا اس کی تحقیق پر تنقید کوئی جرم ہوتا تو قادری صاحب مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا انوار الحق بدایونی، قاضی معین الدین کیفی اور مولوی رحمٰن علی کی عبارتوں پر تنقید کر کے اس جرم کے ہرگز مرتکب نہ ہوتے، کیوں کہ جس وقت ڈاکٹر صاحب زیر نظر مقالے میں ان حضرات کی عبارتوں پر سخن گستری قلم بند فرما رہے تھے اس وقت یہ چاروں حضرات پردہ فرما چکے تھے۔

ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاللذين آمنوا .[۱۹]

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔

﴿ماہ نامہ جام نور: فروری ۲۰۰۸ء﴾

□□□

www.Qadri.info

حواشی

[۱]ڈاکٹر شمس بدایونی: ''ڈاکٹر محمد ایوب قادری''، مشمولہ ''حقائق وبصائر'' ص:۲۹۷ تا ص:۳۲۴، بریلی ۱۹۸۶ء

[۲]غدر کے چند علما، ص:۳۰، دینی بکڈپو دہلی

[۳]باغیٔ ہندوستاں :ص:۲۳، ناشر المجمع الاسلامی مبارکپور

[۴]مرجع سابق، ص:۸

[۵]مرجع سابق، ص:۱۶

[۶]قاموس المشاهير: ج ۲، ص:۱۱۶، خدابخش لائبریری پٹنہ ۲۰۰۴ء طبع دوم

[۷]مرجع سابق، ج:۲/ص:۳۴

[۸] تذکرۂ علمائے ہند: ترجمہ وترتیب ڈاکٹر ایوب قادری، ص:۲۴۷، پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء

[۹]رسالہ مذکورہ ص ۳۲

[۱۰]رسالہ مذکورہ ص ۳۴

[۱۱]رسالہ ہٰذا

[۱۲]رسالہ ہٰذا

[۱۳]طوالع الانوار، ص:۲۳، مطبع صبح صادق سیتاپور، ۹۷-۱۲۹۶ھ

[۱۴]اکمل التاریخ، ج:۱/ص:۶۲، مطبع قادری بدایوں ۱۳۳۳ھ

[۱۵]مقالہ مذکور ص ۳۳

[۱۶]تحفۂ فیض، ص:۷، فخر المطابع میرٹھ

[۱۷]مرجع سابق

[۱۸]مرجع سابق

[۱۹]سورۂ حشر، آیت ۱۰

□□□

www.Qadri.info

شرح وتحقیق قصیدتان رائعتان: از ڈاکٹر رشید عبیدی

(ایک تنقیدی جائزہ)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سنہ ۱۳۰۰ھ میں سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی کی مدح ومنقبت میں ۳۱۳؍ اشعار پر مشتمل عربی زبان میں دو فصیح و بلیغ قصیدے نظم کیے تھے، جو عقیدت ومحبت اور زبان و بیان دونوں جہتوں سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں- پہلے قصیدے میں ۲۴۳؍ اشعار ہیں، اس کا تاریخی نام 'مدائح فضل الرسول' ہے- دوسرے قصیدے میں ۷۰؍ اشعار ہیں اس کا تاریخی نام 'حمائد فضل الرسول' ہے- یہ قصائد علمی حلقوں میں 'قصیدتان رائعتان' کے نام سے مشہور ہیں- المجمع الاسلامی، مبارک پور نے پہلی بار ان کو ۱۹۸۹ء میں شائع کیا تھا- ۲۰۰۲ء میں عراق کے ایک نامور محقق و ناقد علامہ ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن عبیدی نے ان قصائد کی شرح وتحقیق کی جو المجمع الرضوی العلیمی بغداد نے شائع کی تھی- لیکن اب تک اردو زبان میں ان کا کوئی ترجمہ اور شرح منظر عام پر نہیں آسکی تھی، جب کہ یہ قصائد اہل سنت کے بعض مدارس میں عربی ادب کے نصاب میں داخل بھی ہیں- اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے ایک فاضل اور مدرس مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی نے ان اہم تاریخی قصائد کا ترجمہ وتشریح کا کام کیا ہے، جس کو تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف نے ۲۰۱۳ء میں شائع کیا تھا - عالم ربانی، ممتاز محقق و ناقد مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے ۸۵؍ صفحات پر مشتمل تفصیلی مقدمہ لکھا تھا، جس میں مختلف جہتوں سے قصیدتان رائعتان کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے- اس مقدمے کا پہلا حصہ قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ'' کے عنوان

www.Qadri.info

سے حضرت موصوف کے مجموعۂ مقالات ''افہام وتفہیم'' میں ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔اس مقدمے کا دوسرا حصہ، جو نقد ونظر پر مشتمل ہے، یہاں شائع کیا جارہا ہے۔(عطیف قادری)

ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن العبیدی بغدادی تحقیق ،تنقید،تصنیف، تدوین اور شعر وادب کا ایک بڑا اور معتبر نام ہے۔ بحیثیت محقق، ناقد، ادیب اور شاعر ان کی شہرت عراق سے نکل کر عالم عرب کے عام علمی اور ادبی حلقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔[۱]

۲۰۰۱ء میں انہوں نے زیر نظر قصائد کی شرح وتحقیق کا کام کیا، جو ۲۰۰۲ء میں المجمع الرضوي العليمي کے زیر اہتمام بغداد سے شائع ہوا۔قصیدوں کی جن خوبیوں نے ان کو تحقیق وتشریح پر آمادہ کیا ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وإنما قمت بتحقيق هذين النصين الشعريين لما لمست فيهما من المعاني الرائعة التي نظمها الشاعر وما تضمنت أبياتها من الأمثال العربية ، والصور القرآنية والدلالات الحديثية ودقةالإشارات البارعة إلى ذلك كله بأسلوب شعري رشيق جميل (مقدمہ ص:٦)
>
> ترجمہ:مَیں نے ان دونوں قصیدوں کی تحقیق کا کام کیا جب کہ مَیں نے ان کے اندر عمدہ معانی محسوس کیے جن کو شاعر نے نظم کیا ہے ،(مَیں نے محسوس کیا کہ) ان قصیدوں کے اشعار عمدہ، نازک اور خوب صورت شعری پیرایے میں اپنے اندر امثال عربی ،صور قرآنی ، دلالات حدیثیہ اوران سب کی جانب دقت اور مہارت کے ساتھ اشارات رکھتے ہیں۔

کتاب پر ڈاکٹر محمد مجید السعید (رئیس جامعہ صدام ، بغداد) کی مختصر مگر جامع تقریظ اور ڈاکٹر عبیدی کا قدرے تفصیلی مقدمہ ہے۔مقدمے میں انہوں نے فاضل بریلوی کی مختصر حیات، تصنیفی خدمات اور علمی و شعری مقام ومرتبے پر گفتگو کی ہے۔شرح وتحقیق کے ضمن میں وہ حسب موقع وضرورت معانی مفردات، ترکیب نحوی اور وجوہ بلاغت بیان کرتے ہیں، پھر شعر کا عمومی مفہوم کہیں اختصار کہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

فاضل بریلوی کی عربی شاعری کا تعارف کرواتے ہوئے مقدمے میں لکھتے ہیں:

www.Qadri.info

يتميز شعر البريلوي بأنه شعر تقليدي ملتزم أي أنه عمودي البنية يهتم بالصياغة الشعرية التي درج عليها شعراء القرن الثالث عشر والرابع عشر الهجريين، وهذه الصياغة تنظرإلى:

[۱]نظام التفعيلية الخليلية و عددهافي كل شطر

[۲]نظام القافية والروي

[۳]الصياغه اللغوية المباشرة المعتمدة على مبدأ استخدام المحسنات اللفظية والبديعية والاستعارات والتشبيهات البلاغية التي برزت بشكل واضح في شعر الحقبة التي عاشها الشاعر في القرن المتأخرة قبل حركة التجديد في شعراء القرن الرابع عشر والخامس عشر الهجريين۔(ص:۱۹)

ترجمہ: فاضل بریلوی کی شاعری کی خصوصیت میں یہ شامل ہے کہ یہ روایتی اور پابندِ اصول شاعری ہے یعنی اس کی تشکیل کالم کی صورت میں ہوتی ہے اوراس میں اُس شاعرانہ ساخت کا لحاظ شامل ہوتا ہے جس پر تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری کے شعرا چلتے آئے ہیں- یہ ساخت مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھتی ہے:

[۱] خلیل کے ایجاد کردہ اوزان اور ہر مصرعے میں اس کے مساوی وزن کا نظام-

[۲] قافیہ اور روی کا نظام-

[۳] براہ راست لغوی تشکیل جو لفظی اور بلاغی جمالیات کے اصول پر قائم ہوتی ہے، نیز بلاغی استعارے اور تشبیہات اس میں ملحوظ ہوتے ہیں جو اس زمانے کی شاعری میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو پچھلی صدیوں میں شاعر (فاضل بریلوی) کا زمانہ ہے، چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کے شعرا میں جدیدیت کی تحریک پیدا ہونے سے پہلے کا زمانہ-

آگے لکھتے ہیں:

ويبدو من خلال نظم البريلوي أن له القدرة على استخدام المفردة اللغوية العربية استخداماً صحيحاً بدلالتها المعجمية والسياقية وأنه يحاول أن

www.Qadri.info

يعطي صورة صادقة عن شعر الحقبة المتأخرة من تاريخ الأدب العربي (ص:۱۹)

ترجمہ:علامہ بریلوی کی شاعری سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو عربی مفردات کو ان کی لغوی اور سیاقی دلالت کے ساتھ صحیح طریقے سے استعمال کرنے پر قدرت حاصل تھی اور ان کی کوشش تھی کہ تاریخ عربی ادب کی زمانہ اخیر کی شاعری کی صحیح اور سچی تصویر پیش کریں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

لقد رأيت أن القصيدتين تدلان على قدرة فائقة من البريلوي في اللغةوأصول التعبير بها (ص:٦)

ترجمہ:مَیں نے دیکھا کہ دونوں قصیدے عربی لغت اور اس کے اصول تعبیر پر علامہ بریلوی کی قدرت کاملہ پر دلالت کر رہے ہیں۔

مفردات عربی پر قدرت ومہارت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومما يدل على تمكنه من المفردة العربية واستعمالها من دلالتها الصحيحة والاستعمالية قوله :

اخضلت خضل خضيلتي لخضيلتي

بالجود منك ولم تذر لدهان (ص:۲۵)

ترجمہ:ان کا یہ شعر عربی مفردات کو دلالت صحیحہ کے ساتھ استعمال کرنے کی ان کی قدرت پر دلالت کر رہا ہے:

اخضلت خضل خضيلتي لخضيلتي

بالجود منك ولم تذر لدهان

(اے اللہ!) تو نے میری تازگی زندگی کے واسطے میرے مرغزار کی نبات کو اپنی کثیر بارش سے سیراب کر دیا اور قلیل بارش کے لیے نہیں چھوڑا۔

اس اعتراف فن کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبیدی نے زیر نظر قصائد پر نحو ولغت یا عروض وقوافی کی جہت

www.Qadri.info

سے بعض تنقیدات بھی کی ہیں-

فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی کی فنی و تحقیقی عظمت، لغوی و نحوی مہارت اور بلند علمی مقام کے اعتراف کے باوجود ان کی بعض تشریحات، تحقیقات اور تنقیدات سے مَیں خود کو متفق نہیں پاتا- اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے احساس و اقرار کے ساتھ جن مقامات پر مجھے تأمل ہے بطور تطفل اس کا ایک مختصر جائزہ ہدیہ قارئین ہے-

ہمیں جہاں فاضل بغداد کی رائے سے اتفاق نہیں ہے وہ کئی طرح کے مقامات ہیں- مثلاً

[**الف**] ان میں بعض اشعار وہ ہیں جو اپنے پیچھے ایک مخصوص تاریخی پس منظر، کوئی شخصیت یا کسی واقعے کی تلمیح رکھتے ہیں ان کو جانے بغیر شعر کا معنی یا تو واضح نہیں ہوسکتا یا پھر شاعر کی مراد کے خلاف ہوجائے گا۔ ایسے اکثر مقامات پر بغدادی صاحب کی تشریح سے شعر کا معنی شاعر کی مراد کے خلاف ہوگیا- علمی دیانت کے طور پر یہاں یہ بات لکھنا ضروری ہے کہ ان تسامحات کی حد تک ہم بغدادی صاحب کو معذور سمجھتے ہیں- ظاہر ہے کہ ان کے سامنے وہ مخصوص تاریخی پس منظر نہیں تھا جو شعر کی درست تفہیم کے لیے لازمی تھا، لہٰذا اگر ایسے مقامات پر ان کے قلم سے لغزش ہوئی ہے تو یہ قابل عفو ہے-

[**ب**] بعض مقامات وہ ہیں جہاں شاعر نے بین السطور یا حاشیے میں اپنے استعمال کردہ لفظ کا معنی لکھ کر اپنی مراد ظاہر کردی تھی، مگر فاضل بغداد نے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے لفظ کا ایسا معنی بیان کردیا جس سے شعر کا معنی ہی خبط ہوگیا- ایسے مقامات پر بھی بغدادی صاحب کی جانب سے یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ مصنف کے وہ بین السطور یا حواشی فارسی میں تھے اس لیے ان کے لیے نا قابل فہم رہے- لیکن جو حواشی یا بین السطور عربی میں تھے وہاں یہ عذر پیش نہیں کیا جاسکتا، ان پر بہر حال بغدادی صاحب کو توجہ کرنا چاہیے تھی-

[**ج**] چند ایک مقامات ایسے بھی ہیں جہاں فاضل بغداد 'تصحیف' کے ورطے میں پڑ گئے، یعنی شعر میں موجود کسی لفظ کو غلط پڑھ لیا اور اسی کی بنیاد پر مصرع کے وزن کو ساقط یا زبان کو کمزور قرار دے دیا-

د: بعض مقامات ایسے ہیں کہ شاعر کے استعمال کردہ لفظ کا معنی یا لفظ کا وہ مخصوص وزن بغدادی صاحب کو کسی قاموس میں نہیں ملا، اس بنیاد پر انہوں نے لفظ کی فصاحت یا عربیت پر تأمل کا اظہار کردیا-

www.Qadri.info

[د] ہمیں ان مقامات پر بھی تأمل ہے جہاں فاضل بغداد نے فن عروض وقوافی کی جہت سے بعض مصرعوں یا قوافی پر نقد کیا ہے-

اب اختصار کے ساتھ ہم فاضل بغداد کی شرح کا تنقیدی جائزہ پیش کر رہے ہیں- بالترتیب پہلے مقدمے، پھر قصیدۂ نونیہ، اس کے بعد قصیدۂ دالیہ کے متعلق ان کی تحقیق کا جائزہ لیا جائے گا-

مقدمے کے آغاز میں لکھتے ہیں:

وعدة أبيات القصيدة الأولى مئتان وأربعة وأربعون بيتاً وعدة أبيات القصيدة الثانية سبعون بيتاً فيجتمع من ذلك ثلاث مائة وأربعة عشر بيتاً (ص:۵)

ترجمہ: پہلے قصیدے کے اشعار کی تعداد ۲۴۴ر ہے اور دوسرے قصیدے کے اشعار کی تعداد ۷۰ر ہے، کل ملا کر یہ ۳۱۴ر اشعار ہو گئے-

لیکن چوں کہ خود مصنف قصائد نے اپنے اشعار کی تعداد اصحاب بدر کی مناسبت سے ۳۱۳ر بتائی ہے، اس لیے اپنی تحقیق ۳۱۴ر اور شاعر کے بیان ۳۱۳ر کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

يمكن تفسيره على أن الثانية وهي التي جاءت على المجزوء الكامل عدتها ٦٩ بيتاً لأن الأبيات الأخيرة منها وردت بشكل يدل على تكرار في بعض أشطر القصيدة كما أشرت في آخر التحقيق (ص:۵)

ترجمہ: اس (مصنف کے قول ۳۱۳ر اشعار) کی تفسیر اس طور پر ممکن ہے کہ دوسرا والا قصیدہ جو بحر مجزو کامل میں ہے اس کے اشعار کی تعداد ۶۹ر ہے، اس لیے کہ اس قصیدے کے آخر کے کچھ اشعار اس طور پر وارد ہوئے ہیں کہ وہ قصیدے کے بعض مصرعوں کی تکرار پر دلالت کر رہے ہیں، جیسا کہ میں نے آخر میں اشارہ کیا ہے-

یہاں بغدادی صاحب سے اشعار گننے میں سہو ہوا ہے، پہلے قصیدے میں ۲۴۴ر نہیں بلکہ ۲۴۳ر اور دوسرے میں ۷۰ر اشعار ہیں، جن کا مجموعہ ۳۱۳ر ہوتا ہے- خود بغدادی صاحب والی اشاعت میں قصیدۂ اول کے اشعار پر ہم نے قلم سے نمبر ڈالے تو ان کی تعداد ۲۴۳ر ہی ہوئی- پھر یہ کہ انہوں نے دونوں اقوال میں تطبیق کی جو صورت بیان کی ہے وہ بھی محل نظر ہے-

www.Qadri.info

مقدمے میں لکھتے ہیں کہ ان قصیدوں پر ان کے کچھ اعتراضات ہیں جن میں سے بعض کا تعلق تراکیب نحویہ وصیاغات لغویہ سے ہے اور بعض شبہات عیوب قافیہ سے متعلق ہیں-عیوب قافیہ سے متعلق لکھتے ہیں:

شاعر کا تاسیس اور عدم تاسیس کے درمیان اختلال قافیہ کا شکار ہونا- یہ ان عیوب میں سے ہے جن کی طرف عروضیوں نے اشارہ کیا ہے- وہ یہ ہے کہ ان کا دوسرا قصیدہ (جو بحر مجزو کامل میں ہے) بغیر تاسیس کے دال کے قافیہ پر پورا ہو رہا ہے، یعنی 'محمد' مؤید، اور تردد وغیرہ لیکن علامہ بریلوی نے کثرت سے تاسیس بھی استعمال کی ہے، جیسے قصیدے کے تیسرے شعر میں:

والآل أمطار الندى

والصحب سحب عوائد

نواں شعر اس طرح ہے:

یارب یا ربّاہ یا

کنز الفقیر الفاقد

یہ عیب قصیدے میں ۱۶ر مرتبہ آیا ہے-(ترجمہ ملخصاً:ص:۲۳)

یہ درست ہے کہ سناد تاسیس عیوب قافیہ میں سے ہے، مگر دیانت علمی کا تقاضا تھا کہ فاضل بغداد یہاں وضاحت کرتے کہ یہ ان عیوب میں سے ہے جن کو عروضیوں نے مولدین شعرا کے لیے جائز رکھا ہے، لیکن انہوں نے اس جانب کوئی اشارہ نہیں کیا جس سے ایک عام قاری کو یہی تاثر ملتا ہے کہ قصیدے کے ۱۶ر اشعار میں قافیہ کا عیب موجود ہے-

ماہرین عروض نے قافیے کے ۷ر عیوب کی نشان دہی کی ہے-

[۱]الاکفاء

[۲]الاقواء

[۳]الاجازۃ

[۴]لاصراف

www.Qadri.info

[۵]الایطاء،
[۶]التضمین،
[۷]السناد[۲]

ان عیوب میں سے پہلے ۴؍ممنوع ہیں، جب کہ عروضیوں نے آخری ۳؍یعنی ایطا،تضمین اور سناد(مع پانچ اقسام) کومولدین شعرا کے لیے جائز رکھا ہے۔

علامہ محمد دمنہوری الازہری'الارشادالشافی' میں لکھتے ہیں:

واعلم أن الجائز من هذه السبعة للمولدینالإ یطاء و التضمین، والسناد بأقسامها[۳]

ترجمہ: جان لو کہ ان سات (عیوب قافیہ) میں سے مولدین کے لیے ایطا،تضمین اور سنادمع اپنی اقسام کے جائز ہے۔

علامہ دمنہوری نے سناد کی جن اقسام کا ذکر کیا ہے وہ پانچ ہیں: سنادالاشباع، سنادالتوجیہ، سناد الحذف، سنادالردف اور سنادالتاسیس۔

عروضی ومحقق احمدالہاشمی اپنے مشہورمنظومے میں قافیے کے عیوب شمار کرانے کے بعد کہتے ہیں:

وَمِثْلُ ذَا یُقَالُ فِیْمَا قَدْ تَلا وَلِلْمَوَلَّدِ أَجازَ الْفُضَلا
أن یَنْتَحَیاالإ یطاءَ وَالتَّضْمِیْنا کَذَا السِّنَادُ کُلُّهُ یَقِیْنا[۴]

سنادتاسیس کی مثال میں خطیب تبریزی نے عجاج کے کلام سے حوالہ دیا ہے:

یا دار سلمی أسلمي ثم أسلمي
بسمسم وعن یمین وسمسم

اس کے بعد کے ایک شعر میں قافیہ مؤسس ہے:

فخندف هامة هذاالعالم [۵]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سنادتاسیس گو کہ قافیہ کے عیوب میں سے ہے،مگر مولدین شعرا کے لیےاس کوجائز قرار دیا گیا ہے،لہٰذاعلمی دیانت کے طور پر ڈاکٹر عبیدی کواس بات کا ذکر کرنا چاہیےتھا۔

ڈاکٹر عبیدی نے قصیدتان رائعتان پر دوسرااعتراض یہ کیا ہے کہ ان میں شاعر بنائےتعبیر میں ضعف

www.Qadri.info

کا شکار ہوئے ہیں، مثلاً کہیں وزن کی سلامتی کی خاطر متحرک کو ساکن کیا ہے، جیسے:

فبهـــا الـــزلازل والـفتـنْ

یہاں وزن کی خاطر نون متحرک مضموم کو ساکن کیا گیا ہے۔ کہیں اشباع حرکت کے ذریعے مد پیدا کیا گیا ہے، جیسے:

یــا نــفــس طـاب أوانكِ

یا جیسے:

ونبيك الـــمتـــفـــضـــلُ

یہاں 'متفاعلن' کو پورا کرنے کے لیے اوانک کے کاف اور المتفضل کے لام میں اشباع حرکت ہے۔ کہیں وزن کی سلامتی کے لیے ہمزہ کی تسہیل کا سہارا لیا ہے، مثلاً الـرجـاء کو الـرجـا، الـدعـاء کو الدعا، ماءکو ماوغیرہ (ملخصاً: ص۲۴/۲۵)

ہمارے ناقص خیال میں یہاں بھی فاضل بغداد نے شاعر کے ساتھ انصاف نہیں کیا، انہوں نے تصویر کا صرف ایک رخ پیش کرنے پر اکتفا کیا جس سے ایسا لگتا ہے کہ قصیدتان رائعتان کے شاعر نے قواعد نحویہ وعروض سے ناواقفیت کی بنیاد پر ان غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ نہیں ہے ، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ یہ قضیہ قدرے تفصیل چاہتا ہے۔

ماہرین فن نے 'ضرورات شعریہ' کو ایک مستقل عنوان کے تحت کتب عروض میں درج کیا ہے اور اس پر نفیاً واثباتاً اور جوازاً وامتناعاً ہر پہلو سے بحث کی ہے، ڈاکٹر محمد بن حسن بن عثمان لکھتے ہیں:

الـضـرورات الشعرية هي رخص أعطيت للشعراء دون الناثرين في مخالفة قـواعـد الـلغة وأصـولهـا المالوفة ،وذلك بهدف استقامة الوزن وجمال الصورة الشعرية ، فقيود الشعر كثيرة منها الوزن والقافية واختيار الألفاظ ، فيـضطر الشاعر أحياناً للمحافظة عليهاإلى الخروج على قواعد اللغة من صرف ونحو ومااليها

والـنـظـم أربـعة أنـواع : نـظـم خالٍ من العيب والضرورة ، ونظم فيه عيب، فيـضرب به عرض الحائط ، و نظم فيه ضرورة قبيحة وهذا مبتذل ونظم فيه

www.Qadri.info

ضرورة مقبولة يجوز للشاعر ارتكابها بدون مؤاخذة عليه[٦]

ترجمہ: 'ضرورات شعریہ' لغت کے قواعد اور اس کے اصول مالوفہ کی مخالفت کے سلسلے میں دی گئی یہ وہ رخصتیں ہیں جو صرف شعرا کو حاصل ہیں نثر نگاروں کو نہیں- یہ رخصتیں وزن کی سلامتی اور صورت شعری کی خوبصورتی کے مقصد سے ہوتی ہیں، کیوں کہ شعر کی بہت سی قیدیں ہیں مثلاً وزن، قافیہ اور اختیار اللفظ وغیرہ تو کبھی شاعر ان قیود کی پابندی کی خاطر صرف ونحو کے قواعد کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوتا ہے- نظم کی چار قسمیں ہیں:

[١] وہ نظم جو عیوب سے بالکلیہ پاک ہو-

[٢] وہ نظم جس میں عیب ہوں تو وہ قابل اعتنا نہیں-

[٣] وہ نظم جس میں ضرورت قبیحہ ہو، یہ نہایت مبتذل (گھٹیا) ہے-

[٤] وہ نظم جس میں ضرورت مقبولہ ہو، (ایسی نظم میں) شاعر کو جائز ہے کہ وہ (قواعد کی مخالفت) کا ارتکاب کرے بغیر کسی گرفت کے-

پھر اس کے بعد انہوں نے ان 'ضرورات مقبولہ' کی مندرجہ ذیل صورتیں مع مثال پیش کی ہیں:

صرف ما لاينصرف ،قصر الممدود مد المقصور،إبدال همزة القطع وصلاً، قطع همزة الوصل ،تخفيف المشدد، تسكين المتحرك و تحريك الساكن، تنوين العلم المنادى ،إشباع الحركة، تحريك ميم الجيم، كسر آخر الكلمةإن كان ساكناً۔

فاضل بغداد نے قصیدتان رائعتان سے جو چند مثالیں پیش کی ہیں ان کو آپ بغور دیکھیں تو ضرورات مقبولہ کی مندرجہ بالا صورتوں سے باہر نظر نہیں آئیں گی-

خلاصہ یہ کہ اگر فبها الزلازل والفتنْ میں متحرک کو ساکن کیا گیا ہے تو یہ ضرورت مقبولہ میں سے ہے-

راعی النمیری کہتا ہے:

تـأبـى قَضاعَةُ **أن تَـعْرِفْ** لـكُمْ نسباً وابـنــا نــزارٍ فــأَنْتُـم بَيْـضَةُ البَـلَـدِ

یہاں أن تعرفَ کا محل تھا، ضرورت شعری کی وجہ سے تعرف کی فا کو ساکن کر دیا گیا-

www.Qadri.info

اسی طرح یا نفس طاب أوانك میں اگر اشباع حرکت ہے تو اس ضرورت مقبولہ کے ارتکاب سے امراء القیس بھی محفوظ نہیں ہے، کہتا ہے:

ألا أيهـا الـليـلُ الطويلُ ألا **انـجَلِي** بِـصُبْحٍ وماالإ صبـاح مـنك بـأمثلي

یہاں انجل کے لام کے کسرے کو اشباع کے ذریعے یا بنایا گیا ہے-

اگر قصیدتان رائعتان میں چندجگہ ضرورت شعری کی بنیاد پر ممدود کو مقصور کیا گیا ہے تو یہ بھی انہیں ضرورات مقبولہ جائزہ میں شمار ہوتا ہے جن کے ارتکاب پر مواخذہ نہیں کیا جاتا، ابوتمام کہتا ہے:

ورث الـنـدى وحـوى النهى وبنى العلا وجـلا الدجى ورمى **الـفضا** بهداءِ

یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے الفضاء ممدود کو مقصور اور هدی مقصور کو ممدود کیا گیا-

ضرورت شعری کی بنیاد پر اس قسم کے تصرف کی اجازت عرب، غیر عرب، متقدمین اور مولدین ومتاخرین سب کو ہے-ابن جنی نے 'الخصائص' میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ ابوعلی الفاسی سے سوال کیا کہ کیا ہمارے لیے بھی ضرورت شعری کی بنیاد پر ان تصرفات کی اجازت ہے جن کی عرب کو ہے؟، ابوعلی فاسی نے جواب دیا کہ:

كما جاز أن نقيس منثورنا من منثورهم فكذلك يجوز لنا أن نقيس شعرنا علـى شعـرهـم فـمـا أجـازته الضرورة لهم أجازته لنا وما حظرته عليهم حظرته علينا

وإذا كـان كـذلك فـمـا كـان مـن أحسـن ضـروراتهم فليكن من أحسن ضروراتنا وما كان من أقبحها عندهم فليكن من أقبحها عندنا[۷]

ترجمہ: جیسا کہ ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم ان کی نثر پر اپنی نثر کو قیاس کریں، اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی جائز ہے کہ ہم ان کے شعر پر اپنے شعر کو قیاس کریں، لہٰذا ان کو ضرورت جس بات کی اجازت دیتی ہے ہمیں بھی دیتی ہے، جو چیز ان کے لیے ممنوع ہے ہمارے لیے بھی ممنوع ہے-

(ابن جنی کہتے ہیں) جب یہ معاملہ ہے تو پھر جو ان کے لیے ضرورات حسنہ ہیں وہ ہمارے لیے بھی ضرورات حسنہ ہیں اور جو ان کے لیے قبیحہ ہیں وہ ہمارے لیے بھی

www.Qadri.info

قبیحہ ہیں۔

یہ ہے تصویر کا وہ دوسرا رخ جو فاضل بغداد نے پیش نہیں کیا۔

مقدمے میں چند ایک تنقیدات اور ہیں جن پر اشعار کی شرح و تحقیق کے ضمن میں نظر ڈالی جائے گی۔اب یہاں سے ہم فاضل بغداد کی شرح و تحقیق پر سلسلہ وار گفتگو کریں گے۔

﴿۱﴾شعر ۳ر میں مصرع اول ہے:

بكت الغزير فهيجت مني البكا

مطلب واضح ہے کہ شعر نمبر ۲ر میں جس فاختہ کے رونے کا ذکر تھا وہ اتنا زار و قطار روئی کہ اس کے رونے نے مجھے رلا دیا۔الغزیر کا معنی موسلا دھار بارش ہے،لیکن جب البکا یا الدمع وغیرہ کے ساتھ استعمال ہو تو بہت رونا،زار و قطار رونا،پھوٹ پھوٹ کر رونا وغیرہ معانی مراد ہوتے ہیں۔

عباسی شاعر البحتری اپنے مشہور لامیہ میں کہتا ہے:

فَكَأَنْ فُضَّ مِنْ دَمْعٍ غَزِيْرٍ وأُضْرِمَ مِنْ جَوَى كَمَدٍ دَخِيْلِ

اسی لیے مصنف علام نے 'الغزیر' کے اوپر بین السطور میں اس کا معنی واضح کیا ہے "اي البكاء الكثير"۔لیکن فاضل بغداد نے اس کو الغریم سمجھ لیا،متن میں اس کو الغریم لکھا،حاشیے میں اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:الغريم: المغرم ، المولہ المدنف (ص:۳۴)یعنی عشق و محبت میں وارفتہ، مریض عشق وغیرہ۔ہمارے خیال میں شاعر نے اپنے لفظ کی جو تشریح خود کی ہے وہی صحیح ہے ورنہ الغزیر کو الغریم ماننے کی وجہ سے نحوی ترکیب اور شعر کے معنی میں جو تکلف کرنا پڑے گا وہ اہل فہم سے مخفی نہیں۔

﴿۲﴾شعر ۱۰ر میں فرماتے ہیں کہ محبوب نے مجھ سے دل کا سودا کیا،مول بھاؤ کیا،لیکن پھر قیمت ادا نہیں کی،اے کاش وہ مول بھاؤ کیے بغیر ہی میرا دل لے کر بھاگ جاتا،کیوں کہ مول تول کر کے پھر سامان نہ خریدنا دکاندار/عاشق پر گراں گزرتا ہے۔شعر ملاحظہ فرمائیں:

سَامَتْ فُؤَادِيْ ثُمَّ لَمْ تُعْطِ الثَّمَنْ يَا لَيْتَهَا طَرَّتْ بِلَا إِثْمَانِ

ترجمہ:اس نے میرے دل کا سودا کیا پھر قیمت تک ادا نہیں کی۔اے کاش!اس نے بغیر مول بھاؤ کے ہی(میرا مال)لوٹ لیا ہوتا۔

اس میں سَامَتْ اور اِثمان دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی مول بھاؤ کرنا،سَامَتْ کے نیچے'نرخ

www.Qadri.info

کرڈ اور اِثـمـان کے اوپر 'نرخ کردن' لکھ کر مصنف نے اپنی مراد ظاہر کردی، اثمان باب افعال کا مصدر ہے۔لیکن فاضل بغداد نے اس کو 'ثَـمَنْ' کی جمع 'اَثْـمَان' بروزن اَفعال سمجھ لیا، دوسرے یہ کہ سَـامَتْ کا معنی بجائے 'مول بھاؤ کرنے' کے تکلیف دینا، مشقت میں ڈال دینا سمجھ لیا۔اسی بنیاد پر شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں:

و أراد أنها آذته و شقت عليه و كلفتني ثمناً باهضاً (ص:۳۵)

ترجمہ: شاعر نے مراد لیا کہ محبوب نے اس کو اذیت پہنچائی، مشقت میں ڈالا اور مجھے ایک مشقت بھری قیمت سے دشواری میں ڈال دیا۔

اگرچہ سامه الأمر کا ایک معنی کـلفه اياه بھی ہے، (دیکھیے لسان العرب: مادہ سوم) لیکن اس کے باوجود اس شعر سے مذکورہ معنی نکالنا غیر ضروری تکلف اور کھینچ تان سے خالی نہیں، نیز یہ کہ یہ معنی شاعر کی مراد کے بھی خلاف ہے۔

﴿۳﴾ شعر ۱۴ر میں محبوب کی تلون مزاجی کا بیان ہے کہ کبھی تو وہ شربت دیدار عطا کرتا ہے تو مریض عشق کو سیراب کردیتا ہے اور کبھی ایسے کام کرتا ہے جس سے عاشق مشقت میں پڑ جائے، اس کا جگر پارہ پارہ ہوجائے اور اس کی آنکھوں سے تارِ اشک جاری ہوجائے۔شعر ملاحظہ کریں:

تَسْـقِـي فَتَشْـفِـيْ ثُـمَّ تُشْـقِـيْ بِـالْـعَـنَـا وَتَـفَــلُّـقِ الْأَكْبَـــادِ وَالْـعَـيَـنَـــانِ

شعر کا آخری لفظ (قافیہ) الـعَيَـنَـان ہے، یہ یا کے زبر کے ساتھ عَـان کا مصدر ہے بمعنی پانی کا بہنا یا آنسو بہنا، المنجد میں ہے:

عَانَ- عَيْناً وعَيَاناً وعَيَنَاناً الماء أو الدمع: جرى (المنجد: مادہ عین)

اسی لیے مصنف علام نے الـعَيَـنَـان کے اوپر بین السطور میں لکھا کہ "بہ فتحتین روانی اشک"، اس کے علاوہ العینان کی یا پر واضح طور پر زبر بھی لگا ہوا نظر آرہا ہے۔ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کا عطف 'تَفَلُّق' پر ہے، جو 'العَنا' کا معطوف ہے۔'با' حرف جار کی وجہ سے العنا، تفلق اور العینان تینوں حالت جری میں ہیں العینان کا جر نون کے کسرہ میں ظاہر ہورہا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے ہیں:

www.Qadri.info

وقـد أبـاح لـنـفسـه أن يـجـر الـعيـنين بالألف وهي لغة معروفة في بعض لهجات العرب

ترجمہ: شاعر نے اپنے لیے جائز رکھا کہ وہ العینین کو الف کے ذریعے جر دیں، یہ عرب کے بعض لہجات میں معروف ومستعمل ہے۔

پھر انہوں نے مثال میں دو شعر پیش کیے ہیں جن میں سے ایک میں ابا کو حالت جری میں الف سے استعمال کیا گیا اور دوسرے میں حالت جری میں العینین کی جگہ العینان استعمال کیا گیا ہے۔

اسی اعتراض کو انہوں نے مقدمے میں بھی ذکر کیا ہے۔فرماتے ہیں:

وقـد يرتكب الشاعر خطأ نحوياً، فيرفع في موضع الجر ،أو ينصب في موضع الـرفـع ، ذلك غالباً ما يكون ضرورة شعرية ومن ذلك قوله في البيت المذكور فـقـد جـاء بلفظ العينان مرفوعة ، وحكمها الجر ، لأنها معطوفة على مجرور مضاف اليه۔(ص:٢٦)

ترجمہ: شاعر (فاضل بریلوی) کبھی خطائے نحوی کا ارتکاب کرتے ہیں، اس طور پر کہ وہ موقع جر میں رفع دیتے ہیں یا موقع رفع میں نصب دیتے ہیں، یہ عموماً ضرورت شعری کی بنیاد پر ہوا ہے، مثال کے طور پر مذکورہ شعر میں ان کا قول الـعـيـنـان مرفوع آیا ہے، حالاں کہ اس کا حکم جر تھا کیوں کہ وہ مضاف الیہ مجرور پر معطوف ہے۔

ہمارے خیال میں یہاں نہ کوئی خطائے نحوی ہے، نہ کہیں ضرورت شعری ہے اور نہ ہی بعض لہجات عرب کے مطابق مجرور کو مرفوع پڑھنے کا تکلف کرنے کی ضرورت ہے۔یہ تمام الجھنیں اس لیے پیدا ہوئیں کہ فاضل بغداد نے العَيَنان کو العین بمعنی آنکھ کا تثنیہ سمجھ لیا، ظاہر ہے کہ جب العَيْنَان العَيْن کا تثنیہ ہے تو اس کو حالت جری میں الـعَيْنَيْن ہونا چاہیے تھا، یہی بات فاضل بغداد کی الجھن کا باعث ہے۔جب یہ بات خود مصنف کے بین السطور سے واضح ہوگئی کہ یہ العین کا تثنیہ نہیں بلکہ عان کا مصدر ہے جس کا جر نون کے کسرے کے ساتھ ہے تو الجھن اپنے آپ رفع ہوگئی۔

لیکن ابھی ہماری ایک الجھن باقی ہے۔کچھ دیر کو ہم مان لیتے ہیں کہ یہ الـعـيـن (آنکھ) کا تثنیہ الـعَيْـنان ہی ہے اور فاضل بغداد کی تحقیق کے مطابق یہ الأكـبـاد (مجرور مضاف الیہ) کا معطوف ہے، تو

www.Qadri.info

اب سوال یہ ہے کہ 'تفلق العینین' (آنکھوں کا پھٹنا) کا مطلب کیا ہوا؟ محبوب مشقت میں ڈالتا ہے، جگر پارہ پارہ کردیتا ہے یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن کیا وہ آنکھیں بھی پھاڑتا یا پھوڑتا ہے؟ اور پھر کیا 'تفلق العینین' کا کوئی استعمال کسی شاعر کے یہاں دکھایا جاسکتا ہے؟۔

﴿۴﴾ شعر ۱۶ رمیں فرماتے ہیں:

آھاإذا أذنت لھجرٍ آن

مطلب واضح ہے کہ وائے افسوس ونامرادی! جب میرا محبوب عنقریب آنے والے ہجر وفراق کے لیے اجازت طلب کرے۔ آخری الفاظ 'لِھجْرٍ' اور 'آن' ہیں، ان میں پہلا لفظ ہجر ہے جس پر لام جارہ داخل ہے، آن اسی ہجر مجرور کی صفت ہونے کی بنیاد پر مجرور ہے۔ حضرت مصنف نے ھجر کی را کے نیچے دوزیر لگائے ہیں جو واضح طور پر پڑھنے میں آرہے ہیں، نیز انہوں نے آنِ کے نیچے بین السطور میں لکھا ہے 'قریب'۔ لیکن فاضل بغدادنے اس کو لِھجْرَانِ سمجھ کر مصرع بحر سے خارج قرار دے دیا۔ مصرع کی چول بٹھانے کے لیے ھجران سے پہلے حرف جر الی کا اضافہ کرکے اس کو الی الھجران کردیا۔ فرماتے ہیں:

زدنا 'إلى' على الأصل لأن الشطر فی الأصل 'أذنت لھجران' وھو غیر مستقیم عروضاً ووزناً (ص:۳۶)

ہم نے اصل پر 'الی' کا اضافہ کیا ہے، کیوں کہ اصل میں مصرع اذنت لھجران تھا، جو عروض ووزن کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔

آپ ملاحظہ فرماچکے کہ نہ یہ 'لِھجْرانِ' تھا، نہ مصرع بحر سے خارج تھا اور نہ ہی 'الی' کے اضافے کی ضرورت تھی، بس لفظ کو غور سے پڑھنے کی ضرورت تھی۔

﴿۵﴾ شعر ۱۹ رمیں فرماتے ہیں کہ ازمان (عرب کی ایک خوبصورت عورت) اپنے حسن وجمال کی وجہ سے فوقیت وبرتری لے گئی، لیکن میرا محبوب اپنے زمانے میں ازمان پر بھی فوقیت لے گیا۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَزْمَانُ فَاقَتْ بَیْدَ أَنَّ عَشِیقَتِیْ بِزَمَانِھَا فَاقَتْ عَلَى أَزْمَانِ

'ازمان' کے نیچے بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں ''نام زن عربیہ مشھورہ بجمال''۔ مطلب

www.Qadri.info

واضح ہے کہ'ازمان' ایک عربی عورت کا نام ہے-ہمارے ناقص خیال میں یہ علم اور تانیث کی بنیاد پر غیر منصرف ہے، کیوں کہ ہر وہ علم مؤنث جس میں تین حرف سے زائد ہوں وہ غیر منصرف ہے جیسے فاطمہ، زینب وغیرہ، اسی لیے اس کو بغیر تنوین کے نون کے ضمہ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے-ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے اور اس کے بعد کا جملہ فـاقـت الخ اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر ہے-اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

أزمـان: جعلها الشاعر خبراً لمبتدأ محذوف تقديره : هي أزمان ولكنه لم ينون ، فجعله كأنه ممنوع من الصرف ، وعمله هذا ضرورة۔(ص:۳۸)

ترجمہ:ازمان کو شاعر نے مبتدا محذوف کی خبر بنایا ہے،اس کی تقدیر'هي أزمـان' ہے ،لیکن شاعر نے اس پر تنوین نہیں لگائی، گویا اس کو غیر منصرف بنالیا ہے،ان کا ایسا کرنا ضرورت(شعری) کی بنیاد پر ہے-

حالاں کہ نہ یہاں کوئی مبتدا محذوف ہے، نہ ازمان اس کی خبر ہے اور نہ کسی منصرف کو ضرورت شعری کی بنیاد پر غیر منصرف کیا گیا ہے، دراصل یہ سارے تکلف اس لیے کرنا پڑے کہ فاضل بغداد نے اس کو عربی عورت کے نام کی بجائے الزَّمَن (بمعنی زمانہ) کی جمع ازمان بروزن افعال سمجھ لیا-

شرح میں لکھتے ہیں'إن الأزمان تفوق و تطول '،اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی نظر میں یہاں ازمان زمن کی جمع ہے-ہاں البتہ شعر کے آخر میں جو ازمان ہے وہ علی کا مدخول ہے اور حالت جری میں ہے، غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس کا جر فتحہ کے ساتھ ہونا تھا، مگر قافیے کی رعایت کی وجہ سے اس کا جر کسرے کے ساتھ کیا گیا ہے، ایسا تصرف ضرورت مقبولہ'صرف مالاینصرف' کے تحت آتا ہے، جس کے جواز کے بارے میں ہم پیچھے لکھ چکے ہیں-

شعر کے خلاصے کے طور پر فاضل بغداد نے جو بات لکھی ہے وہ بھی ہماری فہم ناقص سے بالاتر ہے، لکھتے ہیں:

يقولإن الأزمـان تـفـوق و تـطـول ولكن عشيقتي فاقت الأزمان وطالت عليها(ص:۳۸)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ زمانے طویل ہورہے ہیں لیکن میرا محبوب زمانے سے بھی

www.Qadri.info

طویل ہوگیا۔

اولاً تو 'تفوق' کی شرح 'تطول' سے کرنا قابلِ غور امر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہ درست بھی ہو تو آخر محبوب کا زمانے سے بھی زیادہ لمبا ہونا کیا معنی رکھتا ہے!!

﴿۶﴾ شعر ۲۰ ر میں محبوب کے در کے خادموں اور دربانوں سے مخاطب ہیں کہ تم مجھ پر ملامت وعتاب مت کرو، مَیں تو صرف اپنے محبوب کے کاشانے پر پڑے ہوئے پردوں کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، شعر ملاحظہ فرمائیں:

يَـا سَـادِنِـي أَعْتَـابِهَـا لَا تَـعْتِبُوا مَـارُمْـتُ إِلَّا لَثْـمَ تِـي الْأَ سْـدَانِ

ترجمہ: اے درِ محبوب کے خادمو! مجھ پر عتاب مت کرو-مَیں نے تو صرف ان (دروں پر پڑے ہوئے) پردوں کے بوسے کا ارادہ کیا ہے-

پہلے مصرع میں ایک لفظ 'سَادِن' ہے جو کعبے یا بت خانے کے خادم و مجاور کو کہتے ہیں، یہاں محبوب کے دربان و خدام مراد ہیں-دوسرے مصرع میں لفظ 'أَسْـدَان' ہے، جس سے پردے مراد ہیں-خود حضرت مصنف نے پہلے لفظ کے نیچے 'خدام' اور دوسرے لفظ کے اوپر 'پردہا' لکھ کر اپنی مراد ظاہر کر دی-مگر فاضل بغداد نے شعر کی بالکل مختلف تشریح کی ہے، لکھتے ہیں:

فيقول: لا تعتبوا علي ، لأنني أروم لثم الذين يسدنون عتبة منزلها (ص: ۳۸)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ مجھ پر عتاب مت کرو کیوں کہ مَیں تو ان لوگوں کے بوسے کا قصد کر رہا ہوں جو محبوب کے گھر کی چوکھٹ کی خدمت کرتے ہیں-

عاشق محبوب کے گھر میں پڑے ہوئے پردوں کا بوسہ لینا چاہتا تھا، لیکن فاضل بغداد نے محبوب کے گھر کے خادموں کا بوسہ دلوا دیا-۔ دراصل یہ سہو 'سَادِن' اور 'أَسْدَان' کے معنی میں التباس کی وجہ سے ہوا -غالباً بغدادی صاحب نے أَسْدَان کو سَادِن کی جمع گمان فرما لیا، حالاں کہ أَسْدَان سَادِن (خادم) کی جمع نہیں بلکہ 'السَّدَن' (پردہ) کی جمع ہے، سادن کی جمع تو السَّدَنَة آتی ہے-ابن منظور لکھتے ہیں:

السَّادِنُ : خادم الكعبة و بيت الأصنام ، والجمع السَّدَنَةُ (لسان العرب :مادہ سدن)

www.Qadri.info

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

والسَّدَن : السِّتْرُ والجمع أَسْدَان (مرجع سابق)

﴿۷﴾ شعر ۲۱ر کا پہلا مصرع ہے:

سحرتني العينا بلحظة طرفها

مطلب ہوا کہ خوب صورت آنکھ والے محبوب نے اپنی دز دیدہ نگاہی سے مجھ پر جادو کر دیا- مصرع میں سحرت فعل، ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول اور العینا اس کا فاعل ہے- بین السطور میں العینا کی وضاحت فرماتے ہیں کہ 'زن خوش چشم' یعنی خوبصورت آنکھ والی عورت-

المنجد میں ہے:

العيناء : الحسنة العين (المنجد: مادہ عین)

اب اس سلسلے میں بغدادی صاحب کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

جاء ت العينا هكذا في القصيدة وتحتمل وجهين، الوجه الأول أنه أراد سحرت العين، فأشبع الفتحة فأصبحت ألفاً، والوجه الآخر هو أن العينين هما اللتان سحرتا الشاعر ، وحذف النون ضرورة والوجه الثاني هو الأقرب (ص:۳۸)

ترجمہ: العینا قصیدے میں اسی طرح وارد ہے، یہ دو وجہ کا احتمال رکھتا ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سحرت العين (آنکھ نے جادو کر دیا) مراد لیا ہے، فتحہ کو اشباع دیا گیا تو وہ الف بن گیا- دوسری وجہ یہ ہے کہ العینان (دونوں آنکھوں) نے شاعر پر جادو کر دیا، ضرورت شعری کی بنیاد پر (العینان کا) نونِ (تثنیہ) حذف کر دیا گیا، دوسری وجہ اقرب الی الصواب ہے-

اگر تھوڑی دیر کو مان بھی لیں کہ یہ سَحَرَتِ الْعَيْن تھا، فتح کو اشباع دے کر الف بنا دیا گیا تو سوال یہ ہے کہ العین کے نون پر فتحہ تھا ہی کب؟ اس پر تو سَحَرَتْ کا فاعل ہونے کی وجہ سے ضمہ ہونا تھا!- دراصل دو وجہ نکال کر یہ سارا تکلف اس لیے کرنا پڑا کہ العینا (زن خوش چشم) کا معنی فاضل بغداد کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا- زیادہ سے زیادہ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دراصل العیناء تھا، ضرورت شعری کی بنیاد

www.Qadri.info

پرالعیناء کاہمزہ حذف کر کے العینا کر دیا گیا،اس قسم کا حذف ہمزہ جائز ہے جس کے بارے میں ہم پیچھے لکھ چکے ہیں-

﴿۸﴾شعر۲۳رمیں عاشق کی ایک خاص کیفیت کا ذکر ہے،فرماتے ہیں کہ اے نرم اور ہموار زمین کے باسیو!تم اپنے خیموں میں جاؤ اور غمزدہ (یعنی عاشق/شاعر) کو سخت زمین میں چلنے کے لیے چھوڑ دو،گویا:

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

شعر ملاحظہ فرمائیں:

یَـا أَهْـلَ سَهْـلٍ أَسْهِـلُـوْا بِـخِيَـامِـكُـمْ وَذَرُوا أَخَـــاالْأَحْـــزَانِ لِـــلإِحْـــزَانِ

شعر کا قافیہ الإحزان ہے، جو باب افعال کا مصدر ہے، مصنف نے ہمزے کے نیچے زیر لگایا ہے جو صاف پڑھنے میں آ رہا ہے، اس کا معنی بین السطور میں لکھتے ہیں 'بزمین درشت آمدن' یعنی سخت زمین میں آنا-معنی بالکل درست ہے، ابن منظور 'لسان العرب' میں لکھتے ہیں:

أحزن الرجل إذا صار في الحَزْن (لسان العرب: مادہ حزن)

پھر الحَزْن کا معنی لکھتے ہیں کہ

والحَزْنُ : ما غلظ من الأرض في ارتفاع

لیکن فاضل بغداد نے اِحزان کو الحُزْن کی جمع أحزان سمجھ لیا، جس سے شعر کا معنی ہی خبط ہو گیا، لکھتے ہیں:

يقول: يا من ينزل السهل من الأرض،يسروا لنا النزول في خيامكم ، لنلقى عندكم السرور والراحة واتركوا المحزون لحزنه (ص:۳۸)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ اے نرم زمین پر اترنے والو! ہمیں تمہارے خیموں میں اترنا بہت مسرور کرے گا، تاکہ ہم تمہارے پاس مسرت و راحت حاصل کریں اور غمگین کو اس کے غم کے لیے چھوڑ دو-

اس تشریح سے سمجھ میں آتا ہے کہ عاشق/شاعر خود ان کے ساتھ جانے کو تیار ہے، حالاں کہ مصرع ثانی میں 'أخــا الأحـزان ' سے خود عاشق/شاعر کی ذات مراد ہے، وہ اہل سہل سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ

www.Qadri.info

اپنے خیموں میں جاؤ اور غمزدہ (یعنی عاشق/شاعر) کو سخت زمین پر جانے کے لیے چھوڑ دو-

﴿۹﴾ شعر ۲۹ر میں فرمایا کہ مَیں ایسے نجد کا قیس ہوں جس میں باغ کی نزہت ہے اور یہ نزہت ایک ڈھال ہے جو لوگوں کو دیوانگی سے محفوظ رکھتی ہے- شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَنَـا قَيْـسُ نَـجْـدٍ فِيْـهِ نُـزْهَةُ جَـنَّةٍ   هِـيَ جُـنَّةٌ مِـنْ جِـنَّةٍ لِـجَـنَـانِ

اس میں جَنَّةٌ باغ، جُنَّةٌ ڈھال، جِنَّةٌ دیوانگی اور جَـنَان لوگوں کی جماعت کے معنی میں ہے- لفظ جنان کی تشریح کرتے ہوئے مصنف علام بین السطور میں لکھتے ہیں ’بالفتح جماعة الناس ‘- ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

جَنَانُهُمْ جَمَاعَتُهُمْ وَ سَوَادُهُمْ - (لسان العرب: مادہ جنن)

لیکن فاضل بغداد نے اس کو جِنان (جیم کے زیر کے ساتھ) بمعنی قلب سمجھ لیا- لکھتے ہیں:

في داخله نزاهة الجنة التي هي درع يحميه من الجنون الذي يقع في القلب (ص:۳۹)

ترجمہ: اس نجد میں باغ کی نزہت ہے، یہی نزہت وہ ڈھال ہے جو اس دیوانگی سے بچاتی ہے جو دل میں واقع ہوتی ہے-

پھر ایک سطر بعد جب مفردات کی تشریح کرتے ہیں تو وہاں بھی لکھتے ہیں الجنان : القلب- اس سے شعر کے معنی پر تو کوئی خاص فرق نہیں پڑا، لیکن جب شاعر خود اپنے استعمال کردہ لفظ کا معنی بیان کر رہا ہے اور وہ معنی درست بھی ہے، پھر ہم تاویل القول بما لا یرضی به القائل کے مرتکب کیوں ہوں؟!-

﴿۱۰﴾ شعر ۲۹، ۳۰ر میں فرمایا کہ مَیں ایک نجد کا قیس ہوں اور میری لیلیٰ ایک رات ہے- پھر شعر ۳۳ر میں سوال کرتے ہیں کہ اے مخاطب! کیا تجھے معلوم ہے کہ مَیں جس نجد کا قیس ہوں وہ کون سا نجد ہے؟ اور کیا تو جانتا ہے کہ جو رات میری لیلیٰ ہے وہ کون سی رات ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ وہ نجد تعلیم و تعلم کا نجد ہے اور وہ رات غور و فکر کی رات ہے- یعنی تم یہ گمان مت کرنا کہ وہ نجد عشق و عاشقی اور ٹیلوں و خیموں والا نجد ہے اور رات عیش و عشرت اور فضولیات کی رات ہے- اب شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَعَـلِـمْـتَ مَـاذَا الـنَّـجْـدُ نَـجْـدُ تَـعَـلُّـمٍ   وَالـلَّـيْـلُ لَيْـلُ الْـفِـكْـرِ وَالإِمْـعَـانِ

www.Qadri.info

آپ شعر نمبر ۲۹؍ سے ۳۳؍ تک بغور پڑھیں گے تو ہمارے بیان کردہ معنی سے اتفاق کریں گے، یہ بالکل واضح اور صاف معنی ہے۔ لیکن فاضل بغدادنے اس شعر میں دو احتمال نکالے ہیں فرماتے ہیں:

یقول إن هذا النجد ليس نجد تعلم ، ولا الليل ليل الفكر والجهد والتعب،أو يكون قد أورد 'ما' استفهامية فهو يستفهم عن كون النجد نجد تعلم والليل ليل فكر وإمعان ، والمعنى الأول هو الأقرب(ص:۴۰)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ یہ نجد تعلم کا نجد نہیں ہے اور نہ ہی یہ رات فکر، محنت اور تعب کی رات ہے۔ یا شاعر 'ما' استفہامیہ لائے ہیں، تو وہ نجد کے نجد تعلم اور رات کے شب فکر و امعان ہونے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ پہلا معنی اقرب (الی الصواب) ہے۔

ہمارے ناقص خیال میں یہ دونوں ہی معنی صواب سے بعید ہیں، جن میں پہلا معنی 'ابعد' (زیادہ بعید) ہے، کیوں کہ اس میں 'ما' استفہامیہ کو خواہ مخواہ نافیہ مان لیا گیا ہے۔ آپ شعر ۲۹؍ سے پڑھتے ہوئے آیئے اور 'ما' کو نافیہ مان کر اس شعر پر غور کریں، پھر اگلا شعر پڑھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ اشعار کا پورا معنی ہی خبط ہو گیا۔ پھر یہ کہ بغدادی صاحب نے 'ما' کو استفہامیہ مان کر جو تشریح کی ہے ہمیں اس میں بھی تامل ہے۔ ہمارے ناقص خیال میں 'ماذا النجد' سوال ہے اور 'نجد تعلم' اس کا جواب، اسی طرح 'ماذا الليل' سوال ہے 'ليل الفكر والإ معان' اس کا جواب۔ یعنی کیا تم نے جانا کہ وہ نجد کون سا نجد ہے؟ جواب: تعلم کا نجد، کیا تم نے جانا کہ وہ رات کون سی رات ہے؟ جواب: غور و فکر کی رات۔ النجد اور اللیل پر جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اِس نجد اور لیل سے وہ نجد اور لیل مراد ہیں جن کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ بغدادی صاحب کی تشریح کے مطابق ترجمہ کریں تو یہ ہو گا کہ 'کیا تم نے جانا کہ تعلم کا نجد کون سا نجد ہوتا ہے؟' اور غور و فکر کی رات کون سی رات ہوتی ہے؟' یہ معنی اس لیے پیدا ہوا کہ بغدادی صاحب نے ماذاالنجد نجد تعلم کو پورا کا پورا جملہ استفہامیہ سمجھ لیا۔ واللہ اعلم۔

﴿۱۱﴾ شعر ۳۹؍ میں فرماتے ہیں کہ مجھے کھیل کود اور لہو ولعب سے کیا مطلب؟ مَیں تو زمانے کی ایک مرجع خلائق ہستی (حضرت سیف اللہ المسلول) کی مدح و ستائش کے لیے آیا ہوں۔ شعر کا دوسرا

www.Qadri.info

مصرع یہ ہے:

إِذْ جِئْتُ أَمْدَحُ رُحْلَةًلِاَوَانِيْ

اس میں امدح فعل وفاعل، رُحْلة مفعول، لام حرف جار أوان (بمعنی وقت/زمانہ) مجرور-اسی لیے حضرت مصنف نے لام حرف جار کے نیچے زیر اور أوان کے ہمزہ کے اوپر زبر لگایا ہے جو صاف لِأَوان پڑھا جاسکتا ہے-مطلب واضح ہے کہ مَیں جن کی مدح کے لیے آیا ہوں وہ 'اوان' کے لیے 'رحلۃ' ہیں، یعنی زمانے کے لیے مرجع ہیں-مگر فاضل بغداد نے لِاَوان کو لَا وَان پڑھ کر ایک الگ ہی مطلب پیدا کر دیا، انہوں نے لا کو نافیہ مان کر تشریح یوں کی:

لا وان: اي غير متوان و لا متاطئٍ (ص:۴۱)

دوسرے یہ کہ رحلۃ کی تشریح مصنف علام نے حاشیے میں ان الفاظ میں کی تھی:

الرحلة بالضم من العلماء هو العلم المقتدى الذى يرتحلإليه من كل حدب للاستفادةو الاستفاضة

'رُحلۃ' را پر پیش کے ساتھ علما میں سے ان مقتدر اور پیشوا حضرات کو کہتے ہیں کہ ان سے استفادہ کرنے اور فیض حاصل کرنے کے لیے ہر چہار جانب سے لوگ سفر کر کے آئیں-

مشہور لغوی الجوہری 'الصحاح' میں لکھتے ہیں:

الرُّحلة بالضم :الوجه الذي تريده، يقال أنتم رحلتي، أي الذي أرتحل اليهم (الصحاح فی اللغۃ: مادہ رحل)

ترجمہ: رحلۃ ضمے کے ساتھ، وہ سمت جس کا تم قصد کرو، کہا جاتا ہے کہ 'تم ہمارے رحلہ ہو' یعنی وہ جس کی جانب مَیں قصد کر کے آتا ہوں-

المنجد میں ہے:

عالم رحلة : عالم يرتحلإليه من الآفاق (المنجد: مادہ رحل)

لیکن فاضل بغداد نے رحلۃ کا یہ معنی بیان کیا ہے:

الرحلة الذي يرحل من أجل العلم و المعرفة (ص:۴۱)

www.Qadri.info

ترجمہ: رحلہ وہ شخص جو علم و معرفت کی خاطر سفر کرے۔

اولاً رحلہ کا یہ معنی کسی معروف و متداول لغت میں ہمیں نہیں ملا، ثانیاً بالفرض اگر رحلہ کا یہ معنی درست بھی ہو تو شاعر کی مراد کے خلاف ہوگا۔ رحلہ کے اِس معنی کے ساتھ 'لا' کو نافیہ مان کر دیکھیں تو مصرع کا ترجمہ یہ ہوگا:

> مَیں اس ذات کی مدح کے لیے آیا ہوں جو 'رحـــــلة' ہے 'وانِ' نہیں، یعنی جو علم و معرفت کی خاطر سفر کرتی ہے، سست و کمزور نہیں ہے۔

ہمارے خیال سے یہ شاعر کی مراد نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۱۲﴾ عربوں کا دستور تھا کہ میناروں یا بلند چٹانوں پر جھنڈے گاڑ دیا کرتے تھے اور رات کو ان میناروں پر آگ روشن کر دیا کرتے تھے، مقصد یہ تھا کہ مسافر دور سے اس مقام کو دیکھ کر وہاں آئیں، وہاں پر مسافروں کے آرام و راحت اور کھانے پینے کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ اس تمہید کے بعد اب شعر نمبر ۴۴ رکا مفہوم ملاحظہ کریں۔ اپنے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نور ہیں، نور عطا کرنے والے ہیں، بلند مناروں پر جلنے والی آگ کی طرح ہیں، جن مناروں کے نشان راہ بھی نورانی ہیں۔ اب شعر دیکھیں:

نُـــوْرًا مُـــنِيْـــرًا نَيِّـــرًا نَـــارًا عَـــلَـــى   عَـــلْيَـــا مَـــنَـــائِـــرَ نَيْـــرُهَـــا نُـوْرَانِـيْ

مصرع ثانی میں ایک لفظ 'نَيْـرُهَـا' ہے جو مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور نُـوْرَانِيْ اس کی خبر ہے، ھـا ضمیر مؤنث غائب کا مرجع منائر ہے۔ لفظ نِيْـرٌ کے متعدد معانی ہیں، جن میں علم، جھنڈا، نشان، کپڑے کے نقش و نگار، بیلوں کے کندھے پر رکھنے کا جوا وغیرہ ہیں، اِن تمام معانی میں سے مصنف نے یہاں 'نشان راہ' مراد لیا ہے۔ بین السطور میں فرماتے ہیں'' بالکسر نشان راہ'' مطلب بالکل واضح ہے، لیکن فاضل بغداد نے مشورہ دیا ہے کہ یہاں نیـرھـا کی جگہ نـورھـا کر لیا جائے، کیوں کہ نیـر کا معنی تو 'بیلوں کے کاندھوں پر رکھنے والا جوا' ہے، لکھتے ہیں:

> واستـعـمـل الشاعرلفظة 'نير' وهي بمعنى : الخشبة المعرضة في عنق الثـورين، والصحيح أن يقول ' نورها' لأنها اللفظة التي يصح أن تقال هنا۔ (ص:۴۲)

www.Qadri.info

ترجمہ: شاعر نے لفظ 'نیر' استعمال کیا ہے اور یہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو بیلوں کی گردن میں لٹکائی جاتی ہے۔ صحیح یہ تھا کہ شاعر یہاں 'نورھا' کہتے، کیوں کہ یہ وہ لفظ ہے جس کا یہاں بولا جانا درست ہے۔

اولاً فاضل بغداد نے نیـــر کے متعدد معانی کو نظر انداز کر کے صرف ایک معنی کو پیش نظر رکھا اور اسی بنیاد پر لفظ میں تبدیلی کا مشورہ دے دیا۔ ثانیاً چلیے کچھ دیر کو مان لیا کہ یہاں نیـرھا نہیں بلکہ نورھا ہونا چاہیے، تو اب مطلب یہ ہوا کہ 'ان میناروں کا نور نور والا ہے'، اس صورت میں 'حمل الشی علی نفسہ' سے بچنے کے لیے منطقی داؤ پیچ کا سہارا لینا پڑے گا مگر سوال یہ ہے کہ اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے؟!۔

﴿۱۳﴾ شعر نمبر ۴۶ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ بات درست ہے کہ لوگوں کے نام آسمان سے اترتے ہیں تو پھر ہمارے ممدوح کے نام (فضل رسول) کی قدر و قیمت اور فضیلت کا اندازہ کرلو۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

إِنْ كَـانَـتِ الْأَ سْـمـا تُنَـالُ مِنَ السَّمَا فَـاقْـدُرْ إِذَنْ فَـضْـلَ اسْـمِـهِ الْـمُـزَّانِ

اس میں 'فضل' مضاف، 'اسم' مضاف الیہ مضاف، 'ہ' ضمیر اسم کا مضاف الیہ اور المزان اسم کی صفت ہے۔ الـمُزّان کے بارے میں مصنف علام بین السطور میں لکھتے ہیں ''آراستہ''۔ لفظی ترجمہ یوں ہوگا 'اُن کے آراستہ نام کا فضل'۔ اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

أمـا المزان فأراد به النازل من السماء كالمزنة من المطر۔ وهو بناء لم يرد في المعجمات وقد استجازه الشاعر۔

ترجمہ: رہا الـــمـــزان تو اس سے آسمان سے اترنے والا مراد لیا ہے، جیسے کہ مطر سے الـمـزنۃ آتا ہے۔ یہ وزن معجموں (لغتوں) میں وارد نہیں ہوا ہے، حالاں کہ شاعر نے اس کو جائز سمجھا ہے۔

لیکن ہم نے جب عربی کی معروف و مستند معجم 'لسان العرب' کھولی تو اس میں لفظ المز ان کے بارے میں یہ تفصیلات ملیں:

وتـزيـن هـو و ازدان بـمـعـنـیً،وهو افتعل من الزينة إلا أن التـاء لـما لان مـخـرجـهـا ولـم تـوافق الزاي لشدتها أبدلوا منها دالاً، فهو مزدان، و إن

www.Qadri.info

أدغمت قلت مزان و تصغير مزدان مزين مثل مخير تصغير مختار (لسان العرب: مادہ زین)

ترجمہ: تَزَیَّنَ اور اِزْدَانَ ایک ہی معنی میں ہیں۔ ازدان الزینة سے افتعل ہے، مگر یہ کہ 'تا' کا مخرج نرم تھا وہ 'زا' کی شدت کے موافق نہیں تھی تو اس کو (یعنی تا کو) دال سے بدل دیا، تو وہ مزدان ہوا، اگر تم ادغام کردو تو مُزَّان کہو گے۔ مزدان کی تصغیر مُـزَیِّن آتی ہے جیسے مختار کی مُخَیَّر آتی ہے۔

ابن منظور کی اس تشریح کے بعد آپ مصنف کے بیان کردہ معنی 'آراستہ' کو دیکھیں تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ خدا جانے فاضل بغدادنے اس کو کس معجم میں اور کس مادے کے تحت تلاش کیا!۔

﴿۱۴﴾ شعر ۵۵/۵۶/ میں فرماتے ہیں کہ گویا میں چشم تصور میں حضرت سیف اللہ المسلول کی اُس ادائے تبسم کو دیکھ رہا ہوں جو وہ مہمانوں کے سامنے کرتے تھے، گویا میں اس وقت ایک صاف وشفاف آئینے کے سامنے ہوں جس میں مسکراتے ہوئے گلاب کے دو پھول منقش ہیں۔ شعر ملاحظہ کریں:

فَـكَـأَنَّـنِيْ بِسَجَنْجَلٍ صَافٍ بِـهٖ   وَرْدَانِ مُبْتَسِـمَـانِ مُـرْتَسِـمَـانِ

دوسرے مصرع میں ایک لفظ 'وردان' ہے، یہ الورد کا تثنیہ ہے، الورد کے کئی معنی ہیں۔ مثلاً زعفران، شیر، بہادر، گلاب کا پھول وغیرہ۔ ہمارے خیال میں یہاں گلاب کا پھول ہی مراد ہے، اس سے یا تو ممدوح کے رخسار مراد ہیں یا آنکھیں یا دونوں لب جن کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فاضل بغدادنے یہاں وردان سے دو شیر مراد لیے ہیں۔

لکھتے ہیں:

وردان تثنية ورد وهو الأسد (ص:۴۴)

اس تشریح کی بنیاد پر شعر کا ترجمہ یوں ہوگا کہ میں ایک صاف شفاف آئینے کے سامنے ہوں جس میں دو منقش شیر مسکرا رہے ہیں۔ راقم اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے۔

﴿۱۵﴾ شعر ۵۷/ میں حضرت سیف اللہ المسلول کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شَـرَقَـتْ شَـوَارِقُ لُـطْـفِـهٖ فَتَبَلَّـجَـتْ   زُهَـرُ الـرَّشَـادِ تَبَـلُّـجَ الْـعِـقْيَـانِ

www.Qadri.info

ترجمہ: ان کے لطف وکرم کی بجلیاں کوندھیں تو رشد وہدایت کے شگوفے ایسے چمکے جیسے خالص سونا چمکتا ہے۔

دوسرے مصرع میں 'تَبَلُّجَ الْعِقْيَان' مفعول مطلق ہے، جو 'تَبَلَّجَتْ' فعل کی نوع بتا رہا ہے، یعنی آپ کے لطف وکرم کے شگوفے خالص سونے کے چمکنے کی طرح چمکے۔ العقیان کے بارے میں حضرت مصنف بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں کہ ''زرخالص''۔ یعنی شاعر نے یہاں العقیان خالص سونے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ابن منظور نے بھی العقیان کے دو معنی لکھے ہیں جن میں ایک الذهب الخالص بھی ہے۔ (لسان العرب: مادہ عقا) تائید میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پیش کرتے ہیں:

لو أراد الله أن يفتح عليهم معادن العقيان

ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو ان کے اوپر خالص سونے کے معادن کھول دیتا۔

اس تفصیل کے بعد اب فاضل بغدادی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

العقيان جمع عقيق والعقيق هو ضرب من الحجر الغالي يكون على شكل فصوص يقتنيه الناس لكرمه وغلائه ، والعقيق : واد بظاهر المدينة المنورة ـ الصحاح: عق (ص:۴۴)

ترجمہ: العقیان عقیق کی جمع ہے، اور عقیق قیمتی پتھر کی ایک قسم ہے، جو موتی کی شکل کا ہوتا ہے، اس کی بزرگی اور مہنگے ہونے کی وجہ سے لوگ اسے حاصل کر کے رکھتے ہیں اور عقیق مدینہ منورہ کے باہر ایک وادی کا نام ہے۔ (بحوالہ الصحاح: مادہ عقق)

ہمارے ناقص مطالعے کی حد تک عقیق کی جمع عقیان نہیں آتی، الصحاح جس کا حوالہ بغدادی صاحب نے دیا ہے اس میں العقیق کی جمع العقیان نہیں بلکہ أَعِقَّةٌ دی ہوئی ہے، لسان العرب میں أَعِقَّةٌ اور عَقَائِق دو جمعیں دی ہیں۔ اگر بالفرض عقیق کی جمع العقیان آتی بھی ہو تو یہاں العقیان سے شاعر نے عقیق مراد نہیں لیا ہے بلکہ خالص سونا مراد لیا ہے۔

﴿۱۲﴾ شعر ۶۹ر میں ممدوح کے مخالف کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص فروع میں ہمارے ممدوح پر غالب آنے کی کوشش کر رہا ہے جس میں گمراہی اور عجز دونوں جمع ہیں، پھر شعر ۷۰ر میں فرماتے

www.Qadri.info

ہیں:

اَلْـغَـيُّ يَـغْـلُـوْ فَهْـوَ فِيْ حِـجْـرِ الـصِّبَـا وَالْـعِـيُّ يَـعْـلُـوْ فَهْـوَفِي ادْلِهْـنَـانِ

ترجمہ: اُس میں گمراہی بچپن ہی سے جوش مار رہی ہے اور بڑھاپے میں عجز و مجبوری غالب آرہی ہے۔

شعر کا قافیہ ’ ادلهنان‘ ہے، مصنف اس کا معنی واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’پیر کہن سال شدن‘‘۔ یعنی بہت بوڑھا ہونا۔ اس کے معنی تک فاضل بغداد کی رسائی نہیں ہوسکی، فرماتے ہیں:

وقـولـه في ادلهنان لم أهتد لمعناها ولعلها ادلهمام مصدر لفعل ادلهم أي أظلم فأبدل الميم نوناً (ص:۴۷)

ترجمہ: شاعر کا قول ’في ادلهنان ‘ اس کے معنی تک میری رسائی نہ ہوسکی، یہ غالباً ادلهمام ہے، جو ادلهم فعل کا مصدر ہے، یعنی تاریک کردیا، پھر میم کو نون سے بدل دیا۔

ہم نے جب عربی معاجم میں اس لفظ کا معنی تلاش کیا تو وہی معنی ملا جو مصنف نے بین السطور میں لکھا ہے۔

علامہ مجدالدین فیروزآبادی ’القاموس المحیط‘ میں لکھتے ہیں:

ادلهن ادلهناناً: كبر و شاخ لغة في ادلهم

ہمارے ناقص خیال میں ’پیر کہن سال شدن‘ کا عربی ترجمہ ’كبـــر و شـــاخ‘ ہی ہوگا، لہٰذا حضرت مصنف نے ادلهنان کا جو معنی بیان کیا ہے بالکل درست ہے۔

﴿۱۷﴾ شعر ۸۸ر میں ممدوح کے مخالفین کی ہجو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ گمراہ لوگ رات دن اپنے بڑے کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور بہت زیادہ قسمیں کھا کھا کر اس کی مدح سرائی میں مبالغہ کرتے ہیں۔ شعر یہ ہے:

ظَـلُّـوْا وَبَـــاتُـوْا يَـذْكُـرُوْنَ كَبِيْـرَهُـمْ مُـطْــرِيْـنَ لَـعَّـــابِيْــنَ بِـــالأيْـمَـانِ

مصرع ثانی میں لعـابيـن بـالأيمـان ہے۔ یہ أيمـان یمین کی جمع بروزن افعال ہے۔ مطلب ہوا ’قسموں سے کھیلنے والے‘ یعنی بات بات پر قسم کھانے والے یا بہت زیادہ قسمیں کھانے والے۔ مصنف علام نے اَیمان کے ہمزے پر زبر بھی لگایا ہے اور بین السطور میں اس کا معنی ’’سوگندہا‘‘ بھی لکھا ہے، جس

www.Qadri.info

سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ یہ یمین کی جمع أیـــمـــان ہی ہے-مگر فاضل بغداد نے اس کو اِیمان (أٰمَــنَ کا مصدر) سمجھ لیا-ایمان کے ہمزے پر زیر بھی لگایا ہے اور تشریح میں لکھتے ہیں:

فلا صدق في إيمانهم و لا إخلاص في تدينهم (ص:۴۹)

یہ تشریح شاعر کی منشا کے خلاف ہے-

﴿۱۸﴾ شعر ۹۴ر میں خود کو مخاطب فرماتے ہیں کہ تم رسول ﷺ اور ان کے فضل پر بھروسہ رکھو اور اس مزار کی جانب متوجہ ہو جاؤ جو غالب حجت والا ہے- دوسرا مصرع یہ ہے:

وَائتِ الْمَزَارَ الْبَاهِرَ السُّلْطَانِ

اس مزار سے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کا مزار مراد ہے کیوں کہ آگے کے شعروں میں کہتے ہیں کہ تم (مزار پر حاضر ہو کر) یہ ندا لگاؤ یا معین الحق ! یا عین سر الحق ! یا سر عین الحق ! وغیرہ، (باقی تفصیل شرح میں ملاحظہ فرمائیں) لیکن فاضل بغداد نے اس مزار سے مدینہ منورہ میں حضور پُر نور ﷺ کا مزار مقدس مراد لیا ہے، (دیکھیے :ص:۵۱) جس سے شعر کا معنی بالکل ہی تبدیل ہو گیا-

﴿۱۹﴾ شعر ۱۰۰ر میں فرماتے ہیں کہ اے سیف اللہ المسلول! ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور آپ سے فضل کے امیدوار ہیں کیوں کے رسول کے فضل نے آپ کو بلندیٔ قرب عطا فرمائی ہے- شعر ملاحظہ فرمائیں:

جِـئْـنَـاكَ نَـرْجُـوْ مِـنْكَ فَضْلًا أَنْ حَبَـا   فَـضْــلُ الـرَّسُـوْلِ لَكَ الْـعُـلُـوَّ الـدَّانِـيْ

اس میں حبا فعل ہے، فـضـل الرسول مضاف مضاف الیہ فاعل، لك جار مجرور متعلق حبا، العلو الداني موصوف صفت حبا کا مفعول، اسی لیے مصنف نے فاعل ہونے کی وجہ سے فضل کے لام پر پیش اور مفعول ہونے وجہ سے العـلـو کی واو پر زبر لگایا ہے-لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ ' عطا کیا رسول کے فضل نے آپ کو علوِ دانی '- بین السطور میں حبا کا معنی وَهَبَ اور الدَّانِي کا ' نزدیک ' لکھا ہے-

اس تشریح کے بعد اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، انہوں نے حبـا کو فعل، الـعـلـو الداني کو اللہ کے اسما میں سے مان کر حبا کا فاعل اور فـضـل الرسول کو حبا کا مفعول مانا ہے-اپنی اس ترکیب کی بنیاد پر مصنف علام پر یہ اعتراض بھی کر دیا کہ انہوں نے فضل کو مرفوع بنایا ہے، جب کہ اصح یہ ہے کہ اس کو منصوب کریں- فاضل بغداد کی ترکیب کی بنیاد پر ترجمہ یہ ہوگا:

www.Qadri.info

علودانی (اللہ) نے آپ کو رسول کا فضل عطا فرمایا ہے-

فرماتے ہیں:

فـالـلـه تـعـالَـى حباك أي أكرمك فضل الرسول وأعطاك المكانة العلية ، والـعلي الداني من أسماء الله تعالىٰ وصفاته الحسنى فهو عالٍ وهو قريب وبيـن الـمفردتين طباقإيـجـاب ، وجـعل الشاعر 'فضل الرسول' مرفوعة اللام ،و الأصح نصبها لأنها مفعول به(ص:۵۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضل رسول سے سرفراز کیا اور بلند مقام دیا، العلی الدانی اللہ کے اسما اور صفات حسنیٰ میں سے ہے، تو وہ بلند اور قریب ہے- دونوں مفرد کے درمیان طباق ایجاب ہے- شاعر نے 'فضل رسول' کو مرفوع اللام لکھا ہے، حالاں کہ اصح اس کا نصب ہے، کیوں کہ وہ مفعول ہے-

ہمارے ناقص خیال میں یہ تاویل القول بما لا یرضی به القائل کی ایک مثال ہے- العلوالدانی سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات نہیں ہیں، بلکہ یہ حبا کا مفعول ہے جو ممدوح کو عطا کیا گیا ہے، اس کا ایک قوی قرینہ اس کے بعد والے شعر (نمبر ۱۰۱) میں بھی موجود ہے- فرماتے ہیں کہ فضل رسول نے آپ کو بلندی اور قربت عطا کی تو اب بلندی عظمت والی ہوگئی اور قرب بزرگی والا ہوگیا، شعر ملاحظہ فرمائیں:

عَـظُـمَ الْـعُـلُـوُّ فَـأَنْـتَ فِـرْدَوْسُ الْمُنَى   كَـرُمَ الـدُّنُـوُّ فَـأَنْـتَ قِـطْفٌ دَانٍ

مطلب بالکل واضح ہے-

﴿۲۰﴾ شعر ۱۰۵ر میں حضرت سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ مَیں آپ سے آپ کے والد گرامی کی بارگاہ میں شفاعت کی امید کرتا ہوں، یعنی آپ اپنے والد کی بارگاہ میں میری سفارش فرمادیں- شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَرْجُـو الشَّـفَـاعَةَ مِـنْكَ عِـنْـدَ أَبِيْكَ   إِذْ   بَـابُ الْـعِـنَـايَةِ لا يُسَـدُّ لِـعَـانٍ

ترجمہ: مَیں آپ کے والد بزرگوار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں، کیوں کہ عنایت وبخشش کا دروازہ کسی رنج وتکلیف کے اسیر کے واسطے بند نہیں کیا جاتا ہے۔

یہاں ابیك (آپ کے والد) سے مراد حضرت سیف اللہ المسلول کے والد محترم حضرت شاہ عین

www.Qadri.info

الحق عبدالمجید ہیں، آگے کے کم از کم بیس پچیس اشعار اس بات پر قوی قرینہ ہیں، آپ زیرنظر کتاب میں متعلقہ مقام کھول کر اِس شعر کے بعد کے تقریباً ۲۰/اشعار پڑھتے چلے جائیں بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ یہاں ابیك سے کون مراد ہے۔لیکن فاضل بغداد نے یہاں ابیك سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مراد لے لی، جس سے نہ صرف یہ شعر بلکہ آگے کے متعدد شعر بے معنی اور بے ربط ہوکر رہ گئے- لکھتے ہیں:

أنا راجٍ شفاعتك عند أبيكبإ ذن اللـه ويعني به سيدنا عثمان رضى الله تعالیٰ عنه لأن الممدوح هو من السادة الشرفاء(ص:۵۲)

ترجمہ:مَیں اللہ کے حکم سے آپ سے آپ کے والد کی بارگاہ میں شفاعت کا امیدوار ہوں–اس سے ان کی مراد سیدنا عثمان غنی ہیں کیوں کہ ممدوح سادات اشراف میں سے ہیں–

﴿۲۱﴾شعر۱۱۵، ۱۱۶/میں شاہ عین الحق عبدالمجید بدایونی قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ اے ابن حمزہ (حضرت آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ) کے غلام! آپ کا کوئی مد مقابل نہیں ہے، سوائے آل محمد کے پھول کے، کیوں کہ وہ آپ کے مخدوم زادے اور میرے شیخ ہیں، شعر۱۱۵/اور۱۱۶/یہ ہیں:

قَدْ كُنْتَ يَا تَيْمَ ابْنِ حَمْزَةَ سَيِّدًا فَـرْداً فَـرِيْـدًا فَـاقِـداً لِـمُـدَانِ
أَيْ مَـا خَلَا رَيْـحَـانُ الِ مُـحَـمَّـدٍ ذَاكَ ابْـنَ شَيْـخِكَ سَيِّـدِيْ وَ أَمَـانِـيْ

ترجمہ:اے ابن حمزہ (یعنی شمس مارہرہ اچھے میاں) کے غلام! آپ سردار، یکتائے روزگار، معاصر و مماثل کو پیچھے چھوڑنے والے ہو گئے، سوائے آلِ محمد کے خوشبودار پھول (یعنی حضور خاتم الاکابر) کے، کیوں کہ وہ آپ کے شیخ کے فرزند، میرے سردار اور میری جائے پناہ ہیں–

پہلے شعر میں یا تیم سے حضرت شاہ عین الحق بدایونی اور ابن حمزہ سے حضرت اچھے میاں قدس سرہما کی ذات گرامی مراد ہے، دوسرے شعر میں ریحان آل محمد سے حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی کی ذات مراد ہے–

لیکن فاضل بغداد نے ان دونوں شعروں کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے ان کا معنی بالکل ہی مختلف

www.Qadri.info

ہوگیا- پہلے شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں:

کنت یاتیم ابن حمزة سیداً لأنك تنتسبإ لی جدك الرسول فأنت فرد فرید لا یدانیك أحد من الناس في المکان ـ(ص:۵۴)

ترجمہ: اے ابن حمزہ کے غلام! آپ سردار ہیں کیوں کہ آپ اپنے جد رسول کریم ﷺ کی جانب منسوب ہیں، تو آپ یکتا ہیں لوگوں میں سے کوئی مقام میں آپ کے قریب نہیں پہنچے گا-

خدا جانے یہاں فاضل بغداد نے 'ابن حمزہ کے غلام' سے کس کی ذات مراد لی ہے، اس لیے کہ ممدوح کی ذات مراد ہو نہیں سکتی کیوں کہ شعر نمبر ۱۰۶ر اور ۱۱۱ر میں وضاحت ہے کہ ممدوح حضرت عثمان غنی کی اولاد میں ہیں، پھر رسول کریم ﷺ ان کے جد کیسے ہوگئے؟ خیر اب اگلے شعر کی تشریح ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

ثـم استدرك علی نفسه ، أن الحسین الشهیدوهو ریحانة رسول الله من آل مـحـمـد ، لا یمکنك أن تدانیه في المکانة لأنه ابنالإ مام علي (ص: ۵۴)

ترجمہ: پھر (شاعر) اپنے اوپر استدراک کرتے ہیں، بے شک امام حسین شہید کربلا وہ ریحانۂ رسول اللہ ہیں، آل محمد سے ہیں، تمہارے لیے ممکن نہیں کہ تم مقام و مرتبے میں ان کے قریب جا سکو، اس لیے کہ وہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں-

یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ بغدادی صاحب اگر یہ اشارات نہیں سمجھ سکے تو ان کے لیے عذر معقول ہے، کیوں کہ ان کے سامنے وہ تاریخ اور وہ شخصیات نہیں تھیں جن کا ذکر ان دونوں شعروں میں ہے -ہمیں آپ کی بات سے اتفاق ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ حیرت بھی کہ آخر فاضل بغداد کی نگاہ مصنف علام کے اس حاشیے پر کیوں نہیں گئی جو 'آل محمد' پر نمبر ڈال کر رقم فرمایا گیا ہے، اگر اس حاشیے کو بغور دیکھا جائے تو معاملہ کافی حد تک صاف ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:

إن شـئـت أردت الـمـعنیالإضافی فصلی الله تعالیٰ علیه و سلم و إن شئت جعلته علماً فهو أبو جد سیدنا الشیخ رضی الله تعالیٰ عنهم

www.Qadri.info

ترجمہ:اگرتم چاہوتواس کا(آل محمد کا)معنی اضافی مرادلوتو حضوراکرم ﷺ کی ذات مراد ہوگی اوراگرتم چاہوتواس کو(آل محمد کو)علم بنالوتو وہ ہمارے شیخ کے دادا کے والد ہیں-

﴿۲۲﴾شعر۱۲۴ر میں حضرت سیف اللہ المسلول اوران کے والد حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہما کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَسَبَقْتُمَا فِي الْفَضْلِ مَنْ سَابَقْتُمَا　　وَبَقِيْتُمَا لا تُقْدَرَانِ لِمَانِ

ترجمہ:آپ فضل وکرم میں ہراُس شخص سے سبقت لے گئے جس سے بھی آپ نے مقابلہ کیا اورآپ اس حال میں باقی رہے کہ کسی اندازہ لگانے والے کے لیے آپ دونوں حضرات(کی عظمت)کااندازہ لگاناممکن نہیں-

ترجمے سے مطلب واضح ہورہاہے۔لا تقدران کے بارے میں بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں کہ''اندازہ کردہ نمی شوید''،اورمانِ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ''مانی اندازہ کنندہ''-مانِ کے معنی کی مزید وضاحت لغت کے مشہورامام ابن فارس قزوینی کی زبانی سنیے،فرماتے ہیں:

المیم والنون والحرف المعتل الصحیح یدل علی تقدیر شي ء ونفاذ القضا بہ منه قولهم منی له الماني أي قدر المقدر (مقاییس اللغة لابن فارس:مادہ منی)

اس سے واضح ہوگیاکہ مانِ کامعنی اندازہ کرنے والاہے جیساکہ مصنف علام نے بین السطور میں لکھاہے،لیکن فاضل بغدادنے لاتقدران اور مانِ دونوں ہی کے معنی مصنف کی مراد کے خلاف بیان کیے ہیں،لکھتے ہیں:

مان : اسم فاعل من منی بمعنی قصد وطلب ومنه تمنی والمعنی: بقیتما غیر مغلوبین ، فلا یقدر علیکما من كان قصده أن یغلبکما (ص:۵۵)

ترجمہ:مانی منی سے اسم فاعل ہے،قصد کرنے اورطلب کرنے کے معنی میں،اسی سے تمنی آتاہے-(شعرکا)معنی یہ ہے کہ آپ دونوں غیر مغلوب رہے،توجس کا قصدو ارادہ ہے کہ آپ پرغالب آئے وہ آپ پر(غالب آنے کی)قدرت نہیں رکھتا-

www.Qadri.info

یعنی بغدادی صاحب نے لا تـقدران کوقادر ہونے کے معنی میں اور مان کو طالب کے معنی میں قرار دیا ہے، جب کہ آپ دیکھ چکے کہ مصنف لاتـقدران کو 'اندازہ کردہ نمی شوید' کے معنی میں اور مان کو 'اندازہ کنندہ' کے معنی میں لائے ہیں۔

﴿۲۳﴾ شعر نمبر ۱۲۸ر میں حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہما کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

مَـنْ شِـئْـتُ أَسْـئَـلُ مِـنْـكُـمَـا مَـا أَنْتُمَـا إِلَّا لِشَيْـخِـكُـمَـا الْـكَـرِيْـمِ يَـدَانِ

آپ دونوں میں سے جن سے مَیں چاہوں مانگ لوں، آپ دونوں تو اپنے داتا شیخ کے دو دست (عطا) ہیں۔

مصرع ثانی میں شیخ سے حضرت آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کی ذات گرامی مراد تھی، لیکن فاضل بغدادی نے شیخ سے حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی ذات مراد لے لی، لکھتے ہیں:

يـعـنـي به الشيخ عبدالقادر الكيلاني ، و سيذكره با لإشارة إليـه بـ البغداني (ص:۵۶)

اس سے شاعر کی مراد شیخ عبد القادر جیلانی ہیں، عن قریب وہ ان کی جانب لفظ البغدانی سے اشارہ کریں گے۔

حالاں کہ آگے جو السیـد البـغدانی آ رہا ہے وہ کسی اور مقصد سے ہے، جس کی وضاحت ہم آگے کریں گے۔ پیچھے شعر ۱۱۶ر میں بھی شَیْـخك آیا ہے وہاں بھی اس سے حضرت اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کی ذات مراد تھی اور یہاں بھی انہیں کی ذات مراد ہے۔ اس سے پہلے کسی شعر میں حضرت محبوب سبحانی کا کوئی تذکرہ نہیں آیا ہے جو یہاں ان کی ذات مراد لینے کے لیے قرینہ ہو اور نہ ہی اِس شعر میں اس طرف کوئی اشارہ ہے۔

﴿۲۴﴾ شعر ۱۳۱ر میں فرماتے ہیں کہ دعا مکمل ہوئی اب انعام و اکرام پا کر واپس لوٹو اور شہنشاہ بغداد کے ہم نام کا قصد کرو۔ فرماتے ہیں:

تَـمَّ الـدُّعَـا فَـارْجِـعْ غَـنِيًّـا غَـانِـمًـا وَاقْـصِـدْ سَـمِـيَّ السَّيِّـدِ الْبَـغْـدَانِـيْ

ترجمہ: دعا مکمل ہوگئی۔ اب انعام و اکرام پا کر واپس لوٹ اور تاجدار بغداد کے ہم نام کا قصد کر۔

www.Qadri.info

’تاج دار بغداد کے ہم نام‘ سے حضرت تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی کی ذات مراد تھی، مگر فاضل بغداد نے حضرت محبوب سبحانی کی ذات مراد لے لی- پھر آگے کے تقریباً ۱۵/اشعار حضرت تاج الفحول کی مدح میں ہیں، فاضل بغداد نے ان سب کو حضرت محبوب سبحانی کی شان میں سمجھ لیا-

یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ فاضل بغداد کو معلوم نہیں تھا کہ ممدوح کے ایک فرزند ’عبدالقادر‘ نام کے ہیں اس لیے ان سے تسامح ہوا، مگر یہ سوال بہرحال اپنے جواب کا مطالبہ کرے گا کہ آخر فاضل بغداد نے لفظ ’سمي‘ کا کیا مطلب سمجھا؟ سمي ایک عام مشہور و معروف لفظ ہے جس کا ترجمہ ’ہم نام‘ ہے، کوئی ایسا شخص جو حضرت تاج الفحول سے واقف نہ بھی ہو تو بھی اس کو اس شعر سے کم از کم اتنا ضرور سمجھنا چاہیے کہ اب کسی ایسی شخصیت کی مدح کا آغاز کیا جارہا ہے جو السید البغداني (حضرت غوث پاک) کا سَمِي (ہم نام) ہے-

﴿۲۵﴾ شعر ۱۳۳/ میں حضرت تاج الفحول کے علم و فضل کو ایک بحر بیکراں سے تشبیہ دے رہے ہیں جس کے پانی میں بیک وقت دو مختلف قسم کے اوصاف ہیں......ع

ماء له و صفان مختلفان

پانی کے ان دو اوصاف کا بیان شعر ۱۳۴/ میں ہے، فرماتے ہیں:

فَهَلَا هَــلٌ مُــرْوٍ لِأَرْبَـابِ الْـوِلا   أَوْ هَــلْهَــلٌ مُـرْدٍ أُوْلِـي الْأَضْـغَـانِ

ترجمہ: وہ اہل عشق و محبت کے لیے صاف و شفاف سیراب کرنے والا پانی ہے اور کینہ پرور لوگوں کے لیے زہر قاتل ہے-

یہ بالکل صاف شعر ہے جس میں کوئی اغلاق نہیں ہے، اس کے باوجود حضرت مصنف علام نے بین السطور میں مفرادت کے معنی بھی لکھ دیے، جس سے شعر کا معنی بالکل آئینہ ہوگیا- فرماتے ہیں:

هَلَاهَلٌ: آب صافی/ مُرْوٍ: سیراب کنندہ/ هَلْهَلٌ: زہر قاتل/ مُرْدٍ: مہلک/ الْأَضْغَان: کینہ ہا-

پہلے مصرع میں لفظ هَلَاهَـلٌ ہے جس کی تفسیر مصنف نے ’آب صافی‘ کے ذریعے کی ہے- عربی کی عام متداول لغات میں اس کا معنی ’الماء الكثير الصافي‘ ہی دیا ہوا ہے اور یہی معنی یہاں مطلوب ہے- ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض معاجم میں اس کو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ هُلَاهِلٌ بھی لکھا ہے-

دوسرے مصرع میں ایک لفظ هَـلْهَلٌ ہے، جس کی تفسیر مصنف نے ’زہر قاتل‘ کے ذریعے کی ہے اور یہی معنی یہاں مطلوب ہے-

www.Qadri.info

الجوہری لکھتے ہیں:

الهلهل :سم وهو معرب (الصحاح في اللغة: مادہ هلل)

علامہ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

الهـلهـل : بـالـضم الثلج، وبالفتح سم والثوب السخيف النسج (القاموس المحيط: مادہ هلل)

ابن منظور نے قدرے تفصیل بیان کی ہے، لکھتے ہیں:

الهلهل : السم القاتل وهو معرّب ،قال الأزهري ليس كل سم قاتل يسمى هـلهلاً ولـكن الهلهل سم من السموم بعينهٖ قاتل ، قال وليس بعربي وأراه هندياً (لسان العرب: مادہ هلل)

اسی صفحے پر ابن منظور نے هلهل کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے:

ثوب هلهل: رديء النسج (مرجع سابق)

بات واضح ہے کہ هلهل کے دو معنی ہیں، ایک زہر قاتل دوسرا کمزور بنائی والا کپڑا، زیر بحث شعر میں پہلا معنی مراد ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

هلا أداة تحضيض ، وهل بالتنوين حرف استفهام (ص:۵۷)

آگے لکھتے ہیں:

الهلهل : الواهي من النسج وغيره (ص:۵۷)

هـلاهـل اور هـلهـل کی اس تشریح کی بنیاد پر میں شعر کا ترجمہ کرنے یا اس کا معنی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ پھر اگر کسی طرح کھینچ تان کر کے کوئی معنی پیدا کر ہی لیا جائے تو اولاً تو وہ شاعر کی مراد کے خلاف ہوگا، دوسرے یہ کہ پہلے مصرع میں وزن کے لالے پڑ جائیں گے کیوں کہ حرف تخضیض هلَا نہیں بلکہ هلّا بالتشدید ہے، تیسرے یہ کہ حرف استفہام هَل تو مبنی بر سکون ہے یہ تنوین سے کیسے ہوگیا؟ چوتھے یہ کہ هلهل موصوف مُزْد صفت ہے لہٰذا معنی یہ ہوا کہ ’ہلاک کرنے والا کمزور بنا ہوا کپڑا‘۔ غرض یہ کہ یہ پوری تحقیق ہی ’مبنی بر کسر‘ ہے، جس نے شعر کو بالکل بے معنی کر دیا ہے۔

www.Qadri.info

﴿۲٦﴾شعر ۱۳٦ر میں حضرت تاج الفحول کے بحرِ علم کی موجوں کا بیان ہے کہ آپ کا سمندرِ علم ایسا تلاطم خیز ہے کہ پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو نہیں بچا سکتا بلکہ وہ اس کو بہالے جائے گا- شعر ملاحظہ فرمائیں:

هَـاجَتْ وَمَـاجَتْ وَالسَّمَاءُ تُفِيْضُ وَالْـ ۔۔۔ إِجْبَـالُ لَيْـسَ يَـذُبُّ عَـنْ كِـنْـعَـانِ

ترجمہ: موجوں نے جوش مارا، آسمان نے بارش کی، اب پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو نہیں بچا سکتا-

دوسرے مصرع کا پہلا لفظ الإجْبال ہے، جو باب افعال کا مصدر ہے بمعنیٰ 'پہاڑ پر چڑھنا'، مصنف نے اس کے ہمزے کے نیچے زیر لگایا ہے جو واضح طور پر پڑھنے میں آرہا ہے، مزید یہ کہ بین السطور میں اس کی تفسیر 'بہ کوہ رفتن' کے ذریعے کی ہے-

ابن منظور لکھتے ہیں:

أجبل القوم : صاروا إلى الجبل (لسان العرب: مادہ جبل)

مطلب واضح ہے کہ اب پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا، مگر فاضل بغداد نے اس کو اِجبال (باب افعال کا مصدر) کی بجائے جبل کی جمع أجبـال بروزن أفعال سمجھ لیا- فرماتے ہیں:

الأجبال : جمع جبل (ص:۵۷)

اس سے شعر کے معنیٰ پر کوئی بہت زیادہ فرق نہیں پڑا لیکن دو خرابیاں لازم آئیں، ایک تو خود شاعر کی منشا کے خلاف ہو گیا، دوسرے یہ کہ اگر یہ جبل کی جمع أجبال ہے تو یہ واحد مؤنث کے حکم میں ہوگی، پھر اس کے بعد لیست اور تذب ہونا چاہیے نہ کہ لیس اور یذب-

﴿۲۷﴾حضرت فاضل بریلوی نے حضرت تاج الفحول کے علم کو سمندر سے، آپ کی تصانیف اور کلام کو اس سمندر کی موجوں سے تشبیہ دی ہے- آپ کی تصانیف نے اہل باطل کا جو رد بلیغ کیا ہے اس کو ایک حسین انداز میں نظم فرماتے ہیں، دیکھیے شعر ۱۳۷:

فَـعَـلَـتْ بِهِـمْ مَـا فِيْـهِ عِبْـرَةُ مِثْـلِهِـمْ ۔۔۔ فَـعَـلَـتْ عَـلَـى نَـجْـدٍ سُيُـوْلُ رَثَـانِ

ترجمہ: اِن موجوں (یعنی تصانیف) نے اُن (بددین وگمراہ) لوگوں کا وہ حشر کیا جو اِن جیسوں کے لیے نمونہ عبرت ہے- مسلسل بارش کے سیلاب نجد (بلند زمین) سے بھی بلند ہو گئے-

پہلے مصرع میں فَعَلَتْ بمعنیٰ کِیا ہے، بین السطور میں مصنف نے 'کرد' سے اس کی تفسیر کی ہے- اس کی هي ضمیر سابق میں مذکور أمواجها کی جانب راجع ہے- یعنی موجوں نے وہ حشر کیا الخ-

www.Qadri.info

دوسرے مصرع میں فَـعَـلَـتْ کی فا برائے تعقیب ہے، عَـلَـتْ فعل بمعنی بلند ہوا ہے، جس کی تفسیر مصنف نے 'بلند شد' کے ذریعے کی ہے- نَجْدٌ سے مراد بلند زمین، سُیُوْل سیل کی جمع بمعنی سیلاب، رَثَّان بمعنی لگا تار بارش، مصنف نے 'باران پیاپے' سے اس کی تفسیر کی ہے- ترکیب نحوی یوں ہوگی کہ عَـلَـتْ فعل، عـلی نجد جار مجرور ظرف لغو، سیول مضاف رثان مضاف الیہ سے مل کر علت کا فاعل- لفظ رثان کی جو تفسیر مصنف نے بین السطور میں 'باران پیاپے' کے ذریعے کی ہے وہ بالکل درست ہے-

ابن منظور لکھتے ہیں:

الـرثـان قـطـار الـمـطـر يـفـصـل بينها سكون ـ وقال ابن هاني : الرثان من الأمـطار القطار المتتابعة يفصل بينهن ساعات ، أقل ما بينهن ساعة وأكثر ما بينهن يوم وليلة (لسان العرب: ماده رثن)

القاموس المحیط میں ہے:

الرثان كسحاب : القطار المتتابعة من المطر بينهن سكون (القاموس المحيط : الرثان)

اب فاضل بغداد کی تشریح ملاحظہ فرمائیں، انہوں نے پہلا والا فَعَلَتْ جس کا فاعل (ضمير هي کے توسط سے) أمواج ہیں اس کا فاعل الأيام کو قرار دے دیا، فرماتے ہیں:

أن الأيام قد فعلت ما فعلت من نكبات تكون عبرة لمثلهم (ص:۵۷)

ترجمہ: ایام (زمانے) نے جو کچھ کیا وہ کیا مصیبتوں میں سے جوان جیسوں کے لیے عبرت بن گیا-

دوسرا یہ کہ رثان یا ثان کو نجد کا ایک مقام سمجھ لیا، لکھتے ہیں:

كما سيول/ثان وهو موضع في نجد

معلوم نہیں کہ کتابت کی غلطی سے رثان کی را نے شرطہ کی شکل اختیار کر لی، یا جناب رثان کو ثان سمجھ کر نجد کا موضع قرار دے رہے ہیں- جو کچھ بھی ہو مطلب یہ ہوا کہ رثـان یاثـان نجد میں کسی مقام کا نام ہے، وہاں ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں کہ لوگوں کے لیے نمونہ عبرت بن گیا- لا حول ولا قوة إلا بالله-

﴿۲۸﴾ شعر ۱۳۹ر میں حضرت تاج الفحول کے لیے دعا کی جا رہی ہے کہ اللہ آپ کو ایمان و یقین،

www.Qadri.info

ثابت قدمی اور خیر کثیر کے ساتھ سلامت رکھے، شعر ملاحظہ فرمائیں:

فَـالـلّٰــهُ رَبُّكَ سَيِّــدِيْ أَبْـقَـاكَ بِـالْـــ　　　إِيْــقَـــانِ وَالْـــإِتْـقَـــانِ والْـــإِبْـقَـــانِ

ترجمہ: سیدی! آپ کا پروردگار آپ کو یقین کامل، ثبات اور خیر کثیر کے ساتھ سلامت رکھے۔

اس میں قافیہ 'الإبـقـان' ہے، جس کے بارے میں مصنف بین السطور میں لکھتے ہیں 'خیر کثیر'، شعر کا مطلب بالکل واضح ہے۔

اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

لـم أهتد لمعنیاالإبـقـان ووضع المحشي على حاشية القصيدة كلمة خير ولست منها على ثقة (ص:۵۸)

ترجمہ: ابقان کے معنی تک میری رسائی نہیں ہوسکی، قصیدے کے حاشیے پر محشی نے لفظ 'خیر' لکھا ہے، لیکن مجھے اس پر وثوق نہیں ہے۔

یعنی ابقان کا معنی 'خیر' ہے مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ محشی نے حاشیے میں صرف 'خیر' نہیں بلکہ 'خیر کثیر' لکھا تھا، دوسرے یہ کہ ابقان أبـقـن کا مصدر ہے، جس کا مطلب ہے سرسبز وشاداب ہونا ، ابن منظور ثعلب کی روایت سے ابن الاعرابی کا قول لکھتے ہیں:

رَوَى ثـعلب عن ابن الأعرابى : أَبْقَنَ إذا أَخْـضَبَ جَنَابُه واخْضَرَّتْ نِعَالُه ـ والنِّعال الأرضون الصلبة (لسان العرب: مادہ بقن)

ترجمہ: ثعلب نے ابن الاعرابی سے روایت کی کہ ابقن یعنی اس کی زمین (یا صحن) سرسبز ہوا، اس کی نعال ہری بھری ہوئی اور نعال کا مطلب سخت پتھریلی زمین ہے۔

ابـقـن کا یہی معنی ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف علام نے اس کی تفسیر 'خیر کثیر' کے ذریعے کی ہے جو بالکل درست ہے۔

﴿۲۹﴾ شعر ۱۴۱ر میں حضرت تاج الفحول کے سلسلہ روایت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ اپنے بزرگوں سے حدیث روایت کررہے ہیں وہ اپنے بزرگوں سے، وہ مالک سے وہ نافع سے جو کہ ثقہ اور معتمد علیہ ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

غَــضًّـــا طَــرِيًّـــا كَـــابِـراً عَـنْ كَـابِـرٍ　　　عَـــنْ مَـــالِكٍ عَــنْ نَـــافِــعٍ أُمَّـــانِ

www.Qadri.info

ترجمہ: (آپ حدیث علم وعرفان روایت کررہے ہیں اس حال میں کہ وہ) تروتازہ ہے (اپنے) بڑوں سے، وہ اپنے بڑوں سے، وہ مالک سے، وہ نافع سے جو امین وثقہ ہیں۔

دوسرے مصرع میں مالک سے امام مالک بن انس اور نافع سے حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کی طرف اشارہ ہے، لیکن بطور توریہ مالک سے حضرت شمس مارہرہ اچھے میاں اور نافع سے حضرت سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہما مراد ہیں، اس کی وضاحت حضرت مصنف نے حاشیے میں فرمائی ہے جو خیر سے عربی زبان ہی میں ہے۔ فاضل بغداد نے اولاً تو اس حاشیے پر کوئی توجہ نہیں دی، دوسرے یہ کہ نافع سے مشہور قاری نافع بن عبدالرحمٰن مراد لے لیے۔ جس سے شعر کا مفہوم ہی خبط ہوکر رہ گیا، کیوں کہ 'مالک عن نافع' میں سلسلہ روایت کے مضبوط، معتمد علیہ اور سلسلۃ الذہب ہونے کی طرف جو لطیف اشارہ تھا وہ نافع بن عبدالرحمٰن مشہور قاری مراد لینے سے فوت ہوگیا۔

مصنف علام نے قافیہ 'اُمّان' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ''الأمين الثقة المعتمد عليه'' یہ معنی بالکل صحیح ہے۔

ابن منظور لکھتے ہیں:

رجل أَمِيْنٌ وأُمَّانٌ : أي له دين ، وقيل مامون به ثقة (لسان العرب: مادہ امن)

ابن فارس لکھتے ہیں:

العرب تقول :رجل أُمَّان إذا كان أميناً (مقاييس اللغة: مادہ امن)

فیروزآبادی لکھتے ہیں:

أُمَّان كَرُمَّان :مامون به ثقة (القاموس المحیط: مادہ امن)

اب ذرا فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، رقم طراز ہیں:

مـالك : هو مالك بن أنس الفقيه ، ونافع : هو المقرىء المشهور، وأمان : تثنية أم (ص:۵۸)

ترجمہ: مالک سے مراد فقیہ مالک بن انس ہیں، نافع یہ مشہور قاری ہیں، اور اُمّان یہ اُمّ کا تثنیہ ہے۔

اُمّـان کو اُمّ (بمعنی والدہ یا اصل) کا تثنیہ مان کر یہ بے بضاعت راقم الحروف شعر کا ترجمہ کرنے

www.Qadri.info

سے قاصر ہے-بالفرض اگر کوئی صاحب اس تقدیر پر شعر کا ترجمہ کرنے کا کارنامہ انجام دے بھی دیں تو بہر حال وہ شاعر کی مراد سے بعید ہوگا-

﴿۳۰﴾شعر ۱۵۴ر کا پہلا مصرع ہے:

هـذاكَ ظَـنُّهُـمُ الَّـذِيْ أَرْداهُـمُ

یعنی یہ ان کا گمان ہے جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔اس میں هـذاك اسم اشارہ مبتدا ہے، ظَـنُّهُـم اپنے مابعد سے مل کر خبر ہے-هـذاكَ اصل میں 'ذاك' اسم اشارہ ہے جومشار الیہ متوسط کے لیے آتا ہے، اس پر کبھی ہائے تنبیہ بھی لگا دیتے ہیں-

المنجد میں ہے:

ذاك اسم إشارة للمتوسط ، ومع ها التنبيه تقول هذاك (المنجد: مادہ ذا)

لیکن فاضل بغداد نے اس کو هذا اسم اشارہ سمجھا، کاف جارہ حرف تشبیہ اور ظنهم کو کاف کا مدخول مجرور قرار دے کر مصرع یوں لکھا:

هـذا كَـظَـنِّهِـمُ الَّـذِيْ أَرْداهُـمُ

﴿۳۱﴾حضرت تاج الفحول کے مخالفین جو اہل بدعت وضلالت ہیں ان کی ہجو چل رہی ہے، اسی سلسلے میں حضرت فاضل بریلوی شعر ۱۵۶ر میں فرماتے ہیں:

مَـا مُـذنِـبٌ يَـحْـلُـو لَـدَيْـهِ مَـذَاقُهُـمْ　　　إِلَّا أُذِيْـقَ مِـنَ الْـحَـمِيْـمِ الْآنِـي

ترجمہ: کسی گنہگار کے نزدیک بھی ان کا مشرب شیریں نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے بھی بالکل ایسا ہے کہ جیسے سخت گرم گرم پانی اسے پلایا جا رہا ہو-

مطلب یہ ہے کہ وہ مخالفین ومعاندین ایسے گمراہ اور بددین ہیں کہ ان کا مشرب ومذاق کسی گنہگار و بدکار کو بھی پسند خاطر نہ ہوگا، چہ جائے کہ نیک اور پاک باز لوگوں کو، بلکہ گنہگار کو بھی ایسا لگتا ہے کہ سخت گرم گرم کھولتا ہوا پانی بمشکل پی رہا ہو-

اس میں مذنب اور مذاق میں جو توریہ ہے اس سے قطع نظر اب فاضل بغداد کی تشریح ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

المذنب لا يحلو له مذاق ولا طعم مهما حلا ولذ، ولا يليق به إلا الحميم

www.Qadri.info

الآنـي السـاخـن الـذي أعـده الله للمذنبين الكافرين الذين لم يؤمنوا بالله تعالیٰ ورسله عليهم السلام (ص:۶۰)

ترجمہ: گنہگار کا ذوق اور مزہ میٹھا نہیں ہوتا خواہ (کھانا) کتنا ہی میٹھا اور لذیذ کیوں نہ ہو، گنہگار کے لائق تو صرف سخت گرم کھولتا ہوا پانی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں اور کافروں کے لیے تیار کر کے رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام پر ایمان نہیں لاتے۔

ہماری ناقص رائے میں شعر کی مذکورہ تشریح شاعر کی مراد کے بالکل خلاف ہے۔

﴿۳۲﴾ شعر ۱۵۷ اور ۱۵۸ قطعہ بند ہیں یعنی دونوں کو ملا کر مفہوم مکمل ہو رہا ہے، فرماتے ہیں:

لَا يَـقْتَـفِيْهِـمْ سَـنْبَـلِـيٌّ أَوْشِـنَـا ... نِـيٌّ فَيَـنْـجُ بِسَـنْبَـلٍ وَ شِـنَـانِ

إِذْ أَنَّ حُـكْـمَ الـلّٰـهِ لَيْـسَ بِقَـاصِرٍ ... وَالشَّـرْعُ جَـاءَ لِسَـائِرِ الْعِـمْـرَانِ

ترجمہ: ان کی پیروی کوئی سنبلی (رومی) اور شنانی (شامی) نہیں کرے گا کہ مقام سنبل اور شنان میں ہی نجات پائے، کیوں کہ اللہ کا حکم قاصر و محدود نہیں ہے، شریعت اسلامیہ ہر آبادی کے لیے آئی ہے۔

مصنف حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ سنبل روم میں ایک جگہ ہے اور شنان ملک شام میں ایک مقام ہے، سنبلی اور شنانی انہیں کی جانب منسوب ہیں۔ خیر سے یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے۔ اس میں جو توریہ ہے اس کی تفصیل شعر مذکور کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان دونوں شعروں کا مجموعی مطلب یہ ہوا کہ ان پاک باز حضرات کی پیروی صرف سنبلی اور شنانی ہی نہیں کرتے کہ صرف سنبل اور شنان کے لوگ ہی نجات پائیں، بلکہ اللہ کا حکم تو عام ہے اور شریعت اسلامیہ کسی خاص خطے وعلاقے کے لیے نہیں بلکہ عام طور پر پورے عالم کے لیے آئی ہے۔

اب فاضل بغداد کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

لا يتبعهم سنبلي – منسوب إلى السنبل – أو الشناني المنسوب إلى الشنان، وهو الوعاء الذي يكون للشراب ، أي : لا ينفع الذي يدخر لشربه وطعامه ، ما يقتات به في حياته ،ما دام مذنباً كافراً فالسنبل والشنان لا ينجيان من العذاب

www.Qadri.info

الذي أعده الله تعالىٰ للمذنب (ص:٦١)

ترجمہ: ان کی اتباع کوئی سنبلی (سنبل کی طرف منسوب ہے) یا شنانی نہیں کرے گا-
شنانی یہ الشنان کی طرف منسوب ہے، یہ وہ پیالہ ہے جو پینے کے لیے ہوتا ہے-یعنی
(شعر کا مطلب یہ ہے کہ) اس کو وہ چیز فائدہ نہ پہنچائے گی جو اس نے اپنے کھانے
پینے کے لیے محفوظ کر کے رکھی ہے، جس کے ذریعے سے وہ اپنی زندگی میں خوراک
حاصل کیا کرتا تھا، جب تک کہ وہ گنہگار اور کافر ہے، پس سنبل اور شنان اس کو نجات
نہیں دلوا سکتے اس عذاب سے جو اللہ نے گنہگار کے لیے تیار کیا ہے-

ممکن ہے کہ شعر کے الفاظ مذکورہ تشریح کے محتمل یا متحمل ہوں لیکن بہر حال شاعر کی یہ مراد نہیں ہے-

﴿۳۳﴾ شعر ۱۶۴ر کا پہلا مصرع ہے:

أعــي البــصــائـر درك سـرك والـنهـى

فاضل بغداد لکھتے ہیں:

رسمت أعي في الأصل : أعى والصواب ما أثبتنا (ص:۶۲)

ترجمہ: لفظ اعي اصل میں اعی لکھا ہے، حالاں کہ جو ہم نے لکھا ہے وہ درست ہے-

ہمارے سامنے بھی وہی نسخہ ہے جو فاضل بغداد کے سامنے تھا (یعنی المجمع الاسلامی مبارک پور کا شائع شدہ) اس میں اعي کی 'یا' کے نقطے صاف نظر آ رہے ہیں-

﴿۳۴﴾ شعر ۱۸۱ر میں حضرت محبوب سبحانی کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ اگر میرے گناہوں نے آگ کو بھڑکا دیا ہے تو کیا ہوا؟ آپ ان کی دشمنی کی آگ کو پانی کے چھینٹوں سے بجھا دیں گے- دوسرا مصرع یہ ہے:

تُــطْـفِـيْ حَـرِيْـقَ شَـنَـانِهَـا بِشُـنَـان

اس میں تـطفي فعل، حريق شنانها، تطفي کا مفعول اور بشنان جار مجرور تطفي کا متعلق- پہلا والا زبر کے ساتھ شَنَان ہے، دشمنی کے معنی میں، دوسرا والا پیش کے ساتھ شُنَان ہے، بمعنی پانی کا چھینٹا- تُــطْـفِـي صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، جس سے حضرت محبوب سبحانی کو خطاب کیا جا رہا ہے، یعنی آپ بجھا دیں گے، لیکن فاضل بغداد نے تطفي کو صیغہ واحد مؤنث غائب مانا ہے، کیوں کہ تشریح میں لکھتے ہیں:

www.Qadri.info

فإن الذي يطفي غضبها و نيرانها هو ماء(ص:٦٤)

جواس کے غضب کوٹھنڈا اور آگ کو بجھائے گا وہ پانی ہے-

﴿۳۵﴾شعر ۱۹۰/کا پہلا مصرع ہے:

قَلْبٌ شَجٍ مُشْجًی شَجِیْجٌ شَاجِنٌ

اس کے بین السطور میں مصنف نے خود ہی اپنے استعمال کردہ الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں، لکھتے ہیں:شَجٌ:غمناک/ مشجی :درغصہ انداختہ شدہ/ شجیج:زخمی/ شاجن :محزون

اس میں تیسرا لفظ شجیج (ش ج ی ج) ہے،جس کا معنی زخمی ہے- دونوں جیم کے نقطے صاف پڑھنے میں آرہے ہیں،مگر فاضل بغداد نے اس کو شحیح (ش ح ی ح) بمعنی بخیل سمجھ لیا- لکھتے ہیں:الشحیح : البخیل (ص:٦٦) آپ پورا شعر پڑھیں اس میں کہیں شحیح بمعنی بخیل فٹ ہوتا ہوا نظر نہیں آئے گا-

﴿۳٦﴾شعر ۲۰۹/میں فرماتے ہیں:

يَا هَيَّ لَيْسَ الْمَلْكُ يَسْأَمُ مِنْ نَدیً وَالْعَبْدُ عِنْدَ الْحَفْدِ فِي ارْثِعْنَانِ

ترجمہ:اے تعجب و حیرت! آقا بخشش و عطا کرنے سے ملول و رنجیدہ نہیں ہوتا ہے اور غلام خدمت کے وقت سستی و کاہلی کرتا ہے-

شعر کا مطلب ترجمے ہی سے واضح ہے، بین السطور میں مفردات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

يا هي : كلمة معناها واعجبا /الحفد:شتافتن بخدمت/ارثعنان:سستی۔

پہلا لفظ یا هيَّ کلمہ تعجب ہے،جیسا کہ خود حضرت مصنف نے لکھا ہے-

القاموس المحیط میں ہے:

يا هَيَّ مالي: كلمة تعجب ، لغة في المهموز (القاموس المحیط :ماده الهاء)

لیکن فاضل بغداد نے اس کو وہ 'هَيٌّ' سمجھ لیا جو بے نام و نسب لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

يا هي ضبطها في الأصل بالفتح والأصح مبنية على الضم وهي كلمة تقال لمن لا أصل له ، أو للمغمور من الناس (ص:٦٩)

ترجمہ:یا هي اس کو اصل میں فتحہ کے ساتھ لکھا ہے،حالاں کہ اصح یہ ہے کہ یہ مبنی بر ضم

www.Qadri.info

ہے اور یہ وہ کلمہ ہے جو اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی کوئی اصل نہ ہو، یا اس شخص کے لیے جو گم نام ہو-

جس هَيُّ کے بارے میں فاضل بغداد بتارہے ہیں وہ واقعی مبنی بر ضم ہے، لیکن یہاں وہ هَيُّ ہے ہی نہیں، بلکہ یہاں تو یا هَيَّ ہے جو تعجب کے لیے آتا ہے اور وہ مبنی علی الفتح ہی ہے-

شعر کا قافیہ 'ارثعنان' ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فاضل بغداد لکھتے ہیں:

المرثعن من المطر: الكثير (اللسان: ۳۴/۱۷ رثعن)

مطلب یہ ہوا کہ مرثعن اگر بارش سے ہو تو اس کا معنی 'کثیر بارش' ہوتا ہے- ساتھ ہی بغدادی صاحب نے لسان العرب کا حوالہ بھی دیا ہے- آپ اگر مصرع پر غور فرمائیں تو یہاں ارثعنان بمعنی کثیر بارش فٹ ہی نہیں ہوگا، لسان العرب کے جس صفحے کے حوالے سے فاضل بغداد نے المرثعن کا معنی کثیر بارش بیان کیا ہے لسان العرب کے اسی صفحے پر چند سطروں کے بعد یہ معنی بھی لکھا ہے کہ:

المرثعن: الرجل الضعيف المسترخي

یعنی مرثعن کا معنی ہے کمزور، سست، ڈھیلا آدمی۔ یہی معنی شعر میں مراد بھی ہے، مصنف علام نے بھی بین السطور میں ''سستی'' لکھ کر اسی کی جانب اشارہ کیا ہے- ارثعنان کو کثیر بارش کے معنی میں ماننے کی وجہ سے اس شعر کی تشریح میں فاضل بغداد کو جو تکلف کرنا پڑا وہ آپ بھی دیکھیں:

يقول: لا يسأم الله -تعالىٰ- من الكرم والجود، والعبد يتلقى الجود والكرم في تدفق متواصل كما يتدفق المطر (ص:٦٩)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کرم و بخشش کرنے سے ملول نہیں ہوتا اور بندہ بھی تیزی سے مسلسل کرم و بخشش حاصل کرتا ہے جس طرح تیزی سے بارش ہوتی ہے-

ہمارے خیال سے یہ معنی شاعر کی مراد سے بہت بعید ہے-

﴿۳۷﴾ شعر ۲۱۲ر میں فرماتے ہیں:

إِنْ فَاتَهُ ذَنْبٌ فَعَجْزًا أَوْ كَمَا ... قَصُرَتْ عَنِ الْحَلْوَا يَدُ الشَّبْعَانِ

ترجمہ: اگر اس سے کوئی گناہ فوت ہوتا ہے تو وہ صرف عجز و مجبوری کی بنا پر (ہوتا ہے) یا جیسے شکم سیر کا ہاتھ مٹھائی سے رک جاتا ہے-

www.Qadri.info

کہنا یہ چاہتے ہیں وہ غلام اتنا بدکار وخطا کار ہے کہ اُس سے کوئی گناہ نہیں چھوٹتا اگر اتفاقاً وہ کبھی کسی گناہ سے باز رہتا ہے تو خوف خدا کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے باز رہتا ہے کہ اُس کو اس کا موقع نہیں ملا یا گناہ کرنے میں کوئی مجبوری حائل ہوگئی- یہ بالکل اس شکم سیر آدمی کی طرح ہے جو مٹھائی سامنے آنے کے بعد صرف اس لیے اس سے ہاتھ روکتا ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور اس وقت مٹھائی کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اس کو مٹھائی کھانے سے کوئی پرہیز نہیں ہے اگر اس کا پیٹ خالی ہوتا تو وہ ضرور مٹھائی کھالیتا-

یہ بالکل سامنے کی بات ہے، اس میں ذرہ برابر غموض واغلاق نہیں ہے، مگر فاضل بغداد نے مصرع ثانی میں 'الشبعان' (شکم سیر) کو السبعان (درندہ) سمجھ لیا اور شعر کا مفہوم پستی فرش سے فراز عرش پر جا پہنچا- فرماتے ہیں:

أي إن لم يفعل ذنباً ولم يرتكبه فهو لم يرتكبه عجزاً وضعفاً وإلا فهو مجبول على المعصية ، وقصوره عن المعصية أشبه بمن يريد أن ينال الحلواء وهي بعيدة عن متناول يده مع أنه معدود في السباع الشجاع (ص:٦٩)

ترجمہ: یعنی اگر وہ گناہ نہیں کرتا تو وہ عجز اور کمزوری کی وجہ سے گناہ نہیں کرتا ورنہ وہ تو گناہوں کا عادی ہے، گناہ سے اس کا رک جانا اُس شخص کے مشابہ ہے جو حلوا لینا چاہتا ہے اور حلوا اس کی دسترس سے دور ہے، حالاں کہ وہ (شخص) درندوں اور بہادروں میں شمار ہوتا ہے-

﴿۳۸﴾ شعر ۲۳۰ ر میں حضرت فاضل بریلوی اپنے والد گرامی اور جد محترم کے لیے دعا کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! ان کی قبر میں ان کو حور، غلمان اور رضوان کے ذریعے سے اُنس عطا فرمانا- دوسرا مصرع یہ ہے......ع

بالحور والغلمان والرضوان

الرضوان کے بارے میں بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں کہ 'خازن الجنة' یعنی یہاں رضوان سے شاعر نے 'داروغہ جنت' مراد لیا ہے، لیکن فاضل بغداد نے اس سے صرف نظر کر کے الرضوان کا معنی 'الرضا والقبول' بتایا ہے (ص:۷۲) گو کہ اس سے شعر کے معنی پر کوئی خاص فرق

www.Qadri.info

نہیں پڑا مگر شاعر کے بیان کردہ معنی کے خلاف ضرور ہو گیا- دوسرے یہ کہ شاعر نے قصیدے میں تکرار قافیہ سے احتراز کا التزام کیا ہے، وہ التزام فوت ہوا جاتا ہے، کیوں کہ شعر ۱۲۹ر میں الـرضوان بمعنی رضا پیچھے بھی آ چکا ہے-

﴿۳۹﴾ دوسرے قصیدے کے شعر ۴۴ر میں حضرت سیف اللہ المسلول کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

تَسْــطُـوْ عَـلَـى أَهْـلِ الْـجَـفَـا　　　سَــطْـوَ الْـمُـؤَمَّـرِ مِـنْ عَـدِيْ

ترجمہ: آپ بے وفا غدار لوگوں پر حملہ کرتے ہیں قبیلہ عدی کے سردار و امیر (حضرت عمر فاروق) کے حملہ کرنے کی مانند-

مصرع ثانی میں الـمؤمر من عدی سے حضرت عمر فاروق کی ذات مراد ہے، آپ قبیلہ قریش کی شاخ 'بنی عدی' کے تھے، لفظ عـدي سے اسی جانب اشارہ ہے، خود مصنف علام نے بین السطور میں اپنی مراد ظاہر کر دی ہے:

لکھتے ہیں: أراد الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه

لیکن فاضل بغداد فرماتے ہیں: العدي: العادي الظالم -(ص:۸۰)

عَدِيْ کی اس تفسیر سے شعر کا مفہوم شاعر کی مراد کے بالکل خلاف ہو گیا-

﴿۴۰﴾ شعر ۵۲ر میں حضرت سیف اللہ المسلول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ اچھے معزز مہمان کی طرح جنت میں جمع ہوں، اس حال میں کہ آپ ان کے پسند خاطر ہوں- شعر دیکھیں:

فَـحُشِــرْتَ مَــرْضِيًّــا إِلَــى　　　عَــدْنٍ کَـــأَحْسَــنِ وَافِــدٖ

اس سے پہلے والے شعر میں 'بك یهتـــدي ' ہے، اس کے بعد والے شعر میں 'نبیك ' ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حاضر کا صیغہ حشـرتَ ہے نہ کہ متکلم کا صیغہ حشـرتُ ، پھر حضرت مصنف نے حشــرتَ کی تائے خطاب پر زبر بھی لگایا ہے، لیکن نہ معلوم کیوں فاضل بغداد نے اس کو صیغہ واحد متکلم حشرتُ سمجھ لیا- فرماتے ہیں:

حشـرت : أي جـمعـت یوم القیامة مع الخلق وأنا مرضيإ لـى جنة عدن (ص:۸۱)

ترجمہ: یعنی مَیں جمع ہوں گا مخلوق کے ساتھ اس حال میں کہ مَیں راضی کیا گیا ہوں گا

www.Qadri.info

جنت نعیم کی جانب-

راقم یہاں پر'أنا مرضي' کا موقع محل سمجھنے سے قاصر ہے-

﴿۴۱﴾ قصیدۂ دالیہ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ یہ اُس ذات گرامی کا عرس ہے کہ جس کے فیض کی بارش سے ہماری کھیتیاں سرسبز ہیں-اے نفس! تو اس عرس کی مدح کا حق ادا نہیں کرسکتا کیوں کہ تو کوتاہ دست ہے-(مفہوم شعر ۶۲، ۶۳) اس کے بعد شعر ۶۴، ۶۵ میں فرماتے ہیں:

لٰـكِــنْ أَبِيْــنِــيْ عَـــامَــهُ   وَزَمَـــانَ رِحْـــلَةِ سَيِّـــدِيْ

فِــيْ مِـصْـــرَ عَيْــنٍ كَـدُرَّتَـي   نِ بِــنَــظْــمِ سِـلْكٍ مُـفْـــرَدِ

ترجمہ: لیکن بیان کر عرس کا سال اور میرے سردار (سیف اللہ المسلول) کے سفر آخرت کے زمانے کو ان دو مصرعوں میں جو نظم کی ایک لڑی میں دو موتیوں کے مثل ہوں-

مطلب یہ ہے کہ اگر چہ تم اس عرس کی تعریف و توصیف کما حقہ نہیں کر سکتے، لیکن دو مصرعوں میں تم عرس کا سال اور ممدوح کا سنہ وصال بیان کردو- پھر اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

فَــضْـــلُ الــرَّسُــوْلِ مَــؤَبَّــدٌ   يَـــا فَــضْــلَ عُـــرْسِ أَمَـــاجِــدِ

اس کے پہلے مصرع سے ممدوح کا سنہ وصال (۱۲۸۹ھ) اور دوسرے سے عرس کا سال (۱۳۰۰ھ) برآمد ہوتا ہے- یہ ایک مسلسل مضمون ہے جو شعر ۶۲/ سے شروع ہو کر ۶۶/ پر ختم ہو رہا ہے-

لیکن فاضل بغداد نے مصرع اول میں واقع فِيْ مِصْرَ عَيْنٍ کو فِيْ قَصْرِ عَيْنٍ کر دیا، پھر كَدُرَّتَيْنِ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الدرتان : هما الا بن وأبوه المذكوران في القصيدة(۸۳)

ترجمہ: الدرتان (دو موتی) یہ دونوں وہ فرزند اور ان کے والد ہیں جو قصیدے میں مذکور ہوئے-

شعر میں مِصْرَ عَيْنٍ کی جگہ قَصْرَ عَيْنٍ اور درتین سے والد اور فرزند مراد لے کر ہم شعر کا معنی سمجھنے سے قاصر ہیں- بالفرض اگر یہاں کوئی معنی خواہ مخواہ ٹھونس بھی دیا جائے تب بھی اس کو خارج کر دیا جائے گا، کیوں کہ شعر ۶۲/ سے شعر ۶۶/ تک جو مسلسل مفہوم ہے وہ غارت ہوا جاتا ہے-

سر دست یہ اکتالیس مقامات ہیں جو غور و فکر اور نظر ثانی کے متقاضی ہیں، ان کے علاوہ چند ایک

www.Qadri.info

مقامات اور ہیں جہاں فاضل بغداد نے شعر کی زبان یا عروض پر اپنے تأمل کا اظہار کیا ہے،لیکن وہاں بھی صورت حال وہی ہے جو آپ نے ان اکتالیس مقامات میں ملاحظہ فرمائی، اس لیے ہم ان سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

اس بحث کے آخر میں بمصداق......ع

عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

یہ لکھنا ضروری ہے کہ کسی فنی شہ پارے کی تحقیق و تعلیق کا جو رائج علمی طریقہ ہے فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی زیر نظر شرح و تحقیق (چند تسامحات کے استثنا کے ساتھ) اس پر پوری اترتی ہے، انہوں نے بڑی باریکی اور فنی مہارت سے قصیدوں کا مطالعہ کیا، زبان کا تجزیہ کیا، عروض و قوافی پر غور کیا، شعریت اور حسن ترسیل کو پرکھا پھر جو خوبیاں یا خامیاں ان کو محسوس ہوئیں انہوں نے بے کم و کاست خالص علمی پیرایے میں ان کو زینت قرطاس کر دیا۔

ان کی اس شرح و تحقیق سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عرب بالخصوص عراق کے علمی حلقوں میں قصیدوں کے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول اور ناظم حضرت فاضل بریلوی کے علمی مقام و مرتبے کا تعارف ہوا۔ ڈاکٹر رشید عبیدی چوں کہ اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں، علمی حلقوں میں ان کا قد بلند اور بات باوزن تسلیم کی جاتی ہے اس لیے ان کے ذریعے ان قصائد کے تعارف اور تحقیق و تعلیق سے عراق کے ارباب شعر و سخن ان قصائد کی جانب سنجیدگی سے متوجہ ہوئے، جس سے بحیثیت قادرالکلام عربی شاعر 'رضا شناسی' کا ایک اہم پہلو اجاگر ہوا، اس کارنامے پر رضویات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ڈاکٹر رشید عبیدی کا ممنون ہونا چاہیے۔

﴿ماہ نامہ جام نور: اکتوبر/نومبر ۲۰۱۳ء﴾

□□□

www.Qadri.info

حــواشـــی

[۱] ڈاکٹر عبیدی کی ولادت ۱۹۴۰ء میں اعظمیہ (عراق) میں ہوئی، جامعہ بغداد سے ۱۹۶۱ء میں بی.اے، جامعۃ القاہرہ (مصر) سے ۱۹۶۶ء میں ایم فل اور وہیں سے ۱۹۷۲ء میں پی.ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ بغداد، کلیۃ الآداب مکہ مکرمہ، کلیۃ الآداب مراکش سمیت کئی اہم درسگاہوں میں لغت وادب کے استاذ رہے۔ آخر میں جامعہ صدام (موجودہ جامعہ اسلامیہ) بغداد میں شعبہ عربی وعلوم قرآن کے استاذ اور صدر رہے۔ ڈاکٹریٹ کے ۸۰/اور ایم فل کے ۱۰۰/سے زیادہ مقالے ان کے زیر نگرانی لکھے گئے۔ ۲۰/کتابوں کی تصنیف وتالیف اور تحقیق وترتیب کا کارنامہ انجام دیا۔ فنون ادبیہ کی مختلف شاخوں پر کم وبیش ۵۰۰/تحقیقی مقالے اور مضامین قلم بند کیے۔ ۳/شعری دیوان اپنی یادگار چھوڑے۔ محرم ۱۴۲۸ھ/فروری ۲۰۰۷ء میں وفات ہوئی۔

ماخوذ از: السیرة العلمیة للأستاذ الدکتور رشید عبدالرحمن العبیدی (مشمولہ شرح قصیدتان رائعتان از عبیدی)

الأستاذ الدکتور رشید عبدالرحمن العبیدی حیاته و جهوده: ڈاکٹر شاکر محمود السعدی، بغداد، ۲۰۱۱ء۔

الدکتور رشید عبدالرحمن العبیدی و جهوده اللغویة: ڈاکٹر آمنہ محمد حیدر، بغداد، ۲۰۱۱ء۔

[۲] ملخصاً از الکافي في علمی العروض و القوافي: خطیب تبریزی، مکتبۃ الخانجي قاہرہ، ۱۹۹۴ء

[۳] الارشاد الشافي: دمنہوری، ص ۱۰۳، مطبوعہ حلبی قاہرہ، ۱۳۴۴ھ

[۴] میزان الذهب في صناعة شعر العرب: احمد الہاشمی، ص ۱۴۲، بیروت ۲۰۰۶ء

[۵] الکافي في علمي العروض و القوافي: خطیب تبریزی، ص: ۱۶۴/مکتبۃ الخانجي قاہرہ، ۱۹۹۴ء

[۶] المرشد الوافي في العروض والقوافي: ڈاکٹر محمد بن حسن بن عثمان، ۱۹۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۴ء

[۷] الخصائص: ابن جنی، ص ۱۵۴، الحکم في جواز ضروریات الشعر

□□□

www.Qadri.info

سفرِ حج کی آسانی اور وسائل کی فراوانی کہیں حج کی برکتیں ختم تو نہیں کر رہی ہے؟

آج سے ۱۰۰/۱۵۰ سال پہلے سفرِ حج و زیارت میں جو دشواریاں اور مشکلات تھیں آج آرام و آسائش کے ان جدید وسائل کی موجودگی میں ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے - رجب اور شعبان سے تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں اور رمضان المبارک آتے ہی قافلے حج کے لیے روانہ ہونے لگتے تھے- پانی کے جہاز کا صبر آزما اور پُر خطر سفر، ہر لمحہ سمندری طوفان اور بحری قزاقوں کا خوف، عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں اونٹوں کے قافلے، حرمین شریفین میں قیام و طعام کی مشکلات، طواف کرتے وقت سر پر آگ برساتا ہوا سورج اور نیچے تپتا ہوا ناہموار فرش، صفا مروہ میں سعی کے دوران کنکروں اور نکیلے پتھروں سے ایڑیوں اور تلووں میں آبلے پڑنا، منیٰ اور عرفات میں پانی کی قلت، خشک اور غبار آلود تیز ہواؤں کی وجہ سے ریت اور مٹی میں اٹے ہوئے بدن- آج کے زمانے کا وہ آدمی ان تمام چیزوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو بوئنگ 707 کی آرام دہ نشست پر بیٹھ کر چند گھنٹوں میں ہوا کے دوش پر ممبئی سے جدہ پہنچ گیا، دورانِ پرواز خوش ذائقہ کھانے اور مشروبات سے لذت کام و دہن کا اہتمام کرتا رہا ہو، اونٹوں کی کھردری پشت پر سفر کرنے کی بجائے اس نے آرام دہ ایئر کنڈیشنڈ بس میں جدہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا ہو، صاف شفاف چکنے اور ٹھنڈے فرش پر طواف کرنے کی سعادت حاصل کی ہو، اے.سی. کی فرحت بخش ہواؤں کے سائے میں صفا مروہ کے درمیان سعی کی ہو، قیام کے لیے عالی شان اور بلند و بالا 4 اسٹار اور 5 اسٹار ہوٹل ہوں اور کھانے کے لیے لذیذ انٹر کانٹی نینٹل کھانے، منیٰ اور عرفات میں نقل و حمل کے لیے عمدہ بسیں اور قیام کے لیے ایر کنڈیشن خیمے-

www.Qadri.info

ایک صدی میں آنے والی یہ تبدیلیاں اگرچہ اس فطری قانون ارتقا کا ایک ناگزیر نتیجہ ہیں جس سے نہ خود کو الگ رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی الگ رہنے کو کوئی عقل مندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ یہ تبدیلیاں کیوں آئیں؟ یہاں ہم صرف ان تبدیلیوں کے نتیجے میں رونما ہونے والے اثرات پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ کسی بھی نعمت کا حصول جب دشواریوں اور مشقتوں کے بعد ہوتا ہے تو انسان اس کی زیادہ قدر کرتا ہے اور اگر کوئی بہت بڑی نعمت گھر بیٹھے اور بغیر کسی محنت کے حاصل ہو جائے تو انسان کی نظر میں اس کی قدر بھی کم ہوتی ہے، یہ ایک عام قانونِ فطرت ہے۔

آج سے ایک صدی قبل جب ایک آدمی ان زہرہ گداز اور سخت مراحل سے گزرنے کے بعد حج کی سعادت حاصل کرتا تھا تو اس نعمت کی قدر بھی کرتا تھا۔ اس زمانے میں شاید محض سیر و سیاحت، تفریحِ طبع اور تبدیلیِ آب و ہوا کے لیے سفرِ حج یا عمرے پر جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آج حالات دوسرے ہیں۔ آج صرف ۱۴ر دن میں آدمی حج کر کے واپس آ سکتا ہے، پانی کے جہاز میں دس بارہ روز کا طویل اور صبر آزما سفر تو جانے دیجیے اب تو آدمی اتنا عجلت پسند ہو گیا ہے کہ اگر جدہ ایئرپورٹ پر امیگریشن یا سامان باہر آنے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو احرام میں ہونے کا خیال کیے بغیر حج کمیٹی یا اپنے ٹور آرگنائزر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ مدینہ منورہ میں اپنے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں جب مَیں کھانے کے لیے بیٹھتا تھا تو آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے حضرات کی گفتگو کانوں سے ٹکراتی تھی، مَیں نے محسوس کیا کہ اس گفتگو کا موضوع زیادہ تر اپنا کاروبار ہوتا ہے یا پھر مدینہ منورہ میں کی جانے والی شاپنگ، بازاروں اور دکانوں کا تذکرہ، اشیا کی قیمتوں اور کوالٹی پر بحث اور اگر حج کے متعلق کوئی گفتگو ہوتی ہے تو یہ کہ مَیں نے اتنے عمرے کیے، اتنی نمازیں پڑھیں، اتنے طواف کیے وغیرہ۔

موبائل نے جہاں انسان کے لیے بہت ساری آسانیاں پیدا کیں وہیں اپنے ساتھ یہ بلا بھی لے کر آیا کہ نمازوں کے دوران اطمینان و سکون اور خشوع و خضوع جاتا رہا۔ آپ مسجد حرام میں ہوں یا مسجد نبوی میں، ادھر جماعت کھڑی ہوئی اُدھر موبائلوں کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں، اب تو آدمی کعبے کے سامنے بیٹھ کر ممبئی میں واقع اپنی دکان پر رکھا ہوا مال بیچ دیتا ہے، بلکہ طواف کے دوران بھی آدمی موبائل پر سارے زمانے کی باتیں کر لیتا ہے۔

یہ وہی مدینۂ رسول ہے جہاں کبھی ایک چبوترے پر اس کائنات میں انبیا و مرسلین کے بعد اللہ

www.Qadri.info

کے نزدیک سب سے افضل ترین جماعت کے کچھ افراد قیام پذیر تھے، کھلا آسمان ان کا شامیانہ تھا، کھردری زمین ان کا بچھونا، ذکر الٰہی اور دیدار مصطفیٰ ان کی غذا، اس چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا ہے کہ کئی کئی روز اس چبوترے پر رہنے والے افراد نے اس حال میں گزارے ہیں کہ ایک لقمہ ان کے حلق سے نہیں اترا، اس کے باوجود نہ ان کا پیمانہ صبر شکستہ ہوا اور نہ پائے ثبات میں کوئی لغزش آئی - آج یہ منظر بھی اسی شہر کا ہے کہ وہاں جتنا کھانا کھایا جاتا ہے اس سے زیادہ پھینک دیا جاتا ہے، ہم نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اگر ٹور والوں کی طرف سے کھانا آنے میں تھوڑی تاخیر ہوگئی یا کھانا زیادہ لذیذ نہ پک سکا تو حجاج کرام ٹور والوں سے شاکی ہوئے اور دست و گریباں تک بات پہنچی -

صفا مروہ کے درمیان سعی کا حکم دینے کی شاید ایک حکمت یہ بھی ہو کہ آدمی حضرت ہاجرہ کی اس تکلیف کو یاد کرے جو آپ کو پانی کی تلاش میں ہوئی تھی، جب آدمی تیز دھوپ میں تپتے ہوئے ناہموار فرش پر دوڑتا ہوگا تو اس تکلیف اور مشقت کا کچھ نہ کچھ احساس ضرور ہوتا ہوگا، حضرت ہاجرہ کی یاد آتی ہوگی اور اسی کے ساتھ ساتھ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس جذبۂ اطاعت کو بھی سوچتا ہوگا کہ محض اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو چھوڑ گئے تھے، مگر اب نہ صفا مروہ نام کی پہاڑیاں باقی ہیں، نہ ان کے درمیان کا راستہ ایسا ہے کہ اس پر چل کر حضرت ہاجرہ کی تکلیف کا احساس ہو سکے - اب آپ ایک ایسے وسیع و عریض ہال میں سعی کرتے ہیں جو بہترین گرے نائٹ پتھر سے آراستہ ہے، پاورفل اے سی اور برق رفتار پنکھے آپ کو گرمی کا احساس تک نہیں ہونے دیتے - اب تو شاید لوگ رفتہ رفتہ یہ بھی بھولتے جا رہے ہیں کہ صفا مروہ کی سعی کس کی ادا کی یاد میں کی جاتی ہے -

ہم نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں پڑھا ہے، لہٰذا وہاں پہنچ کر نگاہیں اسی تاریخ کو تلاش کرتی ہیں، اس کے آثار کو ڈھونڈتی ہیں، لیکن اب وہاں شاید کعبہ اور گنبد خضریٰ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو تاریخی کہا جا سکے - تجدید، تعمیر اور توسیع کا عمل اس مہارت سے کیا گیا ہے کہ کہیں کسی تاریخی چیز کا کوئی نشان باقی نہ رہ جائے، حرمین شریفین کے چاروں طرف فلک بوس عمارتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جن میں تھری اسٹار، فور اسٹار اور انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل ہیں، شاپنگ سینٹر اور شاپنگ مول ہیں، یہ ہوٹل تمام تر جدید سامان آرام و آسائش سے آراستہ ہیں اور مغربی طرز کے یہ

www.Qadri.info

شاپنگ سینٹر اپنے اندر کچھ ایسی ہی کشش رکھتے ہیں کہ آدمی حرم شریف کے مقابلے ان میں وقت گزار کر زیادہ سکون محسوس کرتا ہے۔

گزشتہ صدی کے مقابلے میں آج دین کی اشاعت اور لوگوں تک دینی بات پہنچانا بہت آسان ہو گیا، آج حج سے پہلے جگہ جگہ تربیتی کیمپ بھی لگائے جاتے ہیں، ہر زبان میں مسائل حج و زیارت سے متعلق کتابیں آسانی کے ساتھ دستیاب ہیں، حج کے دنوں میں مختلف ٹی.وی چینلز پر بھی حج سے متعلق پروگرام نشر کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ بھی حج کا طریقہ اور اس کے مسائل جاننے کے بے شمار وسائل ہیں جو شاید آج سے سو سال پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہوں، لیکن اس کے باوجود آج آدمی حج کے ضروری مسائل سے جتنا نابلد ہے اتنا شاید پہلے کبھی نہ ہو۔میں نے محسوس کیا کہ بے شمار لوگ ایسے ہیں کہ کسی غلطی کی وجہ سے ان پر دم واجب ہو جاتا ہے اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا، کتنوں پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور وہ اس سے بے پرواہ ہوتے ہیں اور ایسی چھوٹی غلطیاں تو قدم قدم پر نظر آتی ہیں جن سے دم یا کفارہ تو واجب نہیں ہوتا مگر بہر حال وہ غلطیاں ہیں، اس کا ایک سبب معلومات کا فقدان تو ہے ہی اور شاید دوسرا بڑا سبب خوفِ خدا میں کمی اور آخرت کے احتساب سے بے پرواہی بھی ہے۔

پہلے چوں کہ سفر بہت دشوار گزار تھا اس لیے عام طور پر زندگی میں ایک بار یا زیادہ سے زیادہ دو چار مرتبہ آدمی حج و عمرہ کی ہمت کر پاتا تھا، لیکن آج یہ اتنا آسان اور آرام دہ ہو گیا کہ اب تو سال میں دو دو، تین تین عمرے کر لینا کوئی مشکل کام نہیں رہا۔اس کا ایک منفی اثر یہ مرتب ہوا کہ اس مبارک سفر اور ان مقدس مقامات کی اہمیت اور وقعت آدمی کی نظر میں کم ہو گئی۔ اگر دو ایسے آدمیوں سے آپ کی وہاں ملاقات ہو جن میں ایک پہلی یا دوسری مرتبہ اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہو اور دوسرا یہاں ہر سال یا سال میں دو مرتبہ حاضر ہوتا ہو ان دونوں لوگوں کے معمولات، طور طریقے، ادب و تعظیم، طرزِ گفتگو میں آپ واضح فرق محسوس کریں گے (الا ماشاء اللہ)۔ پہلے کے اندر زیادہ ادب، عبادتوں کا زیادہ ذوق و شوق، زیادہ سے زیادہ طواف اور عمرے کرنے کا جذبہ، حتی الامکان نمازیں حرم شریف میں ادا کرنے کی فکر وغیرہ دیکھنے کو ملے گا، وہیں دوسرا آدمی چوں کہ یہاں بار بار آنے کا عادی ہو چکا ہے، یہاں کی حاضری گویا اس کے معمولات میں شامل ہو گئی ہے، لہٰذا اس کے اندر آپ کو وہ تڑپ، جذبہ اور لگن نظر نہیں

www.Qadri.info

آئے گی، ادب واحترام میں کمی کے ساتھ ساتھ دیارِ حبیب کے ایک ایک منظر کو ذہن ودماغ میں بسانے اور محفوظ کرنے کا شوق بھی ذرا کم ہی دیکھنے میں آئے گا-

ایک صاحب نے کسی سے کہا کہ حرم شریف نہیں چلو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''صبح تو گئے تھے''!-اس تساہل کے اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں، مگر ان میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ چلو اگر اس سفر میں زیادہ طواف نہ کر سکے تو کیا ہوا ہمیں تو ۶ / ۷ / ماہ بعد دوبارہ آنا ہی ہے، لہٰذا پھر سہی- یہ رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے جو تشویشناک ہے- بار بار حج کرنے کا ایک منفی اثر یہ بھی ہوا کہ حج کو لوگوں نے بڑا ہلکا سمجھ لیا- مثال کے طور پر منیٰ میں ہمارے خیمے میں ۳۰ / لوگ تھے، ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو کئی کئی مرتبہ حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے، بلکہ ان میں ایک فیملی تو ایسی تھی جس کا مسلسل یہ چوتھا حج تھا- ۸، ۹ / اور ۱۰ / ذی الحجہ تک تو ایسا لگا کہ واقعی ہم سفر حج پر ہیں، ہر آدمی عبادت وریاضت میں مشغول، دنیاوی باتوں اور غیر ضروری گفتگو سے مکمل پرہیز، ہر شخص کی زبان پر تسبیح وتہلیل کا نغمہ، یہ سب دیکھ کر مجھے لگا کہ آج بھی سوز وگداز دلوں میں باقی ہے، توبہ واستغفار کی تڑپ اور اپنے رب کو راضی کرنے کا جذبہ اب بھی دلوں کو گرماتا ہے- مگر یہ تاثر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا، کیوں کہ جیسے ہی ۱۱ / ذی الحجہ آئی، لوگ احرام سے باہر ہوئے، طواف زیارت کر کے مکہ شریف سے واپس آئے اور ہمارے خیمے کا ماحول بالکل بدل گیا- وہی دنیا جہان کی باتیں، ہنسی مذاق، بات بات پر قہقہے- برابر میں عورتوں کا خیمہ تھا وہاں سے آنے والی آوازوں سے بھی یہی اندازہ ہوا کہ خواتین کے خیمے کا ماحول بھی ہمارے خیمے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے- آخر کار مجھے ایک مرتبہ عورتوں سے کہلوانا پڑا کہ اپنی آوازیں بلند نہ کریں ہماری عبادت اور تلاوت وغیرہ میں خلل واقع ہو رہا ہے- مَیں نے سوچا کہ آخر صرف ایک دن میں یہ تبدیلی کیوں آ گئی؟ جواب ملا کہ ''حج ہو گیا''، گویا یہ ساری احتیاطیں اور پرہیز صرف اسی وقت تک تھے جب تک حج نہیں ہوا تھا، جو لوگ حج کے صرف ایک دن بعد اتنے تبدیل ہو سکتے ہیں وہ واپس وطن آ کر کس قسم کی زندگی گزاریں گے اس کا اندازہ آپ خود ہی کر سکتے ہیں بتانے کی ضرورت نہیں-

ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اب حج وعمرہ رفتہ رفتہ عبادت سے زیادہ ایک فیشن، تفریح اور سیر وسیاحت بنتا جا رہا ہے، بالخصوص اہل ثروت کے لیے- یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کے حاجی اور آج سے پچاس سال پہلے کے حاجی میں زمین آسمان کا فرق ہے، پہلے زمانے میں اگر کسی گاؤں دیہات میں

www.Qadri.info

کوئی شخص کر کے آجاتا تھا تو پورے علاقے میں اس کی عزت ہوا کرتی تھی، لوگ اپنے آپسی تنازعات میں اس کو حکم اور فیصل بناتے تھے، اگر کسی معاملے میں وہ گواہی دے دیا کرتا تھا تو اس کو ہر حال میں تسلیم کیا جاتا تھا، لوگوں کا ماننا تھا کہ یہ حج کر کے آیا ہے، یہ جھوٹ نہیں بول سکتا، خوف خدا، رقت، صوم وصلاۃ کی سختی سے پابندی، چھوٹوں بڑوں پر شفقت، راست گوئی اور میانہ روی اس کی شخصیت کا حصہ بن جایا کرتے تھے اور اس کی زندگی کو دیکھ کر لگتا تھا واقعی سفر حج نے اس کی شخصیت بالکل بدل کر رکھ دی ہے، اس کے دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں مگر اس کا ایک بڑا اور بنیادی سبب شاید یہ بھی تھا کہ حج کی یہ نعمت بڑی مشقتوں اور تکالیف کے بعد اس کے حصے میں آئی ہے، لہٰذا فطری طور پر آدمی اس نعمت کی قدر کیا کرتا تھا۔

لیکن اب حالات ذرا مختلف ہیں۔ اب حج جیسی عظیم نعمت بہت کم مشقت اور بڑی معمولی جد و جہد کے بعد آدمی کو میسر آجاتی ہے اور بہترین ہوٹلوں میں قیام، عمدہ سے عمدہ کھانوں کی لذت، ہوائی جہاز اور ایئر کنڈیشن بسوں میں سفر کا لطف، اس پر مستزاد، اب حج کرنے کے بعد بھی آدمی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آتی (الا ماشاءاللہ)، نہ خوفِ خدا میں اضافہ ہوتا ہے، نہ دل میں رقت پیدا ہوتی ہے، نہ دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور نہ عبادتوں کا شوق پیدا ہوتا ہے، بس ایک رسم تھی جو نبھالی گئی۔

﴿ماہ نامہ جام نور: فروری ۲۰۰۹ء﴾

□□□

www.Qadri.info

سفرنامے

www.Qadri.info

شب جائے کہ من بودم

(عرس قاسمی کے موقع پر خصوصی تحریر)

اگر مَیں یہ دعویٰ کروں تو شاید غلط نہ ہو کہ مَیں نے ہوش سنبھالنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام کے بعد جو نام سب سے زیادہ سنے، ان میں ایک نام حضور غوث اعظم کا ہے اور دوسرا حضور اچھے میاں کا - گویا جب میرا شعور بھی بے دار نہیں ہوا تھا اسی وقت لاشعوری طور پر مجھے ان دو ناموں کا شعور ہو چکا تھا - جب ہوش سنبھالا اور پوچھا کہ یہ اچھے میاں کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ ''بیٹا! یہ مارہرہ شریف کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں، آج ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے سب ان ہی کا عطا کیا ہوا ہے'' - کسی شخصیت کا اتنا مختصر تعارف کسی اور کو مطمئن کرے یا نہ کرے، مگر ایک کم سن بچے کے لیے یہ اتنا جامع اور مکمل تعارف تھا کہ وہ اس کو سن کر بالکل مطمئن ہو گیا اور ایسا مطمئن ہوا کہ گزشتہ بیس برسوں میں سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات کھنگالنے کے باوجود بھی اس تعارف پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا -

مَیں ان ہی اچھے میاں کے آستانۂ مبارک کے صدر دروازے کے سامنے کھڑا ہوں، یہ بہت بلند دروازہ ہے، اتنا بلند کہ اگر اس کو سر اٹھا کر دیکھا جائے تو بڑے بڑے کج کلاہوں کی کلاہِ افتخار زمین پر گر جائے، اگر اس کی بلندی ناپنے کی کوشش کی جائے تو ناپنے کے پیمانے چھوٹے پڑ جائیں، بھلا کون اس کی بلندی ناپ سکتا ہے - آج سے لگ بھگ دو سو سال پہلے بدایوں کے ایک ''مولوی صاحب'' نے اس کی بلندی ناپنے کی کوشش کی تھی، ملا ذوالفقار علی (تلمیذ قاضی مبارک گوپاموی) کے خاص شاگرد تھے، ارسطو کی منطق اور فارابی کا فلسفہ اتنا پڑھ لیا تھا کہ کوئی نظروں میں جچتا ہی نہیں تھا، مارہرہ آئے، اس برکاتی دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے، اپنی عقل اور علم کے پیمانوں سے اس کی بلندی ناپی اور یہ کہہ کر چلے گئے ''اونچی

www.Qadri.info

دکان ہے پھیکا پکوان ہے''- کس کو معلوم تھا کہ مقدر میں کیا لکھا جا چکا ہے، جس کو یہ ''پھیکا پکوان'' کہہ رہے ہیں آج سے دوسو سال بعد بھی ان مولوی صاحب کی اولاد اسی ''پھیکے پکوان'' پر گزر بسر کرے گی- ابھی واپس بدایوں پہنچے بھی نہیں تھے کہ راستے میں نیند آ گئی- مولوی صاحب کیا سوئے کہ ان کا مقدر جاگ اٹھا، حضور غوث اعظم تشریف لائے اور مولوی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اسی ''پھیکے پکوان'' والے دکان دار کے ہاتھ میں دے دیا- عین الحق عبدالمجید کا ہاتھ آل احمد اچھے میاں کے ہاتھ میں دے دیا گیا-

مَیں اسی بلند دروازے کے سامنے کھڑا ہوں- سامنے برکاتی آستانے کی چوکھٹ نظر آ رہی ہے، اس دروازے سے درگاہ کے دروازے تک کوئی سو قدم کا فاصلہ ہے، یہ ایک پتلی سی سڑک ہے، جس پر تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے، عرس قاسمی کی گہما گہمی ہے، صاحب البرکات کی عقیدت دیوانوں کو کشاں کشاں لیے چلی آتی ہے، ہر آدمی اپنی دھن میں مگن ہے، لوگوں کا ایک سیلاب ہے جس کی طغیانی ہر لمحہ بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، لوگوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں علما بھی ہیں، صوفیا بھی، مدرسین بھی ہیں مقررین بھی، مشائخ بھی ہیں، ارباب دانش بھی اور مریدین ومعتقدین کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے- اس قدر شور ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، مگر اس بھیڑ میں مَیں تنہا ہوں، مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا ہے، کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، بالکل سناٹا ہے، مَیں تنہا درگاہ کی طرف جا رہا ہوں، مَیں پتھر کے بنے ہوئے راستے پر نہیں چل رہا ہوں، بلکہ تاریخ کی شاہ راہ پر چل رہا ہوں، یہ سو قدم کا فاصلہ مَیں نے سو سال میں طے کیا، مَیں اب اچھے میاں کی چوکھٹ کے سامنے کھڑا ہوں- کلف لگا ہوا کرتا جو چاہتا ہے کہ مَیں اکڑ کر کھڑا رہوں، اونچی ٹوپی جو تقاضا کرتی ہے کہ میری گردن اکڑی ہوئی رہے، مَیں نے منطق فلسفہ اتنا پڑھا ہے کہ امام علم وفن نے مجھے ''تخصص فی المعقولات'' کی سند سے نوازا ہے، مَیں نے پانچ سال جامعہ ازہر کا کتب خانہ چھانا ہے، مجھے وہاں سے ''الاجازۃ العالیۃ'' کی سند دی گئی ہے، مَیں ابوالفیض معینی ہوں جس کی تنقیدی نگاہ نے کسی کو نہیں بخشا، مَیں عربی اور اردو کی ایک درجن سے زیادہ کتابوں کا مصنف ہوں، مَیں یہ ہوں، مَیں وہ ہوں، مَیں، مَیں، مَیں......مگر مَیں اپنی ساری ''مَیں'' اس بلند دروازے کے باہر پھینک کر آیا ہوں- یہاں ایک طرف اچھے میاں کی چوکھٹ ہے اور دوسری طرف ''مولوی عبدالمجید بدایونی'' کا پوتا اسیدالحق، جو اپنے خاندان کے اس تاریخی تسلسل کا امین ہے کہ جب اس چوکھٹ کے سامنے اپنی حیثیت دکھاؤ گے تو دنیا میں بے حیثیت کر دیے جاؤ گے اور جب

www.Qadri.info

تک یہاں بے حیثیت ہو کر حاضر ہوتے رہو گے، دنیا تمہاری حیثیت کا اعتراف کرتی رہے گی-مَیں بے ساختہ جھکا اور اس چوکھٹ پر اپنے ہونٹ رکھ دیے-

عشق و مستی نے کیا ضبط نفس مجھ پہ حرام　　　　کہ گرہ غنچہ کی کھلتی نہیں بے موج نسیم

آستانہ بوسی کے بعد مَیں درگاہ میں داخل ہوا، وہاں چند لوگ ہیں جو کسی بات پر تکرار کر رہے ہیں، مَیں اور اندر گنبد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میرے دادا مولانا عبدالقدیر بدایونی اچھے میاں کے قدموں کی طرف کھڑے ہوئے فاتحہ پڑھ رہے ہیں-فرط جذبات میں آنکھیں اشک بار ہیں، راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں، ممکن ہے اپنے جد اعلیٰ شاہ عین الحق عبدالمجید کا واسطہ دے کر اچھے میاں سے پیر فلک کی ستم رانیوں کا شکوہ کر رہے ہوں- اسی درمیان باہر سے کچھ شور کی آواز آئی، حضرت نے اپنے خادم خاص مولوی عبدالرحیم صاحب سے پوچھا ''مولوی صاحب! باہر کیا ہو رہا ہے؟'' وہ باہر گئے اور واپس آ کر بتایا ''حضور! اپنے ساتھ جو لوگ بدایوں سے آئے تھے وہ درگاہ شریف کے خادم سے کسی بات پر جھگڑ رہے ہیں''، مَیں نے دیکھا کہ دادا کا وہ چہرہ جو ہمیشہ مسکراتا ہوا لگتا تھا، اچانک غصے میں تمتما اٹھا، آنکھیں لال ہو گئیں، ایسے جلال میں دادا کو مَیں نے یا تو اس وقت دیکھا تھا جب ایک جلسے میں کسی رافضی نے شیخین پر تبرا کیا تھا یا پھر آج یہ کیفیت ہے- آپ باہر تشریف لائے، مَیں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا، باہر آ کر آپ نے اپنے مریدوں سے ایسی گرج دار آواز میں کہا کہ درگاہ برکاتیہ کے در و دیوار ہل گئے ''خبردار! تم جانتے ہو کہ تم کس سے تکرار کر رہے ہو؟ یہ خانوادۂ برکاتیہ کا فرد نہیں ہے، صرف درگاہ کا جاروب کش ہے، مگر اس کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ مَیں اور میرے باپ دادا جس خاک کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں یہ اس خاک کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے''-مَیں نے دیکھا کہ جلال سے آپ کا بدن کانپ رہا ہے- یہ فرما کر آپ آگے بڑھے اور دست بستہ خادم سے معافی مانگی، نذر پیش کی اور دوبارہ درگاہ میں چلے گئے-مَیں پھر آپ کے ساتھ اندر جانے کی ہمت نہ کر سکا-

مَیں باہر آیا اور درگاہ کے دروازے کے دائیں طرف مڑا، یہ سڑک بل کھاتی ہوئی جاتی ہے اور چند قدم کے فاصلے کے بعد اس بلند دروازے پر جا کر ختم ہو جاتی ہے جس کو خانقاہ سرکار کلاں یا بڑی سرکار کہا جاتا ہے-مَیں درگاہ سے چلا اور بڑی سرکار کے دروازے تک پہنچا، یہ تو میری کم ہمتی ہے جو مَیں درگاہ سے چل کر صرف بڑی سرکار کے دروازے تک پہنچ پایا، ورنہ درگاہ سے نکلنے والا راستہ صرف بڑی سرکار

www.Qadri.info

تک نہیں آ تا، بلکہ یہ راستہ تو وہاں تک جاتا ہے جس کو تصوف کی اصطلاح میں منزل عرفان الٰہی کہتے ہیں- یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے- اب مَیں عبدالمجید بدایونی جیسا ظرف کہاں سے لاؤں......ع

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

بڑی سرکار کے دروازے میں داخل ہو کر مَیں چند قدم آگے بڑھا، بائیں طرف مسجد کا دروازہ ہے، یہ مسجد ابھی چند سال پہلے اچھے میاں کے برادر اصغر آل برکات ستھرے میاں نے پختہ تعمیر کروائی ہے، اس کا تاریخی نام ''عبادت خانۂ آل احمد'' ہے- مَیں مسجد کے سامنے سے گزرا تو دیکھا کہ مسجد کے صحن میں ایک درس گاہ لگی ہوئی ہے اور ایک بزرگ صورت مولانا ایک نورانی چہرے والے بچے کو کوئی کتاب پڑھا رہے ہیں- ایک بات مَیں نے یہ نوٹ کی کہ مولانا کچھ اس طرح درس دے رہے ہیں جیسے وہ شاگرد ہیں اور یہ بچہ استاذ ہے- ایک شاگرد اپنے استاذ کو سبق سنا رہا ہے- مَیں جب ذرا قریب ہوا تو مَیں نے مولانا کو پہچان لیا- ارے! یہ تو میرے جد اعلیٰ شاہ عین الحق عبدالمجید ہیں، یہ تو وہ ہیں جو منطق وفلسفہ کی منتہی کتابیں مدرسہ قادریہ میں پڑھایا کرتے تھے اور ماتھے پر شکن تک نہیں آتی تھی، یہاں ایک بچے کو ایک ابتدائی کتاب پڑھاتے ہوئے پسینہ آ رہا ہے- مَیں نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی نظر آئے تو اس سے ان صاحبزادے کے بارے میں پوچھوں یہ کون ہیں؟ اور آخر ان میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ مولانا عبدالمجید مدرسہ قادریہ کی مسند تدریس چھوڑ کر جس کی شہرت سن کر سارے زمانے کے طلبہ اڈے چلے آتے ہیں، یہاں ایک بچے کو ابتدائی کتابیں پڑھا رہا ہے؟! ابھی مَیں اسی سوچ میں تھا کہ مولانا نے میرے طرف دیکھ کر کہا ''ارے نادان! بدایوں میں اگر بخاری، مسلم، قاضی مبارک اور افق مبین بھی پڑھاؤں تو شاید وہ چیز نہ ملے جس کا مَیں طالب ہوں، ان صاحبزادے کو اگر ضرب یضرب کی گردان بھی یاد کرا دی اور ان کے عم محترم میری اس خدمت سے خوش ہو گئے تو میری دنیا اور آخرت بن جائے گی''، مَیں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا ''تو ان کو نہیں پہچانتا؟ یہ سلالۂ خانوادۂ برکاتیہ شمع دودمان مرتضویہ حضرت آل رسول احمدی ہیں، یہ حضرت آل برکات صاحب کے صاحبزادے اور میرے پیر ومرشد اچھے میاں کے بھتیجے ہیں''- یہ کہہ کر آپ پھر درس میں مصروف ہو گئے- مَیں سمجھ گیا کہ......ع

دیوانہ بہت سوچ کے دیوانہ بنا ہے

www.Qadri.info

مَیں مسجد سے باہر آیا اور تاریخ کی اس بل کھاتی ہوئی شاہ راہ پر ایک قدم اور آگے بڑھایا- اب مَیں حضور اچھے صاحب کی نشست گاہ کے سامنے پہنچ گیا ہوں، مسند برکات پر اچھے میاں جلوہ افروز ہیں، مَیں آج پہلی بار کسی غوث وقت کی زیارت کر رہا ہوں، چہرے پر انوارِ الٰہیہ کی وہ تابانی ہے کہ آفتاب و ماہ تاب کی نظریں خیرہ ہیں، محفل میں عجب وقار ہے، در و دیوار سے نور کی ایسی کرنیں پھوٹ رہی ہیں کہ پورا ماحول ملکوتی بن کر رہ گیا ہے، محفل میں آپ کے ولی عہد سجادہ اور عزیز بھائی حضرت آل برکات ستھرے میاں، مفتی عبدالغنی، مولانا سلامت اللہ کان پوری وغیرہ نمایاں ہیں- مَیں بھی ایک کونے میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، حضرت نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا ''سچا فقیر وہ ہے جس کا ظاہر امام ابوحنیفہ جیسا ہو اور باطن منصور حلاج جیسا ہو، یہ خوبی مَیں اس دور میں مولوی عبدالمجید بدایونی کے علاوہ کسی میں نہیں پاتا''- حضرت نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ مولانا عبدالمجید حاضر ہوئے اور دوزانو ادب سے بیٹھ گئے، حضرت نے مولانا عبدالمجید سے پوچھا ''مولوی صاحب! آپ کا بیٹا فضل رسول کہاں ہے؟''، مولانا نے عاجزی سے جواب دیا ''حضور! آپ کے غلام نے فرنگی محل میں تعلیم مکمل کر لی تھی پھر بندگان عالی کے حکم سے موہان حکیم ببر علی خاں صاحب کے پاس طب پڑھنے کے لیے بھیج دیا تھا، آج کل وہیں ہے''، حضور اچھے صاحب نے فرمایا ''مولوی صاحب! اب فضل رسول کو واپس بلوا لیجیے وہ طبیب حاذق ہو گیا''- یہ فرما کر حضور اچھے صاحب اندرون حویلی تشریف لے گئے- مولانا سلامت اللہ کان پوری نے فرمایا ''مولوی صاحب! مبارک ہو آپ کے بیٹے کو طب کی وہ سند ملی ہے کہ اگر سقراط و بقراط کی درس گاہ میں بھی چلا جاتا تو شاید وہاں بھی اس کو ایسی سند نہ ملتی''-

مَیں یہ سوچتا ہوا باہر آ گیا کہ......ع

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

مَیں نے دیکھا کہ خانقاہ کے دروازے پر ایک بیل گاڑی کھڑی ہے اور اس پر سے سامان اتارا جا رہا ہے، مَیں نے بیل گاڑی والے سے پوچھا کون آیا ہے؟ اس نے بتایا ''بدایوں سے مولانا عبدالقادر صاحب آئے ہیں اور ان کے ساتھ بریلی کے مولانا احمد رضا صاحب بھی ہیں''، مَیں نے پوچھا ''یہ حضرات کہاں تشریف لے گئے؟'' اس نے بتایا ابھی مسجد میں وضو کر رہے تھے، اب وضو کر کے حضرت صاحب کی خدمت میں گئے ہیں- مَیں دوڑا دوڑا گیا کہ علم و عمل، ولایت و روحانیت اور شریعت و

www.Qadri.info

طریقت کے ایسے آفتاب و ماہ تاب پھر کہاں ملیں گے؟ جب حضرت صاحب (خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ) کی نشست میں پہنچا تو دیکھا مہمانوں کی تواضع کی جا رہی ہے- فراغت کے بعد مولانا عبدالقادر بدایونی نے عرض کیا ''حضور! یہ ہمارے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہیں، بڑی تمنا لے کر آئے ہیں، حضور اپنی غلامی میں قبول فرمالیں''، حضرت صاحب نے مولانا بریلوی پر ایک نگاہِ ولایت ڈالی اور مولانا کی تڑپ کی سچائی، جذبے کی صداقت، بیعت کی اہلیت اور اجازت کی صلاحیت کو ایک نگاہ میں پرکھ لیا، پھر ایک موج تبسم کے ساتھ فرمایا ''مولانا! آگے آیئے'' اور مولانا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کے داخل سلسلہ فرمالیا- بیعت کے بعد حاضرین میں شیرینی تقسیم کی گئی، مگر مَیں نے ایک حیرت انگیز منظر یہ دیکھا کہ بیعت کرنے کے فوراً بعد حضرت صاحب قبلہ نے مولانا کو تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمادی، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا، یہاں تو لوگ مجاہدات اور ریاضات کرتے ہیں تو کہیں جا کر یہ شرف حاصل ہوتا ہے، کسی نے پیچھے سے میرے کان میں کہا تو کیوں سوچتا ہے؟......ع

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

مَیں تاریخ کی شاہ راہ پر ایک قدم اور آگے بڑھا- عصر و مغرب کا درمیانی وقت ہے، حضرت خاتم الاکابر تشریف فرما ہیں، آپ کی خدمت میں آپ کے پوتے شاہ ابوالحسین احمد نوری حاضر ہیں جن کو سب پیار سے ''میاں صاحب'' کہتے ہیں، میاں صاحب نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا اس کی اصلاح کے لیے حاضر ہوئے تھے، حضرت صاحب نے فرمایا پڑھو، میاں صاحب نے پڑھنا شروع کیا، ابھی تھوڑا ہی پڑھا تھا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ''برخوردار مولوی عبدالقادر سلمہ نے اس رسالے کا مطالعہ کیا یا نہیں؟!'' میاں صاحب نے عرض کیا کہ ''یہ بحث مَیں نے مولانا ہی کے ایک رسالے سے مستنبط کی ہے''، حضرت صاحب نے فرمایا ''کافی ہے، ان کا علم حاضر ہے اور ہمیں بڑھاپے کی وجہ سے اس کی فرصت نہیں کہ اصلاح و تصنیف کی طرف توجہ کریں''-

مَیں تھوڑا سا اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ خانقاہ سرکارکلاں کی حویلی سجادگی میں بڑی رونق ہے، معلوم ہوا کہ آج میاں صاحب قبلہ (سرکار ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ) کا جشن مسند نشینی ہے، آج وہ حضرت خاتم الاکابر کے سجادہ پر متمکن ہونے والے ہیں- خاندانی دستور کے مطابق رسم سجادگی ادا کی گئی، اس کے بعد بزرگوں کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ زیب سجادہ کی خدمت میں نذریں گزاری جاتی ہیں، مَیں نے

www.Qadri.info

سوچا کہ دیکھوں آج سب سے پہلے کون نذر پیش کرتا ہے؟ حاضرین میں موجود جو علما، فضلا، مشائخ اور اہل خاندان تھے ان میں کچھ اشارے ہوئے اور پھر مولانا عبدالقادر بدایونی اپنی نشست سے اٹھے اور میاں صاحب کی خدمت میں نذر پیش کی، اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہوا- اسی درمیان مولانا احمد رضا صاحب نے مولانا عبدالقادر صاحب سے کچھ اشاروں میں کہا، مولانا نے سر کے جنبش سے مولانا بریلوی کو جواب دیا، پھر مولانا عبدالقادر صاحب نے میاں صاحب سے عرض کیا ''حضور! مولانا احمد رضا صاحب اس موقع کے لیے ایک تازہ منقبت لے کر آئے ہیں، اجازت ہو تو وہ پیش کریں''- اہل اللہ اپنی مدح کو پسند نہیں فرماتے، مگر چوں کہ مولانا عبدالقادر کہہ رہے ہیں جو میاں صاحب کے استاذ بھی ہیں، لہٰذا ان کی بات کو کیسے ٹالا جائے! فرمایا ''اجازت ہے''- مولانا احمد رضا صاحب نے کھڑے ہو کر عجیب کیف و مستی کے عالم میں مطلع پیش کیا:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین　　　سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین

حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، طویل منقبت پڑھنے کے بعد مولانا نے اس مقطع پر منقبت ختم کی:

ہاں طالع رضا تری اللہ رے یاوری　　　اے بندۂ جدود و کرام ابوالحسین

کچھ دیر کے بعد مَیں پھر میاں صاحب قبلہ کی نشست گاہ کے قریب سے گزرا تو کانوں میں کچھ اشعار پڑھنے کی آواز آئی، مَیں نے رک کر دیکھا تو محفل نور آراستہ ہے، مولانا احمد رضا صاحب میاں قبلہ کے روبرو دو زانوں بیٹھے ہیں، میاں صاحب کے برابر مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی جلوہ افروز ہیں، ان کا یہ اعزاز اس لیے کہ وہ میاں صاحب کے استاذ زادے ہیں، مَیں نے کسی سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے بتایا کہ مولانا بریلوی ایک تازہ مدحیہ قصیدہ کہہ کر لائے ہیں، وہ نذر کر رہے ہیں، قصیدے کا نام ''مشرقستان قدس'' ہے- مجھے افسوس ہوا کہ مَیں پہلے سے اس محفل میں حاضر کیوں نہ تھا- اب مولانا مقطع تک پہنچ گئے ہیں-

عرض کرتے ہیں:

اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے　　　پار بیڑا ہے احمد نوری

اسی مقطع کی تکرار کر رہے ہیں اور بڑے نیاز سے عرض کر رہے: ''اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے - اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے - اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے...... مولانا نے ''احمد نوری'' کی آنکھوں میں کچھ

www.Qadri.info

دیکھ لیا، چہرے کو پڑھ لیا اور ''نیاز'' نے اچانک ''ناز'' کا رنگ لے لیا، مولانا نے دوسرا مقطع نذر کیا:

اے رضؔا کیوں ملول ہوتے ہو　　　ہاں تمہارا ہے احمد نوری

اب اسی مصرع کی تکرار ہے، ہاں تمہارا ہے احمد نوری، ہاں تمہارا ہے احمد نوری، ہاں تمہارا ہے احمد نوری-

میاں صاحب کو مولانا کی یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ آپ نے اپنا عمامۂ مبارک سر سے اتارا اور مولانا کے سر پر باندھ دیا، یہ گویا سند مل گئی کہ ''ہاں تمہارا ہے احمد نوری''-مولانا نے عرض کیا ''حضور! یہ عمامہ نہیں، بلکہ میرے سر کا تاج ہے- یہ سن کر مولانا عبدالمقتدر صاحب نے فرمایا کہ ''مولانا یہ تاج الفخر ہے''، مَیں نے فوراً اس کے عدد جوڑے تو معلوم ہوا کہ اس لفظ سے اس واقعے کی سن برآمد ہوتی ہے- ''تاج الفخر'' (۱۳۱۵ھ)-

مَیں پھر میاں صاحب کی نشست گاہ میں داخل ہوا، مَیں نے دیکھا کہ آپ کچھ تحریر فرما رہے ہیں، مَیں ذرا قریب گیا تو دیکھا آپ کوئی خط لکھ رہے ہیں، مَیں نے پڑھنے کی کوشش کی تو عبارت کچھ یوں تھی:

> چشم و چراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دام عمرہم، علمہم- واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب قبلہ نے مجھ کو دیا تھا اور یہی تحریر فرمایا کرتے تھے، چوں کہ اب مَیں امراض میں مبتلا ہوں اور اس مصرع کا مصداق ہوں ؎ ''اگر ماند شب ماند شب دیگر نمی ماند''، اور مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا، لہٰذا یہ خطاب مَیں نے آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا، بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا اور مَیں نے بطیّب خاطر بلا جبر و کراہ بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا، یہی خط اس کی سند میں باضابطہ رہے-

فقط ابوالحسین (مارہرہ)

مَیں تاریخ کی شاہ راہ پر چند قدم اور بڑھانا چاہتا تھا کہ اچانک پیچھے سے برادرِ محترم جناب احمد مجتبیٰ صدیقی نے کہا ''ارے! آگے کہاں جا رہے ہیں، آپ کا قیام اسی عمارت میں ہے''، مَیں نے جب سر اٹھا کر دیکھا تو عمارت پر لکھا تھا ''امی کا گھر''- ہم قیام گاہ پر پہنچے، سامان رکھ کر مَیں سب سے پہلے صاحب سجادہ حضرت یحییٰ میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا خوشتر نورانی پہلے ہی موجود تھے،

www.Qadri.info

ہم دونوں کا قیام ایک ہی جگہ تھا-

مارہرہ شریف میں مختلف اکابر کی تواریخ وصال پر ان کے اعراس اور خصوصی فاتحہ کا اہتمام ہوتا ہے، مگر دوعرس زیادہ اہتمام اور بڑے پیانے پر کیے جاتے ہیں، عرسِ نوری اور عرسِ قاسمی- عرسِ نوری میں اپنے بزرگوں کے معمول کے مطابق لگ بھگ ہر سال حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے، مگر عرس قاسمی میں میری یہ دوسری حاضری ہے- صاحب عرس قاسمی حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن برکاتی مارہروی قدس سرہ سے میری عقیدت و محبت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خانوادۂ برکاتیہ کی جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیت ہیں، مگر مجھے ان سے ایک قلبی لگاؤ اس لیے بھی ہے کہ جس مدرسہ قادریہ بدایوں کے وہ قابل فخر فارغ التحصیل ہیں، مَیں بھی اسی مدرسے کا ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم ہوں-

اس سال عرس قاسمی میں ایک نئے پروگرام کا اضافہ کیا گیا ہے، ''عوام کے سوال علمائے کرام کے جواب''- مَیں سمجھتا ہوں کہ عرس کی تقریبات میں اس پروگرام کا اضافہ ایک انقلابی اور قابل تقلید اقدام ہے- جواب دینے کے لیے علما کا ایک پینل تشکیل دیا گیا ہے، زیب سجادۂ برکاتیہ حضرت امین ملت نے کچھ روز پہلے مجھے فون پر حکم دیا تھا کہ ''اس پینل میں مفتی نظام الدین رضوی، مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا خوشتر نورانی کے ساتھ تمہارا نام بھی شامل کیا گیا ہے، تمہیں ۱۶ر نومبر کی صبح تک مارہرہ آنا ہے''- علما کے پینل میں شامل ہونا میرے لیے خوشی سے زیادہ فکر کا موضوع بن گیا- عرس قاسمی کا اسٹیج عام جلسوں یا عرسوں کے اسٹیج کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ اس اسٹیج پر (جس کو بجا طور پر ''منبر نور'' کہا جاتا ہے) کثیر تعداد میں جماعت اہل سنت کی ممتاز علمی اور روحانی شخصیات بیک وقت جلوہ افروز ہوتی ہیں، ایسے اسٹیج پر کسی سوال کا جواب دینا خود اپنے مبلغ علم پر سوالیہ نشان لگانے کے مترادف ہے-

عرس قاسمی کی تقریبات میں حلقۂ ذکر، قرآن خوانی، محفل نعت و مناقب، مشاعرہ، مواعظ علمائے کرام، جلوس چادر اور رسم خرقہ پوشی شامل ہیں- آج عرس کا پہلا دن ہے، بعد عشا مشاعرہ منعقد ہونا ہے، ساتھ ہی اس بار اسی رات میں مقابلۂ قرأت بھی منعقد کیا جا رہا ہے، جس میں اہل سنت کے ممتاز مدارس کے طلبہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے اور برکاتی شہزادوں کے مبارک ہاتھوں سے انعامات پائیں گے- یہ اقدام بھی اعراس کو با مقصد بنانے کی سمت میں ایک بنیادی کردار ادا کرے گا- آج ہمارے مسلکی حریف اعراس کی تقریبات پر انگشت نمائی کرتے ہیں تو ہم مسلکی دفاع کے جذبے سے سرشار ہو کر

www.Qadri.info

میدانِ مناظرہ میں خم ٹھونک کر آجاتے ہیں، مگر کبھی ہم نے اپنا احتساب کرنے کی زحمت نہیں کی کہ آخر ہم پر یہ الزامات کیوں لگائے جاتے ہیں؟

جہاں تک میرا حافظہ کام کر رہا ہے شاید مَیں نے اب تک کسی عرس کے اسٹیج سے کسی پیرزادے کو یہ اعلان کرتے ہوئے نہیں سنا کہ ''مزاروں کے آگے ایسے نہیں جھکنا چاہیے کہ سجدے کی شکل پیدا ہو جائے، مزارات پر پیشانی نہیں رکھنا چاہیے، مزارات پر صرف ایک چادر ڈالو اور اگر دوسری چادر ڈالنے کا دل چاہے تو اپنے محلے کی کسی غریب لڑکی کو شادی میں وہ چادر دے دینا، صاحبِ مزار کی روح خوش ہو جائے گی'' - یہ ناقابلِ یقین اعلانات مَیں نے صرف عرسِ قاسمی کے اسٹیج سے ہوتے ہوئے سنے - یقین جانئے اگر کوئی اور کسی دوسرے اسٹیج سے اس قسم کے اعلانات کرنے کی ''عقل مندی'' کر بیٹھے تو شاید اس کے اسلام و سنیت کے لینے کے دینے پڑ جائیں -

عشا کے بعد مقررہ وقت پر محفل کی کارروائی شروع ہوئی، منبرِ نور پر صاحبِ سجادہ حضرت سید یحییٰ میاں، صاحبِ سجادہ حضرت امینِ ملت، حضرت شرفِ ملت، نائب سجادہ نشین حضرت نجیب میاں، شہزادۂ امینِ ملت سید امان میاں وغیرہ علما و مشائخ کے جھرمٹ میں جلوہ افروز ہیں - حضرت شرفِ ملت نے اپنے زریں کلمات سے نوازا، مریدین کو اعراس منعقد کرنے کے مقصد اور درگاہوں میں حاضری کے آداب بتائے، عرس کے نظم و ضبط کے متعلق کچھ ہدایات کیں، اس کے بعد سال نامہ ''اہلِ سنت کی آواز'' کا اجرا عمل میں آیا، حضرت امینِ ملت نے سال نامہ کی رونمائی کی اور پہلا نسخہ حضرت سید یحییٰ میاں کی خدمت میں پیش کیا - دوسرا نسخہ عطا کرنے کے لیے حضرت نے میرے نام کا اعلان فرمایا، مَیں یہ سوچتا ہوا اٹھا کہ......ع

اک بندۂ عاصی پر اس درجہ عنایات؟

اس کے بعد تیسرا نسخہ حضرت مفتی نظام الدین مصباحی صاحب کو عطا کیا گیا، چوتھا نسخہ حضرت مفتی شمس الدین بہرائچی کو دیا گیا، اس کے بعد مقابلۂ قرأت شروع ہوا - پھر مشاعرہ کا آغاز کیا گیا، مشاعرے میں شعرا کی فہرست بہت مختصر مگر (میرے استثنا کے ساتھ) بہت جامع تھی - مَیں نے بھی حضور شمسِ مارہرہ کے وسیلے سے بارگاہِ غوثیت میں ایک نظم پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، آخر میں بزرگ شاعر پروفیسر ابوالحسنات حقی صاحب نے اپنے استاذانہ کلام سے نوازا - خانقاہ برکاتیہ کی طرف

www.Qadri.info

سے پروفیسر موصوف کو ان کی نعت گوئی اور دیگر ادبی خدمات پر سپاس نامہ کے ساتھ ایوارڈ دیا گیا- سب سے آخر میں حضرت شرف ملت نے اپنے کلام بلاغت نظام سے مستفیض فرمایا، پھر حضرت امین ملت نے مقابلۂ قرأت میں شرکت کرنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا اور حضرت یحییٰ میاں کی دعا پر اس محفل خیر و برکت کا اختتام ہوا-

۱۷رنومبر: حضرت اشرف میاں نے رات ہی اعلان فرما دیا تھا کہ کل دن کے پروگرام میں جس کو جو بھی سوال کرنا ہے وہ اپنا سوال صبح دس بجے تک عرس کے دفتر اہتمام میں جمع کرا دے- ہم لوگ ابھی ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے، حضرت کا حکم نامہ آیا کہ آپ چاروں لوگ منبر نور پر جائیں، سوالات کی فائل وہاں بھیج دی گئی ہے، اس پر ایک نظر ڈال لیں- حضرت مفتی نظام الدین صاحب قبلہ، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ اور محبّ محترم مولانا خوشتر نورانی اور مَیں اسٹیج پر پہنچے، رات کی محفل کے مقابلے میں اس وقت مجمع دوگنا تھا- منبر نور پر بھی رات کے مقابلے میں اس وقت زیادہ علما و مشائخ نظر آ رہے تھے- ہم لوگوں کو سوالات کی فائل دی گئی، یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ عرس قاسمی کے باشعور زائرین نے ہر قسم کے سوالات کیے ہیں، یہ سوالات مسائل شرعیہ سے متعلق بھی ہیں اور زمانے جدید تقاضوں کے مطابق اسلام و مسلمانوں کو درپیش مسائل سے متعلق بھی- سوالات اتنے زیادہ تھے کہ اس پروگرام کے لیے طے شدہ وقت میں ان سب سوالات کا جواب دینا ممکن نہیں تھا، ہمارے پاس صرف ڈھائی گھنٹہ تھا، اس لیے اس میں سے اتنے سوالات منتخب کر لیے گئے جتنوں کا جواب اس مختصر سے وقت میں ممکن تھا- کچھ ہی دیر میں نعروں کی فلک شگاف صدا گونجی جو اس بات کا اعلان تھی کہ آستانہ برکاتیہ کے سجادگان اور شہزادگان منبر پر جلوہ افروز ہو رہے ہیں، ان حضرات کی تشریف آوری کے فوراً بعد جوابات کا سلسلہ شروع ہوا- حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے فقہیات سے متعلق ہر سوال کا نہایت مدلل جواب عنایت فرمایا، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے کچھ تاریخی نوعیت کے سوالوں کا جوابات ٹھوس تاریخی حوالوں کی روشنی میں مرحمت فرمائے، مولانا خوشتر نورانی نے دور جدید میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے تعلق سے کچھ سوالوں کے نہایت تشفی بخش جوابات دیے، مجھے غیر مقلدین کے تعلق سے کچھ سوالات دیے گئے تھے، مَیں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان اور محدود مطالعے کی روشنی میں جیسے تیسے جواب دے کر اپنی آبرو بچائی-

www.Qadri.info

جوابات کے دوران مجمع پر بالکل سکوت طاری تھا، پورا مجمع جواب کے ہر ہر لفظ کو ہمہ تن گوش ہو کر سن رہا تھا اور شاید اپنے ذہن و دل میں اتارنے کی کوشش بھی کر رہا تھا- سوالات کی نوعیت اور پھر مجمع کے انداز سماعت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ہماری قوم آج بھی اپنے دلوں میں دین کو سمجھنے کی تڑپ رکھتی ہے، یہ تو ہماری اپنی کوتاہی ہے کہ ہم نے قوم کو بے مقصد جلسوں اور تفریحی عرسوں کا عادی بنا دیا ہے- کاش! ہمارے یہاں اعراس میں اسی قسم کے اصلاحی اور تبلیغی پروگرام منعقد کیے جانے لگیں تب کہیں جا کر ہمارے اوپر سے عرسوں کے نام پر بدعات اور خرافات کو فروغ دینے کا الزام ہٹے- ویسے میرے علم میں اور بھی ایسی کئی خانقاہیں ہیں جنھوں نے اعراس میں اسی قسم کے اقدامات کے ذریعے کافی حد تک اپنے وابستگان کی دینی اصلاح کا سامان کیا ہے- رب قدیر اس سلسلۂ خیر کو دراز فرمائے-

آج کی رات خرقہ پوشی کی رات ہے، یہ عرس کی ایک اہم تقریب ہے، مگر مجھے مدرسہ قادریہ میں اور خوشتر صاحب کو دہلی میں کچھ ضروری کام ہے، اس لیے بادل نخواستہ واپس جانا پڑ رہا ہے- ہم لوگوں نے تبرک تناول کیا، سجادگان اور شہزادگان سے اجازت لی، درگاہ شریف میں حاضر ہو کر رخصتی کا سلام کیا اور بوجھل قدموں سے اسی بلند دروازے تک آئے جس کی بلندی آج تک نہیں ناپی جا سکی-

میرے سامنے وہی پتھر کی بل کھاتی سڑک ہے جس پر آج مَیں چل رہا ہوں، اسی سڑک پر گزشتہ تین صدیوں میں علم و عرفان کے نہ جانے کتنے کوہ ہمالیہ گزرے ہوں گے، تصوف و سلوک کے کتنے سمندر اپنی تمام تر طغیانیوں کے ساتھ اس سڑک سے بہہ کر گزر گئے ہوں گے- مَیں نے دیکھا کہ ڈھلتے سورج کی کرنیں اسی تاریخی سڑک پر پڑ رہی ہیں، ذرات جگمگا رہے ہیں، دنیا اگر یہ سمجھتی ہے تو سمجھا کرے کہ ان ذروں کی تابانی سورج کی ان کرنوں کی رہین منت ہے، مگر ہم جیسے دیوانے تو یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ:

جن ذروں نے بوسے ترے قدموں کے لیے تھے   ان ذروں کو سورج کی کرن چوم رہی ہے

﴿ماہ نامہ جام نور: جنوری ۲۰۰۸ء﴾

□□□

www.Qadri.info

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

(جنوبی ہند میں ایک ہفتہ)

مَیں اکثر اپنے دوست خوشتر نورانی کی وجہ سے الجھنوں کا شکار ہوتا رہا ہوں، اب یہی دیکھئے کہ جنوب ہند کے سفر میں ہم دونوں ساتھ تھے، مگر جب سفر نامہ لکھنے کا مسئلہ کھڑا ہوا تو انہوں نے اپنا دامن صاف بچا لیا اور اس مشکل کام کی ساری ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دی- گویا ''جرم سفر'' میں ہم دونوں برابر کے شریک تھے، مگر ''سزا'' صرف مجھ غریب کا مقدر بنی- کثرت سے سفر کرنا اور بلا تاخیر سفر نامہ لکھ دینا یہ ہمارے کرم فرما مولانا کوکب نورانی صاحب کا حصہ ہے، ان دونوں معاملوں میں کوئی شریف آدمی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا - سفر نامہ لکھنے سے میں اس لیے بھی دامن بچا رہا تھا کہ (بقول شخصے) سفر کے دوران میرے حواس خمسہ ظاہری و باطنی پورے طور پر اپنی ڈیوٹی انجام نہیں دیتے ،اس پر یہ خوف مستزاد کہ کہیں ابوالفیض معینی یہ نہ کہہ دیں کہ ''اب ہمیں آپ کے اگلے سفر نامہ کا انتظار ہے، ممکن ہے کہ اس میں کوئی خاص بات ہو'' -مَیں مولانا ملک الظفر صاحب کی طرح لکھاڑی بھی نہیں ہوں کہ محض سفر نامہ کے بہانے جام نور کے پانچ چھ صفحات پر بلا شرکت غیرے قابض ہو جاؤں اور پھر یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں ابن القادری صاحب اس سفر نامے میں بھی ''کسر نفسی کا فقدان'' تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں- ان سب وجوہات کی بنیاد پر مَیں نے ہر چند سفر نامہ لکھنے سے معذرت کی کہ......ع

نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا

مگر وہ خوشتر ہی کیا جو کوئی معقول بات تسلیم کر لے، لہٰذا ''ناچار اس راہ پڑا جانا'' اب سفر نامہ جیسا بھی ہے آپ کے سامنے ہے-

www.Qadri.info

نیک نام تو خیر نیک نام ٹھہرے، جو لوگ بدنام ہوتے ہیں ان کا بھی اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ بھی گم نام نہیں رہتے - جام نور کی مہربانی سے ہم لوگ اتنے ''بدنام'' تو ہو ہی چکے ہیں کہ اب ہمیں شمالی ہند ہو یا جنوبی ہند کہیں بھی اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں ہے-

اللہ رے مرے عشق کی رسوائی کا عالم
اتنی تو ترے حسن کی شہرت بھی نہیں ہے

حضرت مولانا سید وجیہ النقی سقاف صاحب نے مجھے اور خوشتر صاحب کو جنوب ہند کے دورے کی مخلصانہ دعوت دی، ہم لوگوں نے تھوڑا غور و فکر کر کے رخت سفر باندھ لیا۔ ''تقریب بہر ملاقات'' یہ تھی کہ تمل ناڈو کے شہر مدورائی میں سید وجیہ النقی صاحب کی تحریک اور کوششوں سے بعض مخلصان اہل سنت نے جامعہ غوث الوریٰ کے نام سے ایک ادارہ تعمیر کیا ہے، اس کی نئی تعمیر شدہ عمارت کا افتتاح ہے، جس کے لیے ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا جا رہا ہے-

۱۶ جون کو صبح ۹ ربجے ہم اپنا بوریہ بستر لے کر دہلی ایئرپورٹ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ائیر سہارا کی مدراس جانے والی فلائٹ دو گھنٹہ لیٹ ہے، اب وہ بجائے ۱۰ بجے کے ۱۲ بجے پرواز کرے گی، لہٰذا اگلے ڈھائی گھنٹے تک لاؤنج میں بیٹھ کر جماعتی، ملّی اور ملکی مسائل پر ہم دونوں نے نہایت صبر و تحمل سے ایک دوسرے کو برداشت کیا- خدا خدا کر کے پرواز کا وقت آیا اور ہم لوگ دو گھنٹے سے زیادہ ''عالمِ بالا'' میں رہنے کے بعد پونے تین بجے بخیر و عافیت چنّئی (مدراس) ائیرپورٹ پر اتر گئے- یہاں سے ہمیں مدورائی کے لیے اگلی فلائٹ پکڑنا تھی، جس کو ۵:۲۰ پر پرواز کرنا تھا، مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ فلائٹ بھی لیٹ ہے اور اب یہ شام ۷ بجے پرواز کرے گی- اب ہمارے پاس ۴ رگھنٹے تھے، جہاز میں خوشتر نے اپنی گفتگو جہاں ختم کی تھی وہیں سے سلسلۂ کلام جوڑنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مَیں نے ان کے ارادے کو بھانپ لیا اور تجویز رکھی کہ کیوں نہ موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مدراس شہر کی سیر کر لی جائے! خلاف توقع اس معقول تجویز کو شرف قبولیت عطا ہوا- ہم نے آٹو کے ذریعے مدراس کی سیر شروع کی- کسی سفر نامے میں محترم کوکب نورانی صاحب نے دہلی کے آٹو رکشہ والوں کی شکایت کی تھی، مگر مدراس کے جس آٹو والے سے ہمارا سابقہ پڑا اس کے ساتھ ہمیں کوئی ایسا تلخ تجربہ نہیں ہوا جو قابل ذکر ہو- دوپہر کا کھانا ہم نے جہاز میں کھا لیا تھا، اس کے باوجود خوشتر کی رائے ہوئی کہ پہلے کسی اچھے ریسٹوراں میں چل کر

www.Qadri.info

''لذت کام ودہن'' کا اہتمام کیا جائے، آٹو والا ہمیں ایک اچھے ریسٹوراں میں لے گیا، مَیں نے صرف چائے پر اکتفا کیا اور خوشتر نے ''وائے'' پر- ابھی ظہر کا وقت تھا ہم نے آٹو والے سے کسی مسجد میں چلنے کو کہا، وہ ہمیں ایک مسجد میں لایا، مسجد کا نام گرین ماسک(Green mosque) تھا، ہم نے وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھی، عصر کے وقت میں کچھ ہی دیر تھی، لہٰذا ہم انتظار کرنے لگے اور عصر کی نماز پڑھ کر ہی باہر آئے، اس کے بعد مزید ایک گھنٹے تک بے مقصد مدراس کی سڑکیں ناپتے رہے، سوا چھ بجے واپس ائیر پورٹ پہنچے، سوا سات بجے ''گوائیر''(Go air) کے طیارے سے مدورائی کے لیے پرواز کی، سوا آٹھ بجے مدورائی ایئر پورٹ پر اترے-

ہمارے میزبان حضرت مولانا سید وجیہ التقی سقاف بہ نفس نفیس ہمارے استقبال کے لیے ائیر پورٹ کے باہر موجود تھے، ان کے ساتھ مولانا حافظ رستم علی رضوی صاحب اور جناب اشرف صاحب بھی تھے- مولانا رستم علی صاحب کا مختصر تعارف یہ ہے کہ آپ بہار کے رہنے والے ہیں، یہاں تنجاور شہر میں دارالعلوم غوثیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، متحرک وفعال آدمی ہیں، دین کا درد رکھتے ہیں، انجمن رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک تنظیم کی بنا ڈالی ہے اور اسی کے پلیٹ فارم سے مختلف تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں- اشرف صاحب جامعہ غوث الوریٰ کی انتظامی کمیٹی کے روح رواں ہیں-

ہمارے قیام کا انتظام ایک ہوٹل میں کیا گیا تھا، لیکن رات کے کھانے کا اہتمام اشرف صاحب کے دولت خانے پر تھا، کھانے کا وقت بھی ہو رہا تھا، لہٰذا ائیر پورٹ سے سیدھے اشرف صاحب کے گھر پہنچے، کھانا کھایا اور جلدی ہی ہوٹل میں آ گئے- ہوٹل بہت عمدہ اور معیاری تھا، رات کے تقریباً ساڑھے دس بج رہے تھے- اگلے روز دن میں اجلاس تھا، دن بھر کی تھکن بھی تھی، لہٰذا اب ہمیں سو جانا چاہیے تھا، مگر میری ایک کمزوری یہ ہے کہ جس کمرے میں کوئی کتاب نہ ہو مجھے وہاں نیند نہیں آتی اور جس کمرے میں کوئی اچھی کتاب ہو وہاں بھی نیند نہیں آتی- خوشتر نے چلتے وقت دو تین کتابیں اپنے بیگ میں رکھ لی تھیں، دوران سفر ان کو پڑھنے کی ذمہ داری بھی مجھے ہی نبھانا پڑی- ان کتابوں میں مولانا وحیدالدین خاں کی کتاب ''مذہب اور جدید چیلنج'' بھی تھی، اس کتاب کا عربی ایڈیشن ''الاسلام یتحدی'' کے نام سے مصر سے شائع ہوا ہے، وہاں یہ کتاب میرے مطالعے میں رہ چکی ہے- از ہر شریف میں ہمارے

www.Qadri.info

فلسفۂ اسلامی کے استاذ ڈاکٹر عبدالمعطی بیومی (صدر شعبہ عقیدہ وفلسفہ) نے ایک مرتبہ لیکچر کے دوران فرمایا تھا کہ ''گزشتہ ایک صدی میں اسلام کی جدید تفہیم کے لیے جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، اگر ان میں مجھے کسی ایک کتاب کا انتخاب کرنا ہو تو مَیں ''الاسلام یتحدی'' کا انتخاب کروں گا''- مولانا وحیدالدین خاں کے عقائد وافکار کے تمام تر انحرافات اپنی جگہ، مَیں ان عقائد وافکار کا حامی نہیں ہوں، مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد کتاب ہے، بالخصوص ہمارے مدارس کے طلبہ کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، ''خذ ما صفیٰ ودع ما کدر'' کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کتاب سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے- کتاب کا اردو ایڈیشن مَیں نے پہلی بار دیکھا تھا، مطالعہ شروع کیا اور پتہ نہیں کس وقت آنکھ لگی-

صبح نو بجے ہوٹل ہی میں ناشتہ کیا اور اجلاس میں شرکت کے لیے جامعہ غوث الوریٰ کے لیے روانہ ہوئے- جامعہ کے لیے شہر سے باہر ہائی وے پر تقریباً ایک ایکڑ زمین خریدی گئی ہے اور اس پر ایک عالیشان عمارت بھی تعمیر کر دی گئی ہے- مدورائی میں بہت ساری میمن فیملیز کاروبار کرتی ہیں، یہ سب ان ہی کے اخلاص کا نتیجہ ہے- جامعہ کے وسیع وعریض میدان میں جیسے ہی ہماری گاڑی داخل ہوئی تو نعرۂ تکبیر ورسالت سے پرزور استقبال کیا گیا، جامعہ کے اساتذہ، ذمہ داران، طلبہ اور اہل محبت کا ایک جم غفیر موجود تھا، ہمیں جامعہ کے ایک کمرے میں پہنچایا گیا- جامعہ کے میدان ہی میں بہت خوب صورت پنڈال لگایا گیا تھا، جس میں آگے مردوں کی نشست تھی اور پیچھے پردہ لگا کر خواتین کی نشست کا انتظام تھا ،کافی بلند اسٹیج تھا، کچھ دیر بعد ہمیں بھی جلسہ گاہ میں لے جایا گیا اور جلسہ شروع ہوا- اجلاس کی دو نشستیں ہونا تھیں، پہلی دس بجے سے ظہر تک اس کے بعد نماز اور کھانے کا وقفہ تھا، پھر دوسری نشست تین بجے سے عصر تک ہونا تھی-

شمالی ہند سے ہم دونوں کے علاوہ خانوادۂ ربانیہ کے چشم وچراغ حضرت مولانا سید خوشتر ربانی صاحب (باندہ) کو بھی مدعو کیا گیا تھا، آپ شیخ طریقت حضرت علامہ سید مظہر ربانی صاحب کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، عالم ہیں، بہترین خطیب ہیں اور شیخ طریقت ہیں- تمل ناڈو میں دین وسنیت کے حوالے سے حضرت علامہ سید مظہر ربانی صاحب کی خدمات قابل قدر ہیں، یہاں آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع ہے، گزشتہ تیس چالیس برس سے آپ ہر سال یہاں کا تبلیغی دورہ فرما کر دین وسنیت کو جلا بخش

www.Qadri.info

رہے ہیں۔

اسٹیج پر ہم لوگوں کے علاوہ تمل ناڈو کے مختلف شہروں سے تشریف لائے ہوئے علما اور مشائخ کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جلسے کی کاروائی تلاوت کلام پاک سے شروع کی گئی، اس کے بعد حضرت سید وجیہ التقی صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور اس نشست کی صدارت کے لیے میرے نام کا اعلان کر دیا۔ اعلان سن کر مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا، اسٹیج پر مجھ سے زیادہ علم، عمل اور عمر والے علما و مشائخ موجود تھے، ان بزرگوں کی موجودگی میں مجھے جلسے کی صدارت کرنا اچھا نہیں لگا، مگر اس ''تہمت صدارت'' سے ''باعزت بری ہونے'' کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، مَیں پہلو بدلنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکا۔ اس اجلاس میں دو خصوصی خطاب ہونا تھے، ایک مولانا ایف.ایم.ابراہیم صاحب کا تمل زبان میں اور دوسرا ہمارے دوست خوشتر صاحب کا اردو میں۔ مولانا ایف.ایم.ابراہیم کا شمار تمل ناڈو کے بزرگ ترین علما میں ہوتا ہے، عمر ۶۵، ۷۰ کے درمیان ہوگی، تمل زبان کے شعلہ بیان خطیب ہیں، گمراہ اور باطل فرقوں کا رد ان کی تقریروں کا خاص موضوع ہوتا ہے، بد مذہبوں پر خوب گرجتے برستے ہیں، سید صاحب نے بتایا کہ ان کو یہاں ''فائر برانڈ'' مقرر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی طبیعت کچھ علیل تھی، مگر اس کے باوجود جب وہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو شعلہ بیانی کے وہ جوہر دکھائے کہ ہم اس لقب دینے والے کو داد دیے بنا نہ رہ سکے۔ ان کی تقریر تمل زبان میں تھی، بعض شخصیات اور کچھ کتابوں کے ناموں کے علاوہ ایک حرف ہمارے پلے نہیں پڑا، مگر اتنا اندازہ ہو گیا کہ حضرت بد مذہبوں کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہیں۔ تمل زبان یقیناً اپنے اندر فصاحت و بلاغت رکھتی ہوگی، مگر ہمیں تو ''کڑم بڑم'' کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مَیں نے خوشتر سے کہا کہ اگر صرف ''کڑم بڑم'' ہی کرنا ہو تو اس زبان میں مَیں بھی تقریر کر سکتا ہوں بشرطے کہ سامعین میں کوئی تمل جاننے والا نہ ہو۔ ایف.ایم.ابراہیم صاحب کی تقریر بڑی دلچسپی سے سنی گئی، اس کے بعد جامعہ غوث الوریٰ کی جانب سے شائع شدہ مجلّے کا اجرا کیا گیا، یہ مجلّہ آدھا تمل میں تھا اور آدھا انگلش میں۔ سب سے آخر میں خوشتر صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ جام نور کے صفحات پر ان کے اشہب قلم کو سرپٹ دوڑتے ہوئے تو سبھی نے دیکھا ہے، مگر شاید یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہوں کہ ان کے اندر خطابت کے جراثیم بھی پائے جاتے ہیں، عموماً میدان خطابت سے دور رہنا ہی پسند کرتے ہیں کہ وہ میدان صحافت کے آدمی جو ٹھہرے، مگر جب کبھی موڈ میں ہوتے ہیں تو بولتے ہیں اور

www.Qadri.info

خوب بولتے ہیں- یہاں انہوں نے دور جدید میں اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت کے عصری تقاضوں پر ایک گھنٹے تک بڑا فکر انگیز خطاب کیا، اگر اس کو قلم بند کر لیا جاتا تو یہ جام نور کے لیے ایک بہترین اداریہ ثابت ہوتا- ان کا خطاب پسند کیا گیا، درمیان میں اسٹیج اور عوام دونوں طرف سے داد وتحسین کی صدائیں بلند ہوتی رہیں، مَیں نے بھی اس ڈر سے کافی داد دی کہ اگلی نشست میں مجھے خطاب کرنا تھا- خوشتر کے خطاب کے ساتھ ہی اس نشست کے اختتام کا اعلان کیا گیا-

اس کے بعد جامعہ کی نئی تعمیر شدہ مسجد اور ایک ہال کا افتتاح کیا گیا- ظہر کی نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کیا اور پھر تقریباً ساڑھے تین بجے دوسری نشست کا آغاز ہوا- یہ نشست حضرت سید خوشتر ربانی صاحب کی صدارت میں تھی، نعت ومناقب اور مقامی علما کی تقریروں کے بعد مجھے دعوت خطاب دی گئی، بنیادی طور پر مَیں بھی کوئی خطیب نہیں ہوں، مگر ''نظریۂ ضرورت'' کے تحت کبھی کبھی بولنا مجبوری بن جاتا ہے- مَیں نے بھی لگ بھگ ایک گھنٹے تک سمع خراشی کی، آخر میں صدر جلسہ حضرت سید خوشتر ربانی صاحب کا صدارتی خطاب ہوا، صلاۃ وسلام اور دعا پر اس جلسے کا اختتام ہوا-

دروغ برگردن راوی لوگوں نے بتایا کہ خطابات، مجمع کی کثرت اور حسن انتظام کے اعتبار سے یہ مدورائی کا پہلا کامیاب ترین جلسہ تھا- جامعہ غوثیہ سے ہوٹل تک واپسی کا سفر سید خوشتر ربانی صاحب کے ساتھ ہوا، ان کا قیام بھی اسی ہوٹل میں تھا، واپسی کے سفر میں جام نور کے علاوہ اور بھی کئی جماعتی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا، مشربی زعم تعصب کے حوالے سے انہوں نے جو کچھ بھی فرمایا......ع

مَیں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

رات کا کھانا ہم نے ہوٹل ہی میں کھایا، آج پھر ''مذہب اور جدید چیلنج'' نے دیر رات تک بیدار رکھا-

۱۸؍جون کو علی الصبح ہم بذریعہ کار مدورائی سے تنجاور کے لیے روانہ ہوئے، ساتھ میں سید وجیہ التقی صاحب اور ان کے ایک عقیدت مند مبارک بھائی تھے- یہاں سے تنجاور ۱۷۵؍کلومیٹر ہے- دو گھنٹے کے سفر کے بعد ایک جگہ ریسٹوراں پر ناشتے کے لیے رکے، سید صاحب نے بہت ''پُرتکلف'' ناشتہ منگوایا، پُرتکلف اس معنی کر کہ ہم نے بہت تکلف سے کھایا- ظاہر ہے کہ ہر جگہ کھانوں کا اپنا الگ ٹیسٹ ہوتا ہے، ساؤتھ انڈین کھانے ڈوسا، سانبر، اڈلی، اور اتپم خواہ کتنے ہی لذیذ کیوں نہ بنے ہوں، لیکن ضروری نہیں

www.Qadri.info

کہ نارتھ انڈین کو مرغوب ہوں! - ناشتے کے بعد پھر سفر شروع ہوا اور تقریباً گیارہ بجے ہم تنجاور میں سید صاحب کے دولت کدے پر پہنچ گئے -

آج کے پروگرام میں تنجاور کے تاریخی قلعے کی سیر، مزارات کی حاضری اور انجمن رضائے مصطفیٰ کی جانب سے ایک اعزازی اجلاس میں شرکت شامل تھی - سہ پہر کو سید صاحب اور چند احباب کے ساتھ مہاراجہ سرفوجی کے تاریخی قلعے کی سیر کو نکلے، قلعے کی قدیم عمارتوں اور ان پر نقش و نگار سے زیادہ میری دلچسپی کا باعث ''سرسوتی محل لائبریری'' تھی جو اسی قلعے میں واقع تھی - یہ لائبریری دراصل مہاراجہ سرفوجی دوئم (۱۷۹۸ء/۱۸۳۲ء) کی علم دوستی کا نتیجہ ہے، انہوں نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے دنیا بھر سے بیش قیمت کتابیں منگوا کر جمع کیں، یہ لائبریری اب حکومت کے زیر انتظام ہے - یہاں ہندی، سنسکرت، تمل، تیلگو، مراٹھی، اور انگلش کے ہزاروں نایاب و نادر مخطوطات موجود ہیں - قلعے کو دیکھنے کے بعد ہم نے لائبریری کا رخ کیا، ہمارے دوست خوشتر صاحب پڑھنے سے زیادہ لکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں، اس لیے وہ تھکن کا عذر کر کے گاڑی میں جا بیٹھے - ایک دو گھنٹے لائبریری میں گزارنے کے بعد یہ قافلہ پھر روانہ ہوا -

اب ہماری منزل سید وجیہ التقی سقاف صاحب کے اسلاف و اجداد کا آستانہ تھا، اس آستانے کی حاضری نے ہمیں حیرتوں کے دریا میں غرق کر دیا - دراصل سید صاحب عجیب تہہ دار شخصیت کے مالک ہیں، وسیع المطالعہ عالم، اردو اور تمل دونوں کے بہترین خطیب، تمل ناڈو میں بے شمار مساجد و مدارس کے بانی اور شیخ طریقت، گزشتہ دو روز میں رفتہ رفتہ ان کے یہ اوصاف کھلے، مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ نہ صرف ان ذاتی اوصاف کے حامل ہیں بلکہ اپنے پیچھے چھ سات سو سالہ علمی اور روحانی تاریخ بھی رکھتے ہیں - ان کے اسلاف یمن سے ہجرت کر کے کرناٹک کے شہر بیجاپور پہنچے تھے، پھر وہاں سے ایک بزرگ ہجرت کر کے یہاں آ گئے تھے - سید صاحب کے بارے میں ایک مزید انکشاف اگلے روز ہوا کہ وہ ان دینی عظمتوں کے ساتھ ساتھ دنیاوی جاہ و حشمت کے بھی مالک ہیں - تنجاور اور کلّئ میں سیکڑوں ایکڑ زمین ان کی ملکیت ہے، ویسے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے، بہت سے لوگ بیک وقت دینی اور دنیاوی عظمتوں کے جامع ہوتے ہیں - سید صاحب کی جو خاص بات ہے وہ ان کی تواضع اور انکساری ہے، بڑا ہونا کوئی کمال نہیں ہے بڑے ہو کر اپنی بڑائی نہ دکھانا یہ کمال ہے اور یہ کمال سید صاحب میں بدرجۂ اتم پایا جاتا

www.Qadri.info

ہے- چھوٹا ہوکر بڑا بننے کی کوشش کرنا کوئی خاص بات نہیں ہے، بہت سے لوگ اس میں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں،مگر بڑا ہوکر خود کو چھوٹا ظاہر کرنا ایک بہت مشکل کام ہے، سید صاحب نے اس مشکل کام کواس خوبی سے انجام دیا کہ گزشتہ دو روز تک ہم ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہے- اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے-

آستانے پر حاضری کے بعد چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی،اس کے بعد آستانۂ آثار شریف کے لیے روانگی ہوئی- یہاں بعد مغرب انجمن رضائے مصطفیٰ کی جانب سے ایک جلسۂ استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا تھا،اس انجمن اوراس کے بانی مولانا رستم علی رضوی صاحب کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے-اس آستانے میں حضور اکرم ﷺ کے موئے مبارک موجود ہیں،اسی لیے اس کو آستانۂ آثار شریف کہا جاتا ہے -مغرب کی نماز کے بعد جلسے کا آغاز ہوا، جلسے میں دارالعلوم غوثیہ تجاور کے اساتذہ،مہتمم،طلبہ،آستانے کے اہل ارادت وعقیدت اور سید صاحب کے وابستگان موجود تھے-آستانے کے صاحب سجادہ سید متین میاں ہیں ،نو جوان،ملنسار،کم گو اور خانقاہی مزاج کے حامل ہیں-تلاوت اور نعت ومناقب کے بعد مولانا رستم علی صاحب نے ہمارا تعارف کراوایا، پھر سید صاحب نے تقریر کی-اس کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ انجمن رضائے مصطفیٰ کی جانب سے ہم دونوں کو سپاس نامہ اور ایوارڈ بھی دیا جانا ہے- پہلے خوشتر صاحب کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا گیا،اس کے بعد دارالعلوم غوثیہ کے مہتمم صاحب کے ہاتھوں شال اڑھائی گئی، پھر ان کی صحافتی خدمات پر ایک خوب صورت شیلڈ کی شکل میں ''بیسٹ ایڈیٹر ایوارڈ'' پیش کیا گیا-اس کے بعد ان تمام مراحل سے مجھے بھی گزرنا پڑا،ایوارڈ تو مجھے بھی دیا گیا،لیکن مَیں نہیں سمجھ سکا کہ آخر میری کون سی ''خدمات'' کے صلے میں یہ ایوارڈ دیا جارہا ہے، مجھے اپنی ایسی کوئی ''خدمات '' یاد نہ آسکیں جو'' قابل ایوارڈ'' ہوں، ہاں البتہ اتنا یاد ہے کہ جو شیلڈ مجھے دی گئی اس پر'' بیسٹ محقق ایوارڈ'' لکھا ہوا تھا-آج پھر خوشتر تقریر کے خوش گوار موڈ میں نظر آئے اور آدھے گھنٹے سے زیادہ زور خطابت دکھایا،جن لوگوں نے ان کی یہ تقریر پہلی بار سنی ہوگی ان کو یقیناً پسند آئی ہوگی،اس کے بعد کچھ دیر تک مَیں نے سامعین کے صبر وضبط کا امتحان لیا، جلسے کا اختتام صلاۃ وسلام پر ہوا-رات کا کھانا سید صاحب کے دولت کدے پر کھایا گیا-اگلے روز یعنی ۱۹/جون کو ناگور شریف اور کلی جانے کا پروگرام تھا ،لہٰذا جلدی ہی سونے میں عافیت سمجھی-یہ ہماری یہاں پہلی رات تھی،ہمیں بالائی منزل پر مہمان خانے

www.Qadri.info

میں ٹھہرایا گیا تھا، یہ کمرہ نہ جانے کب سے بند تھا اور یہاں پر رہنے والے مچھر خدا معلوم کتنے عرصے سے ''تشنہ لب'' تھے، ہم لوگ کیا پہنچے ان کے لیے گویا ''درِ مئے خانہ'' کھل گیا، رات بھر ہم دونوں ان کا ''پیانہ'' بنے رہے، یہ ''محفلِ نا وَ نوش'' اس وقت تک جاری رہی جب تک مؤذن نے فجر کی اذان نہ دے دی۔

مؤذن مرحبا بروقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے

۱۹ جون کی صبح بذریعہ کار کلّی کے لیے روانگی ہوئی ۔سید صاحب، سید متین میاں، مبارک بھائی ، حافظ عبدالواحد صاحب اور سید صاحب کے دونو جوان رشتہ دار شریک قافلہ تھے۔کلّی تنجاور شہر سے ۱۲۰ر کلومیٹر دور ہے، یہ ایک چھوٹا گاؤں ہے، یہاں پر سید صاحب کے مورث اعلیٰ کی درگاہ ہے اور ساتھ ہی قدیم مسجد اور خانقاہ بھی ہے، گاؤں اور اس کے آس پاس سیکڑوں بیگھے زمین خانقاہ کی ملکیت ہے۔ روانگی کے کچھ دیر بعد ایک جگہ رک کر ناشتہ کیا گیا، شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ناشتہ مدراسی تھا اور ہمارے پاس اس کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا متبادل نہیں تھا۔تقریباً گیارہ بجے کلّی پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ ''سنامی متاثر علاقہ'' ہے۔ یہاں عالیشان خانقاہ دیکھ کر مسرت ہوئی، خانقاہ کے خدام نے ناریل پانی سے تواضع کی ، یہاں ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو لنگر غوثیہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں سیکڑوں لوگ شریک ہوتے ہیں، ہماری آمد کی وجہ سے سید صاحب نے لنگر کا اہتمام بجائے گیارہ تاریخ کے آج ۳ جمادی الاخری ہی کو کروا دیا تھا۔کلّی سے قریب ہی ایک ندی تھی جس کے دوسرے کنارے پر صحابیِ رسول حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ایک مزار ہے۔ایک بڑی سی بادبانی کشتی کے ذریعے ہم نے اس ندی کو پار کیا، موسم خوشگوار تھا، بادل، ہوائیں، آس پاس کے قدرتی مناظر، ان سب کی وجہ سے کشتی کے سفر میں بہت مزہ آیا، حضرت عکاشہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی، علم رجال حدیث کا ایک معمولی طالب علم ہونے کی حیثیت سے مَیں کچھ نہ کچھ معلومات صحابۂ کرام کے بارے میں بھی رکھتا ہوں، اس بات کی تحقیق کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے کہ عکاشہ نام کے کتنے صحابی ہیں اور وہ کہاں کہاں مدفون ہیں؟ بہر حال اللہ ہماری خوش عقیدگیوں کو سلامت رکھے۔

واپس خانقاہ میں آ کر ظہر کی نماز پڑھی، درگاہ شریف میں حاضری دی، خانقاہ کے آفس میں چادر

www.Qadri.info

اڑھا کر ہماری عزت افزائی کی گئی، پھرلنگر خانے میں فاتحہ ہوئی، اس کے بعد لنگر کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوگیا، ہم لوگوں کے کھانے کا انتظام حویلی کے اندر کیا گیا تھا، کھانے سے فارغ ہوکر آرام کیا گیا اور پھر تین بجے ناگورشریف کے لیے روانگی ہوئی - ناگورشریف یہاں سے ۵۷رکلومیٹر دور ہے، ناگورشریف خلیج بنگال کے ساحل پر واقع ہے، یہاں حضرت میراں قادرشاہ ولی کا آستانہ مرجع خلائق ہے، آپ حضور غوث اعظم کی اولاد امجاد سے ہیں اور حضرت محمد غوث گوالیری کے خلیفہ ہیں-صبح تنجاور سے روانگی کے وقت ہم نے سید صاحب کی لائبریری سے جام نور ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۶ء کی سالانہ فائلیں ساتھ رکھ لی تھیں ، یہ فائلیں سفر کا بہترین ساتھی ثابت ہوئیں، راستے بھر ہم دونوں ایک دوسرے کے مضامین میں ''خام تلاشی'' اور ''خامیاں تلاشی'' کرتے رہے-عصر کے بعد ناگورشریف پہنچے، پہلے سید صاحب ساحل سمندر پر لے گئے، وہاں ایک گھنٹہ تفریح کی گئی، ساحل سے متصل ہی حضرت قادرشاہ ولی کے ''چلہ'' کے نام سے ایک جگہ منسوب ہے، اس کی زیارت کی گئی، پھر قریب کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور وہاں سے درگاہ شریف کے لیے روانہ ہوئے -حسن اتفاق ان دنوں حضرت کا عرس چل رہا تھا، درگاہ میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی، سیکڑوں عقیدت مند دور دراز مقامات سے عرس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے ، بہت سے مشائخ بھی تشریف لائے ہوئے تھے جن میں اکثر سید صاحب کے شناسا تھے، ان میں سے کئی حضرات سے ملاقات اور تعارف ہوا، درگاہ شریف میں فاتحہ پڑھی - ناگورشریف میں سید صاحب کے ایک معتقد جناب احمد احسان اللہ صاحب کے گھر کھانے کی دعوت تھی، احسان اللہ صاحب نے بڑی پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا تھا - (یہاں پرتکلف اس معنی میں نہیں ہے جس میں ہم نے پیچھے کہیں استعمال کیا تھا) کھانے کے بعد کچھ دیر گفتگو رہی اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوا، رات میں تقریباً بارہ بجے واپس تنجاور پہنچے-

۲۰ جون: یہ ہمارا یہاں آخری دن تھا، آج کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی ،صرف آرام کرنا تھا، دوپہر میں سید صاحب نے ہمارے اعزاز میں ظہرانہ کا اہتمام کیا تھا جس میں تنجاور کے کچھ علما اور عمائدین شہر کو مدعو کیا گیا تھا، عصر بعد سید صاحب کے ایک ارادت مند کی بیٹی کی رسم تسمیہ خوانی تھی ، اس میں شرکت کرنا تھی اور رات میں ۸ بجے مدراس کے لیے ہمیں ٹرین پر سوار ہونا تھا-سید صاحب کے گھر میں خود ایک شاندار لائبریری ہے، وہ علم دوست تو ہیں ہی قلمی نوادرات کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں-خوشتر

www.Qadri.info

کی طبیعت کچھ نرم گرم ہوگئی، لہٰذا ناشتے کے بعد وہ پھر آرام کرنے لگے، مَیں نے فرصت کے لمحات سید صاحب کے قلمی نوادرات دیکھنے میں صرف کیے- ان کے پاس اپنے اسلاف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شجرے، نسب نامے، خلافت نامے، خطوط، بیاضیں اور روز نامچے موجود ہیں، ان سب کو انہوں نے بڑے سلیقے سے محفوظ رکھا ہے- دوپہر کے کھانے میں طے شدہ پروگرام کے تحت علما اور عمائدین نے شرکت کی، دوران طعام ہلکی پھلکی پر لطف گفتگو بھی ہوتی رہی، عصر بعد رسم تسمیہ خوانی میں شرکت کی، چوں کہ خوشتر صاحب کی طبیعت ابھی تک پوری طرح بحال نہیں ہوئی تھی، لہٰذا انہوں نے آرام کرنے کو ترجیح دی- تسمیہ خوانی کی رسم یہاں بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی ہمارے یہاں بدایوں میں ہوتی ہے- جب بچہ چار سال چار مہینے چار دن کا ہوجاتا ہے تو خاندان کا کوئی بڑا یا کوئی بزرگ اس کو بسم اللہ اور حروف تہجی پڑھاتا ہے، اس رسم کو ہمارے یہاں ''مکتب'' کہا جاتا ہے- سید صاحب نے اصرار کیا کہ بچی کو مَیں بسم اللہ پڑھاؤں، مگر ان کی موجودگی میں مَیں یہ جرأت نہیں کر سکا۔ آخر کار روانگی کا وقت آ گیا- بقول حافظ......ع

جرس فریاد می دارد بپندید محملہا

ان حضرات نے چار روز میں اپنی محبت، الفت، خلوص اور تواضع سے ایسا قیدی بنا لیا تھا کہ یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، مغرب کے بعد اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ سید متین میاں اور مولانا رستم علی صاحب کے علاوہ سید صاحب کے بہت سے متعلقین ہمیں الوداع کہنے کے لیے اسٹیشن پر موجود ہیں- رات ساڑھے آٹھ بجے ہم نے افسردہ دل اور نم آنکھوں کے ساتھ اہل محبت کو الوداع کہا-

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

۲۱ جون کو صبح پانچ بجے ہم مدراس اسٹیشن پر اترے، وہاں سید صاحب کے ایک ارادت مند جناب عبدالمالک صاحب ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے- فجر کا وقت نکل رہا تھا، لہٰذا پہلے وہ ایک قریبی مسجد میں لے گئے، مگر جب تک ہم وضو کر کے آتے سورج طلوع ہو چکا تھا- ہمیں آٹھ بجے ائیر پورٹ پہنچنا تھا، وقت کم تھا، لہٰذا عبدالمالک صاحب اپنے گھر لے گئے، وہاں ناشتہ ہوا اور پھر ان کی گاڑی میں

www.Qadri.info

ائیر پورٹ کے لیے روانہ ہوئے - یہ فلائٹ بھی تاخیر سے تھی - جب ہم دہلی ائیر پورٹ پر اترے تو دوپہر کے پونے دو بج رہے تھے -

ہم نے بخیر وعافیت واپسی پر اللہ کا شکر ادا کیا اور یہاں سے ہمارے راستے الگ الگ ہوگئے ،خوشتر نے اپنے گھر کا رخ کیا اور مَیں نے بدایوں کے سفر کا آغاز -

﴿ماہ نامہ جامِ نور: ستمبر ۲۰۰۷ء﴾

□□□

www.Qadri.info

ہم نے دیکھا پاکستان

کچھ تو رنگین ہے یوں ہی لب ورخسار کی بات
اور کچھ خونِ جگر ہم بھی ملا دیتے ہیں

مجھے خوشتر کے ساتھ سفر کرنے کے ایسے ایسے تلخ تجربات ہو چکے ہیں کہ ہر سفر کا اختتام اس قَسم پر ہوتا ہے کہ ''یہ میرا تمہارے ساتھ آخری سفر ہے'' مگر مجھے ہر بار اپنی اس قَسم پر قائم رہنے میں اتنی ہی دشواری پیش آتی ہے جتنی انتخابات میں کئی بار ہارے ہوئے امیدوار کو اگلا الیکشن نہ لڑنے کا فیصلہ کرنے میں ہوتی ہے۔مَیں ہزار کوشش کے باوجود اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا، ہر بار کچھ ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ مجھے اپنی یہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ہندوستان کے طول وعرض میں ہمارے اتنے سفر ایک ساتھ ہو چکے ہیں اگر مَیں کسی پروگرام میں اکیلا جاؤں تو لوگ پوچھتے ہیں کہ مولانا خوشتر نورانی صاحب نہیں آئے؟ اور یہی سوال لوگ خوشتر سے بھی کرتے ہیں۔

بیرون ملک ایک ساتھ یہ ہمارا پہلا سفر تھا، اس سفر کے اسباب کچھ یوں بنے کہ ہمیں Q T.V کی جانب سے پروگرامس کی ریکارڈنگ کا دعوت نامہ موصول ہوا، اس دعوت نامے کو Q T.V کے اسٹوڈیو سے جام نور کے آفس تک پہنچانے میں محترم صبیح رحمانی صاحب نے ''حداوسط'' کا کردار ادا کیا، منطق کی کتابوں میں ''حداوسط'' گرا کر ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، مگر صبیح گرنے والوں میں نہیں ہیں وہ تو اس پورے سفر میں شکل اول کے بدیہی نتیجے کی طرح سر پر مسلط رہے۔علمی، ادبی اور مذہبی حلقوں میں صبیح رحمانی کی شناخت کے متعدد حوالے ہیں، نعت گو، نعت خواں، نعتیہ ادب کے عالمی میگزین نعت رنگ کے مدیر اعلیٰ، صاحب طرز ادیب ونثر نگار اور پھر Q T.V سے وابستگی نے ان کو عالمی سطح پر متعارف کروا دیا ہے۔دنیا صبیح کی ان حیثیتوں سے متاثر ہو تو ہو مگر ہم جیسے آشفتہ سر تو ان کے اس لیے گرویدہ ہیں کہ وہ

www.Qadri.info

یاروں کے یار ہیں-صبیح سے واقفیت نعت رنگ کے ذریعے ہوئی اور جام نور نے ہمیں صبیح کے مطالعے کی میز تک پہنچایا-گزشتہ سفر پاکستان میں ان سے پہلی ملاقات ہوئی، ہم تو اسی وقت تاڑ گئے تھے کہ:

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دوچار ملاقاتوں میں

جب وہ گزشتہ جون میں انڈیا ''پدھارے'' تو وہی ہوا جو ہونا تھا کہ.....ع

آپ سے پھر تم ہوئے پھر تو کا عنواں ہو گئے

پاکستان کا ویزہ ہندوستانیوں کو بہت آسانی سے مل جاتا ہے، بشرطے کہ آپ کے پاس کوئی بہت بڑا اسورس ہو یا پھر آپ صاحب کرامت ہوں، اپنے بارے میں ان دونوں میں سے کوئی بھی بات کہنا خود ستائی ہوگی، لہٰذا مَیں خوشتر کے حق میں اس مصرعے کے ساتھ دست بردار ہو رہا ہوں کہ.....ع

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

بہر حال کسی طرح ویزہ حاصل کیا- پہلے ۲۵/اکتوبر کو روانگی کا پروگرام بنا، مگر درمیان میں عرس قاسمی مارہرہ شریف کی وجہ سے ا/نومبر کی ٹھہری، ٹکٹ بھی کنفرم کروالیا گیا، مگر عین وقت پر میرے گردے میں پتھری کا درد ہو گیا، پتھری پر یاد آیا کہ ایک بڑی شخصیت کے گردے میں چند پتھریاں ہو گئیں تو ان کے ایک بے تکلف دوست نے ان سے کہا کہ ''مولانا! ایسا لگتا ہے کہ قدرت اندر سے آپ کو سنگ سار کر رہی ہے''، میرے درد پر خوشتر نے یہ پھبتی کسی کہ یار پتھری کا علاج کروا کر پاکستان چلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹی وی پر لائیو پروگرام چل رہا ہو اور تم اچانک پیٹ پکڑ کے درد سے کراہنے لگو-مَیں نے اس بے موقع مذاق کے جواب میں وہی کیا جو ایک مہذب آدمی کسی غیر شریفانہ مذاق کے جواب میں کرتا ہے یعنی خاموش رہا-

آخر کار ۲۲/نومبر کو روانگی طے ہوئی، دوپہر میں تین بجے کی فلائٹ تھی، ائیر پورٹ جا کر معلوم ہوا کہ فلائٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہے-کامن ویلتھ گیمز اپنے تمام تر گھٹالوں اور بدعنوانیوں کے باوجود ملک کی راجدھانی دہلی کو بہت کچھ دے گئے، ان گیمز کی برکتوں سے دہلی کا انٹرنیشنل ائیر پورٹ بھی محروم نہیں رہا، غریبی، بے روزگاری، اور کثیر آبادی کے بوجھ تلے دبے ہوئے تیسری دنیا کے اس ترقی پذیر ملک کا ائیر پورٹ اب کسی بھی جہت سے ترقی یافتہ ملکوں کے ائیر پورٹ سے کم نہیں ہے- دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا ہم نے اندر ہی ایک ریسٹوراں کا انتخاب کیا اور کھانے کا آرڈر دیا-اسی درمیان خوشتر نے اپنے

www.Qadri.info

بیگ سے اپنی نئی شائع شدہ کتاب ''روبرو'' کی دو جلدیں نکالیں اور میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے مجھے داد طلب نگاہوں سے دیکھا- مَیں نے کتاب الٹ پلٹ کر دیکھی اور کہا کہ ''ہاں اچھی چھپی ہے، مگر تحقیق و تفہیم اور خامہ تلاشی کے معیار کی نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ کتاب واقعی دیدہ زیب اور خوب صورت چھپی ہے''- روبرو دراصل ان انٹرویوز کا مجموعہ ہے جو اب تک جام نور میں شائع ہو چکے ہیں، ان انٹرویوز کو مرتب نے تین جلدوں میں ترتیب دیا ہے، پہلی جلد میں علما و مشائخ، دوسری میں ادبا، شعرا اور مفکرین، تیسری میں ملی اور سیاسی شخصیات، فی الحال دو جلدیں منظر عام پر آئی ہیں ان پر خوشتر کا ایک وقیع مقدمہ بھی ہے جو مسلم صحافت کے مختلف تاریخی ادوار پر روشنی ڈالتا ہے اور بلا شبہ شایانِ مطالعہ ہے-

اسی دوران کراچی سے مولانا حسین عطاری کا فون آیا، انہوں نے یہ اطلاع دی کہ کل مولانا کوکب نورانی صاحب ساؤتھ افریقہ کے دورے پر جا رہے ہیں، لہٰذا ان سے آج ہی ملاقات کرنا ہوگی- ہم نے فوراً مولانا کو فون لگایا، انہوں نے محبت آمیز خفگی کا اظہار کیا کہ ''اللہ کے بندوں پہلے سے اطلاع تو کر دیتے کہ کس تاریخ میں آ رہے ہو تا کہ مَیں اپنا پروگرام اسی کے مطابق بناتا''-

خیر خدا خدا کر کے فلائٹ کا وقت ہوا، پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن (P.I.A) کے طیارے نے دہلی ایئر پورٹ سے پرواز بھری، ہم پورے دو گھنٹے ڈرے سہمے بیٹھے رہے کہ اب کوئی مرد مجاہد اٹھے اور یہ اعلان کرے کہ یہ طیارہ کراچی نہیں بلکہ پیرس جائے گا، مَیں اسے ایفل ٹاور سے ٹکرانے کے لیے ہائی جیک کر رہا ہوں- مگر خدا کا شکر ہے کہ ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا اور ہم بخیر و عافیت شام چھ بجے کراچی ائر پورٹ پر اتر گئے- قانونی کاروائیوں سے گزر کر باہر نکلے، مجھے لینے کے لیے میرے عم مکرم حضرت عبد المجید اقبال قادری صاحب اور دیگر کئی رشتہ دار و احباب موجود تھے- خوشتر کے استقبال کے لیے حضرت قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی صاحب کے صاحبزادے مولانا سرور مصطفیٰ اعظمی صاحب اور دیگر افراد آئے تھے- میرا قیام اقبال میاں صاحب کے گھر ہونا تھا اور خوشتر کو قاری صاحب کے دولت خانے پر قیام کرنا تھا، ایئر پورٹ سے ہم لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے-

پاکستان آ کر ایک مسئلہ ہمیشہ پریشان کرتا ہے کہ یہاں میرے ملنے والوں کے تین طبقے ہیں، ایک رشتہ داروں کا، دوسرا طبقہ اہل علم و ادب کا اور تیسرا وابستگان خانقاہ قادریہ کا، ان تینوں میں وقت کی تقسیم کے سلسلے میں انصاف کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے، اعزہ سے لڑائی مول نہیں لی جا سکتی، اہل علم و ادب میں

www.Qadri.info

میری ذاتی دلچسپی ہوتی ہے، لہٰذا احباب سلسلہ ہی نقصان میں رہتے ہیں اور ان کے ساتھ خود مَیں بھی- رشتہ داروں کے بارے میں برادرم اکرام احمد رزاقی صاحب کا کہنا ہے کہ پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ آپ کے کچھ رشتہ دار پاکستان چلے گئے ہیں، مگر حضرت کے ساتھ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ صرف کچھ ہندوستان میں رہ گئے ہیں باقی سب پاکستان میں ہیں-

مَیں صبح سویرے بدایوں سے چلا تھا، بدایوں سے دہلی تک کا ۵ رگھنٹے کا سفر، پھر ہوائی سفر اور خوشتر کی گفتگو کی تھکن، جس کی وجہ سے اس وقت کہیں جانے کی ہمت نہیں تھی، مگر کوکب صاحب سے ملاقات ضروری تھی- طے یہ پایا کہ مولانا حسین عطاری خوشتر کو لیتے ہوئے ادھر آئیں گے اور مجھے ساتھ لیتے ہوئے کوکب صاحب کے گھر جائیں گے- پروگرام کے مطابق ہم بعد عشا کوکب صاحب کے دولت کدے پر پہنچے- مولانا اپنی ''سدا بہار جوانی'' کے ساتھ گرم جوشی سے ملے، ان کی لائبریری بہت عمدہ ہے، مَیں نے کتابوں کی الماریوں پر ایک سرسری نظر ڈالی تو منھ میں پانی آ گیا- کوکب صاحب بین الاقوامی سطح کے خطیب ہیں، عالم ہیں، ادیب و ناقد ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، جس کا اندازہ ان کے پرلطف S.M.S سے ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ اکثر کرم فرماتے رہتے ہیں، ہم دونوں ہی ان سے بے تکلف ہیں، لہٰذا باتوں میں کب رات کے دو بج گئے پتہ ہی نہیں چلا- چلتے وقت انہوں نے پھر وہی کیا جو گزشتہ سال بھی میرے ساتھ کیا تھا، یعنی پہلی بار کسی ایسے خطیب سے سابقہ پڑا جو نذرانہ لینے کے ساتھ ساتھ نذرانہ دینے کا بھی حوصلہ رکھتا ہے- ہمارے ہزار (مصنوعی) انکار کے باوجود انہوں نے زبردستی ہم دونوں کی جیب میں پانچ پانچ ہزار روپے رکھ دیے-

۲۳ رنومبر کو صبح آمد لکھوانے کی قانونی کارروائی کرنا تھی، دفتر میں جا کر اندازہ ہوا کہ سرکاری دفاتر اور ان کے عملے کا حال تقریباً دونوں ملکوں میں یکساں ہے، اس سے فارغ ہو کر Q.T.V کے اسٹوڈیو پہنچے، صبیح رحمانی استقبال کو موجود تھے، حاجی عبدالرؤوف صاحب (چیرمین Q.T.V) سے ملاقات ہوئی، بعض اہم معاملات پر گفتگو ہوئی، دوپہر کا کھانا حاجی صاحب نے اپنے ساتھ کھلایا- حاجی صاحب بزرگوں بالخصوص سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے بڑے معتقد ہیں، میرے ساتھ وہ جس طرح پیش آئے اس سے اندازہ ہوا کہ بزرگوں کی نسبتوں کا بھی بڑا احترام کرتے ہیں- اس کے بعد صبیح رحمانی کے آفس میں پروگرامز کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں میٹنگ ہوئی، پورا شیڈول تیار ہوا، اسی درمیان صاحبزادہ

www.Qadri.info

تسلیم صابری بھی تشریف لے آئے، خوشتر سے یہ ان کی پہلی ملاقات تھی، جناب عزیز احسن صاحب بھی موجود تھے، مغرب باجماعت وہیں اسٹوڈیو میں ادا کی گئی، صبیح اور تسلیم صابری کی آج ریکارڈنگ تھی، اس لیے ہم لوگوں نے اجازت لی اور کل آنے کا وعدہ کر کے واپس ہوئے۔

کھانا کھا کر میں نے گھر میں کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لیا تو ''جہان حمد'' کے قرآن نمبر نے اپنی طرف متوجہ کیا، اس ضخیم نمبر کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرا مضمون ''قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ'' تقریباً ۶۰ رصفحات میں پورا کا پورا شائع کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں حمد و نعت پر تحقیقی و تنقیدی کام کے سلسلے میں جو تحریک چل رہی ہے یہ مجلّہ بھی اسی کا علم بردار ہے، مجلّے کے مدیر جناب طاہر سلطانی صاحب سے گزشتہ سفر میں ملاقات ہوئی تھی۔

۲۴ رنومبر کو پروگرام Q.Time میں صاحبزادہ تسلیم احمد صابری کے ساتھ خوشتر کا انٹرویو ریکارڈ ہونا تھا، ہم تقریباً ۱۲ ربجے اسٹوڈیو پہنچے، کھانا صبیح کے آفس میں ہوا، خوشتر تسلیم کے ساتھ سیٹ پر چلے گئے، صبیح رحمانی مجھے Q.T.V کے ریسرچ سینٹر میں لے گئے، یہاں ایک اچھی لائبریری ہے، جس میں علوم اسلامیہ، تاریخ اور ادب کی کتابوں کا ایک اچھا انتخاب ہے، یہیں المجلس العلمی کے ڈاکٹر عامر طس اور ڈاکٹر علی عمران صاحب سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں حضرات اسی سینٹر میں خدمات انجام دیتے ہیں، ڈاکٹر علی عمران صاحب کا خاص موضوع تفسیر و علوم قرآن ہے، صبیح نے ان کو بتایا کہ میں نے از ہر میں اسی موضوع میں تخصص کیا ہے، تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ڈاکٹر علی عمران وسیع المطالعہ روشن خیال اسکالر ہیں، کافی دیر ان سے علمی مذاکرہ ہوا، جس میں صبیح اور ڈاکٹر عامر طس بھی شریک ہو گئے۔ چند آیتوں کے اردو ترجمے کو لے کر مجھے ان سے اختلاف رائے ہو گیا، سنجیدہ اور علمی گفتگو رہی، ہم دونوں نے اپنے اپنے دلائل دیے، مگر محفل کے اختتام تک ہم دونوں ایک دوسرے کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔

پروگرام کے مطابق آج ہمیں دعوت اسلامی کے عالمی مرکز ''فیضان مدینہ'' کا دورہ کرنا تھا، تسلیم صابری کے ساتھ کچھ شاپنگ وغیرہ کرنا تھی اور رات میں مفتی حسین عطاری کے گھر دعوت تھی۔ ہم نے عصر کی نماز مرکز فیضان مدینہ میں ادا کی، مرکز کا معائنہ کیا، مدنی چینل کا اسٹوڈیو ہمیں دکھایا گیا، طبیعت مسرور ہوئی کہ بڑے پیمانے پر علمی، اصلاحی اور دعوتی کام ہو رہا ہے۔ یہاں سے فراغت کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق تسلیم صابری ایک جگہ ہمارے منتظر تھے، ہم نے کچھ دیر ان کے ساتھ شاپنگ کی،

www.Qadri.info

پھر وہ اپنے گھر لے کر آ گئے، یہاں چائے اور وائے سے تواضع کی، پھر ہم لوگ مفتی حسان عطاری کے دولت خانے پر پہنچے، یہاں مولانا حسین عطاری بھی موجود تھے-مفتی حسان عطاری دعوت اسلامی کے مرکزی دارالعلوم سے فارغ ہیں اور دعوت اسلامی کے دارالافتا میں فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے ہیں، فقہ وافتا کے علاوہ حدیث وعلوم حدیث کا اچھا درک رکھتے ہیں، ان کا تازہ کارنامہ صحیح بہاری کی تخریج وتحقیق ہے، اس کی پہلی جلد ابھی کچھ عرصہ قبل شائع ہوئی ہے، یہ ان کے خلوص ومحبت کا ہی کارنامہ ہے کہ مجھ جیسے کوتاہ قلم سے صحیح بہاری پر عربی میں مقدمہ لکھوا کے چھوڑا-فون اور ای میل کے ذریعے ان سے علمی تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے، گزشتہ سفر میں بھی انہوں نے اپنے گھر پر ضیافت کی تھی، اس بار بھی ان کی پرخلوص دعوت کے آگے ہمارا کوئی بہانہ نہیں چلا-مولانا حسین عطاری عرف غلام احمد رضا نوجوان عالم ہیں، دعوت اسلامی کے شعبہ رابطۂ علما سے متعلق ہیں، دینی جذبہ رکھتے ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ بااخلاق، ملنسار اور خوش گفتار ہیں، پاکستان بھر کے اہل علم سے رابطے میں رہتے ہیں، ان کے یہ رابطے ہمارے بھی کام آتے ہیں-مولانا حسان کے گھر میں ایک اچھی لائبریری ہے، جس میں زیادہ کتابیں حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ہیں، بقول خوشتر ''آپ تو کتابوں کی الماری پر ایسے لگتے ہیں جیسے گیہوں میں گھُن''، اگر اس جملے سے خوشتر گھُن کی اس عادت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ گیہوں دیکھتے ہی بے تابانہ اس سے لپٹ پڑتا ہے تو مجھے اس تشبیہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن اگر وہ لفظ گھُن سے کوئی اور معنی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس تشبیہ پر میرا احتجاج درج کیا جائے-خیر کچھ وقت حسان صاحب کی لائبریری میں گزارا، پرتکلف کھانا کھایا اور رات میں اپنے اپنے گھر کی راہ لی-

۲۵/نومبر کا دن بے پناہ مصروفیت کا گزرا-مَیں اپنے گھر سے روانہ ہوکر خوشتر کو لیتا ہوا Q.T.V کے اسٹوڈیو پہنچا-تقریباً ۱۲/بجے ریکارڈنگ شروع ہوئی، پہلی ریکارڈنگ پروگرام ''نقطۂ نظر''میں تھی، اس میں جناب شبیر ابوطالب ہمارے میزبان تھے، موضوع تھا ''اسلامی صحافت اور اس کے تقاضے''، یہ چوں کہ خوشتر کا خاص موضوع ہے، اس لیے انہوں نے خوب ہاتھ دکھائے، مَیں نے بھی گفتگو میں حصہ لیا، مگر سہرا خوشتر کے سر رہا-اس کے فوراً بعد پروگرام ''یوتھ کاؤنسلنگ'' میں ریکارڈنگ ہونا تھی، جس میں نوجوانوں کے مسائل پر گفتگو ہوئی، اس میں میری اور خوشتر کی الگ الگ ریکارڈنگ تھی-آج چوں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم وصال تھا، لہٰذا یوم عثمان کے سلسلے میں شام ۶/

www.Qadri.info

بجے سے ۸/ بجے تک دو گھنٹے کا خصوصی پروگرام تھا، جو لائیو ٹیلی کاسٹ ہونا تھا، اس میں جنید اقبال ہمارے میزبان تھے، پروفیسر نور احمد زئی، ڈاکٹر نور احمد شاہتاز اور مولانا سید مظفر شاہ صاحب ساتھی مقررین تھے، اس میں خوشتر صاحب موجود نہیں تھے، انہوں نے موقع غنیمت جانا اور صبیح رحمانی کے ساتھ شاپنگ پر نکل گئے۔

رات نو بجے خصوصی پروگرام ''ملاقات'' ریکارڈ ہونا تھا، جس میں صاحبزادہ تسلیم صابری کے ساتھ ہم دونوں کا انٹرویو تھا، یہ ایک گھنٹے کا پروگرام تھا، تقریباً گیارہ بجے ہم ریکارڈنگ سے فارغ ہوئے، مَیں نے اپنی کار واپس کر دی تھی، لہٰذا طے پایا کہ صبیح رحمانی خوشتر کو اپنے ساتھ ڈراپ کر دیں اور تسلیم صابری نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا، ہم نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ تسلیم جتنی نفیس گفتگو کرتے ہیں کھانے پینے کے معاملے میں بھی اتنے ہی نفاست پسند اور اعلیٰ ذوق کے مالک ہیں۔ کراچی کے مشہور علاقے حسین آباد میں فوڈ اسٹریٹ کے نام سے ایک سڑک ہے، جہاں انواع واقسام کے عمدہ اور بہترین کھانوں کے ریسٹوراں ہیں، تسلیم مجھے وہاں لے کر پہنچے، یہاں میرے پرہیز کا مسئلہ آڑے آیا، بہر حال کچھ نہ کچھ کھایا، ساڑھ بارہ بجے تسلیم صابری مجھے میرے گھر چھوڑتے ہوئے واپس ہوئے۔

۲۶/نومبر کو جمعہ تھا، خوشتر کو مَیں نے گاڑی بھیج کر اپنے گھر ہی بلا لیا، جمعہ کی نماز ہم نے قریب کی مسجد میں ادا کی، دوپہر کے کھانے کے بعد ہم جناب حکیم محمود احمد برکاتی صاحب سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔ علمی حلقوں میں حکیم صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں ہے، خانوادۂ شاہ ولی اللہ اور خاندان خیرآباد پر وہ اتھارٹی ہیں۔ حکیم صاحب کا علم وفضل اور ذاتی اوصاف اپنی جگہ، مگر مَیں ان سے اس لیے بھی رشتۂ محبت وعقیدت رکھتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) کے پوتے ہیں۔ میرے دادا حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی مولانا برکات احمد ٹونکی کے شاگرد تھے۔ ہمارے یہاں نسبتوں کا کتنا احترام کیا جاتا ہے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو مجھے عم مکرم اقبال میاں صاحب نے سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ غالباً ۱۹۵۷ء یا ۵۸ء میں جب حضرت عاشق الرسول آخری بار کراچی تشریف لائے تو صدیق بھائی کے گھر قیام پذیر تھے، صحت بہت خراب تھی، بغیر سہارے کے خود سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے، مریدین ومتوسلین کا مجمع تھا، اسی درمیان حکیم محمود احمد برکاتی صاحب (جو اس وقت نوجوان تھے) آئے اور مصافحہ کر کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئے، کافی

www.Qadri.info

دیر کے بعد کسی نے حضرت کو بتایا کے مولانا برکات احمد ٹونکی کے پوتے یہاں تشریف فرما ہیں، یہ سنتے ہی حضرت اپنی تمام تر کمزوری کے باوجود بے ساختہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے، حکیم صاحب کو آگے بلایا، دست بوسی کی اور فرمایا کہ ''صاحبزادے آپ نے اپنا تعارف بھی نہیں کروایا، اگر آپ ایسے ہی اٹھ کر چلے جاتے تو مَیں قیامت میں استاذ کو کیا جواب دیتا؟'' استاذوں اور استاذ زادوں کے ادب واحترام کی یہ ساری روایتیں اب صرف زبانوں اور کتابوں ہی کی زینت ہیں۔ (الا ماشاءاللہ)

گزشتہ سفر میں بھی مَیں نے حکیم صاحب کے دولت کدے پر حاضر ہو کر نیاز حاصل کیا تھا، انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ یہ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ مولانا ماہر القادری حکیم صاحب سے کہنے لگے کہ لوگ ہمیں وہابی کہتے ہیں، حالاں کہ شیخ کا نام عبدالوہاب تھا، لہٰذا یہ لفظ وہابی زبان کی رو سے کسی طرح درست نہیں ہے!! اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ''مولانا! پھر تو آپ کو بجائے ماہر القادری کے اپنے آپ کو ماہر عبدالقادری کہنا چاہیے!۔'' اس پر ماہر صاحب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

حکیم صاحب نہایت بزرگانہ شفقت کے ساتھ ملے، گفتگو کا زیادہ حصہ خیرآبادیات سے متعلق رہا، ہم نے مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کا پیغام ان تک پہنچایا کہ علامہ فضل حق خیرآدی کی وفات کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے کی مناسبت سے سال ۲۰۱۱ء کو علامہ فضل حق خیرآبادی کے سال کے طور پر منایا جائے، اس تجویز پر حکیم صاحب بہت خوش ہوئے اور اس سلسلے میں مفید رہنمائی فرمائی۔ خوشتر نے جام نور کے لیے حکیم صاحب سے انٹرویو کی درخواست کی، حکیم صاحب کے مطب کا وقت ہو رہا تھا، لہٰذا طے ہوا کہ سوالات لکھ کر بھجوا دیے جائیں، حکیم صاحب جوابات رقم کر کے ارسال فرما دیں گے۔

تقریباً شام پانچ بجے حکیم صاحب سے اجازت لی، اب ہمارا کارواں کراچی یونیورسٹی کے شیخ زائد اسلامک سینٹر کی طرف رواں دواں تھا، جہاں ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب سے ملاقات طے ہوئی تھی، ڈاکٹر صاحب کا مجلّہ ماہنامہ فقہ اسلامی میرے پاس آتا ہے اور پچھلے سفر میں مَیں نے اپنی کتابیں شاہتاز صاحب کو بھجوائی تھیں اور پھر تعارف کے لیے جام نور کا حوالہ کافی تھا۔ گزشتہ رات اسٹوڈیو میں ریکارڈنگ کے دوران ڈاکٹر صاحب سے ملاقات بھی ہو چکی تھی، خوشتر اپنی صحافیانہ عادتوں سے یہاں بھی باز نہیں آئے اور اپنا ریکارڈنگ کا ساز و سامان نکال کر ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کی فرمائش کر دی، شاہتاز صاحب نے بھرپور انٹرویو دیا، مغرب کی نماز ہم نے وہیں ادا کی اور پھر اجازت لے کر واپس ہوئے۔

www.Qadri.info

گھر واپسی پر برادرم فرید اقبال قادری صاحب نے مطالعے کے لیے مجھے دو کتابیں دیں، ''گلبانگ وحدت'' اور دوسری ''بہر زماں بہر زباں'' دونوں کتابیں نور احمد میرٹھی کی مرتبہ ہیں- پہلی کتاب میں غیر منقسم ہندو پاک کے ۲۱۱ر غیر مسلم شعرا کا تعارف اور ان کا حمدیہ کلام جمع کیا گیا ہے، جب کہ دوسری میں ۳۹۱ر غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام شاعر کے تعارف کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، غیر مسلم شعرا کے حمدیہ اور نعتیہ کلام پر ہندوستان میں بھی کام ہوا ہے، لیکن میرے خیال میں نور احمد میرٹھی کا یہ کام زیادہ وقیع ہے- بہر زماں بہر زباں کی ورق گردانی کے دوران مجھے ایک جھٹکا سا لگا، مَیں گرسرن لال ادیب لکھنوی کا تذکرہ پڑھ رہا تھا ،ان کے نعتیہ کلام کے ذیل میں ایک مثنوی بھی تھی، یہ دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا کہ اس مثنوی کے تقریباً ۲۳ر اشعار حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی کی مثنویٔ غوثیہ سے یا تو ہو بہو نقل کردیے گئے ہیں یا پھر معمولی لفظی تحریف کے ساتھ شامل کرلیے گئے ہیں، حضرت عاشق الرسول نے یہ مثنوی اپنے سفر عراق کے دوران ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۹ء میں نظم کی تھی، جو حضرت کے خلیفہ مولانا فخر الحسن قادری نے ۱۳۴۰ھ /۱۹۲۰ء میں حیدرآباد سے شائع کی تھی اور اس کے بعد سے کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے- گرسرن لال ادیب لکھنوی کی پیدائش ۱۹۰۲ء میں ہوئی یعنی جس وقت حضرت نے یہ مثنوی کہی ادیب صاحب اس وقت محض ۱۷ر برس کے تھے، حضرت کی مثنوی میں ۹۴ر شعر ہیں جب کہ ادیب کی مثنوی ۴۸ر اشعار پر مشتمل ہے، آپ اس کو توارد بھی کہہ سکتے ہیں مگر ایسے توارد پر قربان جایئے جو بیک وقت ۲۳ر اشعار میں ہو گیا ہو!-

۲۷ر نومبر: نواب نظام الدین خاں حیدرآبادی مرحوم اور نواب سعادت یار خاں مرحوم کے خاندان کا خانقاہ قادریہ سے قدیمی رشتہ عقیدت ومحبت ہے، تقسیم کے بعد یہ خاندان پاکستان منتقل ہوگیا، کرنل احمد اشرف اسی خاندان کے فرد تھے، پچھلے سفر میں ان لوگوں سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی، راشد نواب اور ان کی بہن جویریہ قادریہ نے بہت اصرار کیا تھا کہ اس بار پاکستان آنا ہو تو ہمیں کچھ وقت ضرور دیں- آج دوپہر میں ان کے گھر جانا طے ہوا، ہم روانہ ہو ہی رہے تھے کہ جہان حمد کے مدیر جناب طاہر سلطانی تشریف لے آئے، ان سے کچھ دیر ان کے مجلّے کے سلسلے میں گفتگو ہوئی، انہوں نے اپنے مجلّے کی مجلس ادارت میں میرا نام ڈالنے کی اجازت چاہی، مَیں ان کے اصرار کے آگے انکار نہیں کرسکا-......ع

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

www.Qadri.info

عم مکرم اقبال میاں اور موئید بھائی کے ساتھ ہم روانہ ہوئے، ان کا قلعہ نما مکان دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ریاست حیدرآباد مرحوم ہوگئی، نوابی ختم ہوگئی، مگر اس خاندان میں نوابانہ جاہ وحشمت کے آثار اب بھی باقی ہیں، انہوں نے اپنے خاندان کے دوسرے بہت سے افراد کو بھی کھانے پر مدعو کرلیا تھا، بہت اچھی گفتگو رہی، شریعت، روحانیت اور تصوف کے سلسلے میں بہت سے سوالات کیے گئے، مَیں نے اپنے محدود مطالعے کی روشنی میں اطمنان بخش جواب دیے، کھانا نہایت پر تکلف اور نوابی آن بان کے ساتھ تھا، البتہ ''حیدرآبادی کھٹاس'' ہر کھانے میں موجود تھی، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بُعدِ زمان ومکان کے باوجود ان لوگوں کی نسبت قادریت اب بھی بہت پختہ ہے-

شام کو کراچی میں مقیم اہل بدایوں کی جانب سے استقبالیہ کا پروگرام تھا، یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ بدایوں کی تاریخ، شعر وادب اور تہذیب وثقافت پر بدایوں میں اتنا کام نہیں ہوا جتنا پاکستان میں رہنے والے اہل بدایوں نے کر دکھایا- بدایونی تہذیب وروایات کا ترجمان ''ماہنامہ مجلّہ بدایوں'' کا اجرا کراچی سے ہوا اور اس نے پوری دنیا میں پھیلے ہوئے اہل بدایوں کو ایک پلیٹ فارم دیا- یہ مجلّہ پابندی کے ساتھ کم از کم دس بارہ سال نکلتا رہا، اب یہ سہ ماہی ہوگیا ہے- اس کے علاوہ ''دبستان بدایوں'' کے نام سے ان لوگوں نے ایک انجمن قائم کی ہے جو مختلف میدانوں میں خدمات انجام دیتی ہے- حامی ویلفیئر ٹرسٹ کراچی بھی اہل بدایوں کا قائم کیا ہوا ایک فلاحی اور رفاہی ادارہ ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ کراچی میں بدایوں کے سلسلے میں کوئی کام ہو اور اس میں محترم انور عزیز قادری بدایونی شامل نہ ہوں- انور عزیز مولوی محلّہ بدایوں میں پیدا ہوئے، مدرسہ قادریہ میں کھیلتے کودتے بچپن گزرا، پاکستان ہجرت کی، پھر پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا، ترقی کرتے کرتے لندن تک پہنچے، اس کے علاوہ بھی دنیا کے بہت سے ممالک میں رہے، زندگی کا زیادہ حصہ جکارتہ میں گزرا اس لیے ''انور عزیز جکارتہ والا'' کے نام سے مشہور ہیں- مجلّہ بدایوں، دبستان بدایوں اور حامی ویلفیئر ٹرسٹ ہر جگہ ایک اہم معاون اور سرگرم کارکن کی حیثیت سے موجود رہتے ہیں، حامی ویلفیئر ٹرسٹ کے صدر ہیں، جب کہ الحاج وسیم عمر بدایونی ٹرسٹ کے سرپرست ہیں، یہ حاجی سخاوت حسین قادری بدایونی کے خاندان سے ہیں- یہ استقبالیہ اسی ٹرسٹ کی جانب سے تھا، ساتھ میں عشائیہ کا اہتمام بھی تھا، تقریباً دو ڈھائی سو اہل بدایوں محفل میں موجود تھے- متعدد لوگوں کی بے موقع بے محل اور بے ربط تقریریں مَیں نے نہایت شرافت سے یہ خیال کر کے

www.Qadri.info

برداشت کیں کہ گویا یہ اس اعزاز کی قیمت ہے،ہم نے تمہیں اعزاز دیا تم نے ہماری تقریریں سنیں، چلو حساب برابر ہو گیا- آخر میں مَیں نے بھی اظہار خیال کیا، کہیں کہیں مائک اتنا عمدہ ہوتا ہے کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا، یہاں کا مائک بھی اسی قبیل کا تھا- وقت کافی ہو گیا تھا اور پنڈال کے دوسری طرف سے برتنوں کے کھڑکنے کی آواز کے ساتھ کھانے کی خوشبوئیں بھی آ رہی تھیں، اس لیے مَیں نے لوگوں کے صبر وضبط کا زیادہ امتحان لینا مناسب نہیں سمجھا- کھانے اور ملنے ملانے میں کافی وقت ہو گیا، دیر رات گھر واپسی ہوئی-

۲۸ نومبر کو ہماری ریکارڈنگ نہیں تھی ،اس لیے چند لوگوں سے ملاقات کا پروگرام بنا لیا،خوشتر صاحب مولانا سرور مصطفیٰ اعظمی صاحب کے ساتھ بازار گئے ہوئے تھے، مجھے کچھ اعزہ اور احبابِ سلسلہ کے گھر جانا تھا، پھر دوپہر تین بجے وہ ہمارے گھر آئے اور ہم لوگ مولانا شاہ حسین گردیزی صاحب سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے- شاہ حسین گردیزی صاحب کا نام ان کی کتاب ''حقائق تحریک بالا کوٹ'' کی وجہ سے علمی حلقوں میں معروف ہے، پھر ان کی تازہ تصنیف ''الذنب فی القرآن'' کو بھی علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی- اس کتاب میں ان کے اختیار کردہ موقف سے تو اختلاف کیا جا سکتا ہے،مگر ان کی اس کاوش کی اہمیت اور وقعت سے نہیں- اس اختلافی مسئلے پر زیادہ سے زیادہ جو مواد ہو سکتا تھا وہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں نہایت سلیقے سے جمع کر دیا ہے- حضرت تاج الفحول کی فارسی کتاب تصحیح العقیدہ اور مفتی صدر الدین آزردہ کی کتاب منتہی المقال کا اردو ترجمہ کر کے شائع کر چکے ہیں- شاہ صاحب نہایت خندہ پیشانی سے ملے، حالاں کہ ہم لوگ کھانا کھا کر آئے تھے، پھر بھی انہوں نے کھانے کا اہتمام کر لیا تھا،کھانے کے دوران مختلف موضوعات پر علمی تبادلۂ خیال ہوا،خوشتر صاحب یہاں بھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئے تھے، چناں چہ انہوں نے شاہ صاحب سے جام نور کے لیے انٹرویو کی فرمائش کی، شاہ صاحب نے بڑا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کروایا- شاہ صاحب کے اخلاق وتواضع اور سادگی نے متاثر کیا- چلتے وقت گردیزی صاحب نے فرمایا کہ ''مولانا فضل رسول بدایونی اور حضرت تاج الفحول کی کتابیں اور تذکرے پڑھے اور سنے تھے، آج آپ سے ملاقات کر کے ایسا لگتا ہے جیسے ان بزرگوں سے ملاقات ہو رہی ہے''-

شاہ صاحب سے اجازت لینے کے بعد اب ہماری اگلی منزل قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی صاحب کا

www.Qadri.info

دولت خانہ تھا- قاری صاحب حضرت صدرالشریعہ کے صاحبزادے ہیں اوراب ان معدودے چند لوگوں میں باقی بچے ہیں جنہوں نے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں- ان کے صاحبزادے مولانا سرور مصطفیٰ اعظمی صاحب نے آج شام کی چائے کا اہتمام کیا تھااور کراچی کے کچھ دوسرے علما کو بھی مدعو کر دیا تھا، یہ سب لوگ جام نور کے مداح تھے اور ہم لوگوں سے ملنے کے مشتاق بھی- قاری صاحب سے میری ایک ملاقات ہندوستان میں بھی ہو چکی ہے، وہ عمر کی جس منزل میں ہیں اس کی وجہ سے مجھے گمان تھا کہ وہ اس ملاقات کو بھول گئے ہوں گے، مگر ملتے ہی انہوں نے کہا کہ آپ سے گھوسی میں ڈاکٹر شکیل اعظمی صاحب کے گھر ملاقات ہوئی تھی، علما سے گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ یہاں لوگ اسید الحق سے زیادہ ابوالفیض معینی کو یاد کرتے ہیں-

آج رات ہماری دعوت حضرت مولانا ڈاکٹر ابوالخیر زبیر صاحب نقشبندی کے دولت خانے پر تھی- ڈاکٹر صاحب علمی اور روحانی خانوادے کے فرد ہیں اور پھر انہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں سے اپنے خانوادے کی عظمت کو چار چاند لگائے ہیں، آپ حضرت مولانا رکن الدین الوری صاحب کے پوتے اور مفتی اعظم دہلی حضرت مفتی مظہراللہ دہلوی کے نواسے ہیں، ممبر آف پارلیمنٹ اور وزیر بھی رہے ، اس وقت جمعیت علمائے پاکستان کے صدر ہیں- یہ وہی جمعیت ہے جس میں ایک زمانے تک مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب صدر رہے اور ان کے بعد حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے زمانے تک اس کی مسند صدارت کو زینت بخشی- ڈاکٹر ابوالخیر زبیر صاحب علم بھی ہیں اور صاحب قلم بھی، مختلف تحقیقی موضوعات پر آپ کی متعدد کتابیں میرے مطالعے میں آچکی ہیں ،آپ کے بڑے صاحبزادے صاحبزادہ عزیر ازہری ازہر شریف میں میرے دوست تھے، حیدرآباد (سندھ) میں آپ کی خانقاہ اور بہت عظیم الشان ادارہ ہے- صاحبزادہ عزیر صاحب نے مصر سے واپسی کے بعد اپنے ادارے کے نظام اور نصاب تعلیم میں کچھ اصلاحات کرکے اس کو مزید بلندیوں تک پہنچایا ہے، عزیر صاحب کا اصرار تھا کہ حیدرآباد آجاؤ، مگر ویزہ کا مسئلہ تھا، گزشتہ سفر میں بھی انہوں نے کرم فرمایا تھا اور کراچی مجھ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، مَیں نے فون پر کہا کہ پچھلی بار بھی آپ کے والد محترم سے نیاز حاصل نہیں ہو پایا تھا، لہٰذا مَیں چاہتا ہوں کہ حضرت سے ملاقات کی کوئی صورت نکالیں- اتفاق سے آج حضرت کراچی آنے والے تھے، اس لیے آج رات کا وقت طے ہوا تھا- صاحبزادہ عزیر بھی حیدرآباد سے کراچی تشریف لے آئے ، ہم لوگ تقریباً آٹھ بجے عزیر صاحب کے دولت خانے پر پہنچے، حسب عادت عزیر

www.Qadri.info

صاحب بڑے تپاک اور محبت سے ملے، بہت دیر تک از ہر کے زمانۂ طالب علمی کی یادیں تازہ ہوتی رہیں، پھر حضرت ڈاکٹر زبیر صاحب سے نیاز حاصل ہوا، ان سے بھی خوشتر نے تفصیلی انٹرویو لیا، کھانے کے بعد ہم نے اجازت لی اور رات میں ۱۲/بجے تک گھر پہنچے۔

۲۹/نومبر کو شام میں ہمارے دو پروگرام ریکارڈ ہونا تھے۔ صبح میں میرے ایک عزیز جناب اظہر عباس ہاشمی صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ پاکستان کے ادبی حلقوں میں یہ ایک جانا پہچانا نام ہے، کراچی کی ادبی اور شعری فضا کو اپنی مختلف سرگرمیوں سے گرم رکھتے ہیں، خود شاعر تو نہیں ہیں، مگر ہزاروں شعر نوک زبان پر ہیں۔ دوپہر میں خوشتر ہمارے گھر آ گئے، پھر ہم ایک ساتھ QT.V کے اسٹوڈیو پہنچے۔ ہم لوگ صبیح رحمانی کے آفس میں بیٹھے تھے کہ اچانک میرے فون پر کال آئی، معلوم ہوا کہ دعوت اسلامی کے دفتر سے فون ہے، انہوں نے بتایا کے امیر دعوت اسلامی مولانا الیاس قادری صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں، کچھ دیر بعد مولانا کی آواز سنائی دی، محبت اور تواضع ان کی آواز اور انداز گفتگو دونوں سے ظاہر ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا کہ آپ حضرات ایک وقت کا کھانا میرے ساتھ کھالیں۔ مگر ہمارے پروگرام اس طرح سیٹ تھے کہ وقت نکالنا مشکل ہو رہا تھا، غور و فکر کے بعد اگلے دن رات کی دعوت طے ہوئی، حالاں کہ ہمیں صبیح رحمانی کی بہن کی شادی میں بھی اسی دن جانا تھا۔ کچھ دیر صبیح سے باتیں ہوتی رہیں، پھر تسلیم صابری آئے اور ہمیں سیٹ پر لے گئے، پروگرام خوشبوئے حسان کی ریکارڈنگ ہونا تھی، اس پروگرام میں کسی بھی نعت گو شاعر کی شخصیت اور نعتیہ شاعری پر گفتگو کی جاتی ہے ۔تسلیم صابری اپنی باوقار شخصیت، خوبصورت آواز اور پرکشش لب و لہجے کے ساتھ اس پروگرام میں میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ آج یکے بعد دیگرے دو پروگرام ریکارڈ ہونا تھے، ایک مفتی لطف بدایونی کی حیات اور شاعری پر دوسرا مولانا ہادی القادری بدایونی کی شخصیت اور شاعری پر، دونوں میں خوشتر میرے ساتھ تھے، ریکارڈنگ کے دوران بزرگ شاعر اور محقق محترم مہر وجدانی صاحب موجود رہے ۔ یہ بھی بڑی باغ و بہار شخصیت ہے، عمر کے اس حصے میں کم ہی لوگ اتنے زندہ دل اور ظریف الطبع ہوتے ہیں، فارسی اور اردو کے کہنہ مشق صاحب دیوان شاعر ہیں، QT.V میں اسکرپٹ رائٹر ہیں اور جگ استاذ ہیں، تسلیم صابری ان کو استاذ کہتے ہیں، لہٰذا ہم لوگ بھی ان کو استاذ کہنے لگے۔ لگ بھگ روز ہی ان سے ملاقات ہوتی تھی، نہایت سادگی سے قہقہہ بردوش جملے بولتے ہیں، اپنا دیوان بھی مرحمت فرمایا، اگلے

www.Qadri.info

دن مجھ سے پوچھا کہ حضرت کچھ ورق گردانی کی فرصت ملی؟ اس وقت تو واقعی فرصت نہیں ملی تھی، مگر بدایوں آکر جب مَیں نے دیوان کا مطالعہ کیا تو متاثر ہوئے بنا نہیں رہا۔

۳۰؍فروری کو صبح پروگرام ''روشنی'' میں خوشتر کی لائیو ٹرانس میشن تھی، جنید اقبال میزبان تھے، یہ پروگرام ہم نے اپنے گھر میں دیکھا، دن میں کچھ احباب اور اعزہ کے یہاں جانا تھا، مغرب کے وقت واپسی ہوئی، عشا کے بعد امیر دعوت اسلامی حضرت مولانا الیاس قادری صاحب کے گھر دعوت تھی، تقریباً آٹھ بجے ہم وہاں پہنچے، دعوت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے کچھ مخصوص افراد بھی موجود تھے، کھانے کے ساتھ مختلف دینی اور جماعتی موضوعات پر گفتگو بھی ہوئی، چوں کہ ہمیں ابھی صبیح رحمانی کی بہن کی شادی میں بھی شرکت کرنا تھی، اس لیے بادل نہ خواستہ مولانا الیاس قادری صاحب سے اجازت لی، انہوں نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

ہم شادی ہال پہنچے تو معلوم ہوا کہ شادی کیا ہے علما، شعرا، ادبا، اور نعت خوانوں کا اچھا خاصا اجتماع ہے۔ کیو ٹی وی اور نعت رنگ سے وابستہ اکثر افراد موجود تھے، لوگ الگ الگ ٹولیوں میں بٹے ہوئے محو گفتگو تھے، مذہب و سیاست سے لے کر شعر و ادب تک اور تحقیق و تنقید سے لے کر نعت خوانی کی دھنوں تک ہر قسم کا مسئلہ زیر بحث تھا، ہم بھی ایک حلقے میں بیٹھ گئے، جس میں تسلیم صابری، علامہ لیاقت حسین، مولانا حمزہ قادری، مہر وجدانی، عزیز احسن اور کئی دیگر اہل علم موجود تھے۔ ایک صاحب نے اپنی گفتگو کے دوران مولانا عبدالحامد بدایونی کا کئی بار تذکرہ کیا تو مَیں نے ان سے پوچھا کہ آپ ان کو کس طرح جانتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ''وہ نہ صرف یہ کہ میرے استاذ تھے، بلکہ خاص مربی اور محسن بھی تھے، مَیں نے ان کے ادارے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی ہے اور آج مَیں جو کچھ ہوں مولانا بدایونی کی ہی بدولت ہوں'' انہوں نے پوچھا کہ یہ سوال آپ نے کیوں کیا؟ مَیں نے بتایا اس لیے کہ وہ رشتے میں میرے بھائی تھے، میرے دادا کے شاگرد اور خلیفہ تھے، یہ سن کر وہ کھڑے ہو گئے اور سینے سے لگا لیا، معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر محمد احمد قادری ہیں، کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ سیاسیات میں پروفیسر ہیں، ذی علم شخصیت ہیں، یورپ میں کئی سال رہ کر دینی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ آدھی رات کے قریب اس محفل شادی سے واپسی ہوئی۔

۱؍دسمبر کو صبح کے پروگرام ''روشنی'' میں مجھے بولنا تھا، علامہ لیاقت حسین صاحب ساتھی مقرر تھے اور

www.Qadri.info

جنید اقبال ہمارے میز بان،سورۂ ہود کی چند آیات موضوع گفتگو تھیں، بہت اچھا پروگرام ہوا، دس بجے تک فارغ ہوئے، ناشتہ کیو ٹی.وی کے ریسرچ سینٹر میں علامہ لیاقت صاحب کے ساتھ ہوا، کچھ دیر ان سے گفتگو ہوئی، تقریباً بارہ بجے تسلیم صابری اور سید مظفر شاہ صاحب بھی آ گئے، اب خوشتر صاحب کا انتظار تھا، جو توقع کے عین مطابق تاخیر سے آئے- سیدنا عمر فاروق کے سلسلے میں خصوصی پروگرام کی ریکارڈ نگ ہونا تھی، اس پروگرام میں تسلیم صابری میز بان تھے، میرا پروگرام علامہ لیاقت صاحب کے ساتھ تھا اور خوشتر کو سید مظفر شاہ صاحب کے ساتھ بولنا تھا- ریکارڈ نگ سے فارغ ہوتے ہوتے شام کے چار بج گئے، جام نور کے لیے تسلیم صابری صاحب سے بھی انٹرویو لینا تھا، مگر اب تک وقت نہیں مل پایا تھا، ریکارڈ نگ سے فرصت ملی تو خوشتر نے تسلیم صاحب سے انٹرویو کے بارے میں کہا، وہ بھی اس وقت فری تھے اور ہمیں بھی فی الحال اور کوئی کام نہیں تھا، لہٰذا انٹرویو شروع ہوا اور بہت خوب رہا- مغرب کے بعد اسٹوڈیو سے واپسی ہوئی-

۲؍دسمبر: پاکستان میں کتابوں کی اصل منڈی تو لاہور میں ہے تاہم کراچی کا اردو بازار بھی اپنے اندر بڑے خزانے رکھتا ہے- آج خوشتر کی ریکارڈ نگ تھی، لہٰذا مَیں نے موقع غنیمت جان کر اردو بازار کا رخ کیا، اردو بازار بھی دہلی کے مٹیا محل کی طرح ہے جس میں ہر قدم پر ایک مکتبہ ہے- تین چار گھنٹے کتابوں کے ساتھ گزرے تو ایک نئی توانائی بدن میں آ گئی- ایک کتب خانے میں کتابیں دیکھنے لگا تو دکان دار نے پوچھا ''مولانا! آپ کو کس قسم کی کتابوں کی تلاش ہے؟ مذہبی؟ ادبی؟ تاریخی یا اور کچھ؟'' اب مَیں اس کو کیا بتاتا کہ پڑھنے پڑھانے کے معاملے میں ہمارا معدہ بہت مضبوط واقع ہوا ہے تفسیر کشاف اور صحیح ابن حبان سے منفلوطی کی عبرات و نظرات تک اور محمد حسین آزاد کی آب حیات سے لے کر قرۃ العین حیدر کی ''گردش رنگ چمن'' تک ہم ہر قسم کا مواد ہضم کر سکتے ہیں- یہاں بہت سی کتابیں خریدیں- دوپہر میں ایک عزیز کے گھر دعوت میں جانا ہوا-

آج دوپہر نقطۂ نظر پروگرام میں خوشتر کی ریکارڈ نگ تھی، موضوع تھا ''اتحاد امت امکان اور طریقۂ کار''، شبیر ابو طالب صاحب میز بان تھے، جب کہ ساتھی مقرر کی حیثیت سے دیو بندی مکتب فکر کے مفتی زبیر تھے- خوشتر اتحاد امت کے داعی ضرور ہیں، مگر اپنے مسلکی تشخص کی قیمت پر نہیں، وہ اپنے بنیادی اصول و عقائد میں کسی کمپرومائز کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا اتحاد امت کے اس پروگرام میں بھی

www.Qadri.info

افتراق امت واقع ہوگیااور خوشتر صاحب نے اپنے میزبان اور ساتھی مہمان دونوں سے اختلاف کیا-اس موقعے پر مجھے جمال الدین افغانی کا وہ تاریخی جملہ یادآیا جوانہوں نے اتحادامت سے مایوس ہوکرکہا تھا کہ اتفق المسلمون علیٰ ان لا یتفقوا مسلمانوں میں یوں تو بہت سے اختلافات ہیں،مگر اس بات پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ہم کبھی متفق نہیں ہوں گے-

اس سفر میں ابھی تک چند کو چھوڑ کر باقی عزیز واقارب سے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا،اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ فرداً فرداً سب کے گھر جاتا-اس مسئلے کا حل اباجی (عم مکرم حضرت عبدالمجید اقبال قادری صاحب) نے یہ نکالا کہ تمام رشتہ داروں کورات کے کھانے پر اپنے گھر مدعو کرلیا،جواعزہ ہندوستان میں ہیں ان سے تو آئے دن کا ملنا ہوتا ہے،مگر جولوگ پاکستان میں ہیں ان سے یہ میری دوسری اوربعض سے پہلی ملاقات تھی،اس لیے رشتوں کو سمجھنے میں بڑی دماغی کسرت کرنا پڑی-یوں تو مجھے رشتوں کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں ہمیشہ دشواری ہوتی ہے،مگر یہ مسئلہ یہاں اس لیے اور گمبھیر ہوگیا کہ ہمارے خاندان میں آپس میں شادی درشادی ہوکر رشتے اتنے پے چیدہ ہو گئے ہیں کہ ایک ایک آدمی سے میرے پانچ پانچ رشتے بن رہے ہیں-موئیداقبال قادری ایک رشتے سے میرے تایازاد بھائی ہیں،تو دوسرے رشتے سے پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں،چوں کہ وہ میرے والد کی سگی خالہ زاد بہن کے بیٹے ہیں،تیسرے رشتے سے وہ میرے بہنوئی ہیں اور پھرہم دونوں مل کر بیک وقت ربیعہ آپا کے چچازاد بھائی بھی ہوتے ہیں اور دیوربھی اورمزے کی بات یہ کہ ربیعہ آپا میری پھوپھی ہوتی ہیں،کیوں کے وہ میرے والد کی رضاعی بہن ہیں-رشتوں کا یہ مسئلہ اس وقت اور سنگین ہوجاتا ہے جب مجھے پتہ چلتا ہے کہ قاسم عثمانی صاحب کے بیٹے محمود عثمانی اورمسعود عثمانی جو مجھ سے عمر میں بڑے ہیں میرے پرپوتے ہیں-مولانا عبدالماجد بدایونی میرے بھائی تھے جو عمر میں میرے دادا سے بھی چند سال بڑے تھے اور میرے والد کی پیدائش سے ۸رسال پہلے انتقال فرماگئے-

سب اعزہ سے ملاقات ہوئی،پرتکلف کھانا ہوا،دعوت میں نثاراشرفی صاحب بھی تھے جو میرے بھتیجے (اور بھانجے بھی)احمد فرید قادری کے خسر ہیں-یہ خانوادہ اشرفیہ کی پاکستانی شاخ سے نسبت بیعت وارادت رکھتے ہیں-پاکستان میں حضرت سید شاہ احمد اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام محتاج تعارف نہیں ہے،ان کا وصال ۲۰۰۵ء میں ہوا،اب ان کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر ابوالمکرّم سید

www.Qadri.info

محمد اشرف صاحب خانقاہ اشرفیہ کراچی کے صاحب سجادہ ہیں، گزشتہ سال احمد کی شادی میں ان سے نیاز حاصل ہوا تھا، انہوں نے خانقاہ میں ہماری دعوت بھی کی تھی، ان کی محبت اور اخلاق نے متاثر کیا تھا، اس بار بھی میں ان سے ملاقات کا مشتاق تھا اور ان کو بھی ہمارے آنے کی اطلاع ہوگئی تھی، انہوں نے اس بار بھی دعوت کے لیے اصرار کیا، مگر وقت کی کمی کے سبب یہ طے ہوا کہ ابھی ان سے ملاقات کر لی جائے- کھانے کے بعد مَیں نثار صاحب کے ساتھ خانقاہ میں حاضر ہوا، مزارات پر فاتحہ پڑھی، ان کے بھائی مولانا حکیم سید اشرف جیلانی بھی نہایت متواضع اور خوش اخلاق ہیں اور اپنے خاندان کی روایتوں کے امین، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ خانقاہوں میں جو پرانی روایتیں اب ختم ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں ان کو ان بھائیوں نے کسی نہ کسی حد تک سنبھال رکھا ہے- چائے کا دور چلا، بہت سے معاملات پر تبادلہ خیالات ہوا، مَیں نے اپنی کچھ کتابیں انہیں پیش کیں، انہوں نے بھی اپنی کچھ کاوشیں عنایت کیں، رات میں تقریباً ساڑھے بارہ بجے واپسی ہوئی-

۳ر دسمبر: آج جمعہ کا دن تھا، ناشتے میں ایک عزیز کے گھر جانا ہوا، جمعہ کی نماز قریب کی مسجد میں ادا کی، جمعہ کے بعد کچھ احباب سلسلہ سے ملاقات طے تھی، آج خوشتر کو دارالعلوم نوریہ رضویہ کلفٹن میں جمعہ کی امامت وخطابت کے جوہر دکھانا تھے، SMS کے ذریعے کافی اشتہار کیا جاچکا تھا، لہٰذا معمول سے زیادہ لوگ نماز کے لیے آئے، بہت سے علما بھی خاص طور سے خوشتر کو سننے کے لیے آئے تھے، جناب نے ایک پرمغز، علمی اور فکری تقریر سے عوام اور علما دونوں کو متاثر کیا- مَیں وہاں موجود نہیں تھا، اس معلومات کا واحد ذریعہ خود خوشتر کی ذات ہے، لہٰذا دروغ بر گردن راوی مَیں اس کے صدق وکذب کا ذمہ دار نہیں ہوں، نماز کے بعد وہیں کھانے کی دعوت بھی تھی جس میں علما اور چند معززین بھی مدعو تھے وہاں بھی علما سے علمی تبادلہ خیال ہوا-

رات کو الحاج وسیم عمر کے گھر دعوت تھی، کچھ مخصوص اہل بدایوں اور بھی موجود تھے، وہیں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ مَیں بدایوں کا رہنے والا ہوں اور آپ کے والد محترم کا مرید ہوں- تعارف کے بعد پتہ چلا کہ یہ جناب غلام غوث سیفی ہیں جو پاکستان کے کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ جنگ کراچی کے مدیر ہیں، مجھے حیرت ہوئی کہ......ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے

www.Qadri.info

۴/دسمبر: آج دن میں دارالعلوم امجدیہ میں استقبالیہ محفل تھی- یہ پاکستان کے چند قدیم اور معیاری اداروں میں سے ایک ہے، بانی ادارہ حضرت مفتی ظفر علی نعمانی صاحب کے صاحبزادے مولانا ریحان رضا نعمانی آج کل اس کے مہتمم ہیں، وہ خوشتر کو ساتھ لیتے ہوئے ہمارے گھر تشریف لائے، پھر ہم لوگ ایک ساتھ دارالعلوم کے لیے روانہ ہوئے، وہاں علما اور طلبہ منتظر تھے، تمام اساتذہ سے ملاقات ہوئی، خاص طور پر علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب کے صاحبزادے مولانا اکرام المصطفیٰ اعظمی صاحب سے مل کر خوشی ہوئی- پہلے ادارے کے آفس میں علما اور اساتذہ سے مخصوص نشست ہوئی، اس کے بعد ایک وسیع وعریض حال میں محفل کا انعقاد کیا گیا- تلاوت ونعت کے بعد مولانا اکرام المصطفیٰ اعظمی صاحب نے ہم لوگوں کا تعارف کرایا، پھر سید مظفر شاہ صاحب نے خطاب فرمایا، اس کے بعد پہلے خوشتر اور پھر مجھے دعوت خطاب دی گئی، آخر میں مہتمم ادارہ مولانا ریحان رضا نعمانی صاحب نے اختتامی خطاب فرمایا- خوشتر کو آج اپنے کچھ اعزہ کے یہاں جانا تھا دوپہر میں میری بھی ایک جگہ دعوت تھی، لہٰذا یہاں سے ہماری راہیں جدا ہو گئیں- شام کو پروگرام فکر نو میں میری ریکارڈنگ تھی، اس لیے مَیں دعوت سے فارغ ہو کر سیدھا اسٹوڈیو پہنچا- پروگرام کا عنوان ''روحانیت'' تھا، دانش جلالی میزبان تھے، آج رات میں عزیز احسن صاحب کے گھر دعوت تھی، پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ خوشتر اپنے عزیزوں سے مل کر اپنی قیام گاہ پر ہمارا انتظار کریں گے اور ہم لوگ ان کو لیتے ہوئے عزیز احسن کے یہاں جائیں گے، مگر کسی وجہ سے خوشتر مصروف ہو گئے اور انھوں نے معذرت کر لی-

مَیں، صبیح رحمانی اور ڈاکٹر طارق شریف زادہ ایک ساتھ روانہ ہوئے- ڈاکٹر طارق شریف زادہ کا نام اس سفرنامے میں پہلی بار آیا ہے لہٰذا ان کا شایان شان تعارف کرانا ضروری ہے- شریف زادہ بڑی نستعلیق اور کڑھی ہوئی شخصیت کا نام ہے، جامہ زیب آدمی ہیں، لباس کا ایک خاص سلیقہ اور ذوق رکھتے ہیں، ان کی شخصیت میں سب سے اہم چیز ان کے خوب صورت بال ہیں، جن کو سنوارنے میں یقیناً ان کا خاصا وقت صرف ہوتا ہوگا، لیکن ہمیں اس سے کیا؟ ان کا وقت ہے جس طرح چاہیں صرف کریں، جملوں میں پھل جڑیاں چھوڑتے ہیں، دو جملوں کے درمیان ایک معنی خیز تبسم کے ساتھ اتنا وقفہ ضرور رکھتے ہیں کہ بندہ داد دے سکے- بقول صبیح شاعر بھی ہیں، صبیح کے بے تکلف دوست ہیں، لہٰذا ہمارے بھی دوست ٹھہرے- ہم تینوں جناب عزیز احسن صاحب کے دولت خانے پر پہنچے-

www.Qadri.info

عزیز احسن نعت رنگ کے مستقل قلم کار ہیں، نعت اور تنقید نعت کے حوالے سے ان کا بہت کام ہے، خود بھی نعت کے عمدہ شاعر ہیں، نعت کے موضوع پر ان کی کتابیں ''نعت کی تخلیقی سچائیاں''، نعت کے تنقیدی آفاق، اور ''ہنر نازک ہے'' علمی ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ ان سے مل کر خوشی ہوئی، بیٹھتے ہی نعت کی تنقید کے موضوع پر گفتگو شروع کر دی جیسے بھرے بیٹھے ہوں۔ بمشکل وہ تنقید کے بحر ذخار سے باہر آئے اور کھانا لگوایا، صبیح نے ان کے پائے کی بہت تعریف کی تھی، میرا مطلب ہے ان کے گھر کے پکے ہوئے پائے کی، کھانا لگا تو معلوم ہوا کہ گرما گرم پائے ہمارے منتظر ہیں۔ مَیں پچھلے کچھ ماہ سے پیٹ کی ایک تکلیف میں مبتلا ہوں، جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے گوشت اور مرچ مسالوں پر سخت پابندی لگا دی ہے، سفر میں بھی حتی الامکان پرہیز کرتا رہا، لیکن پائے کی کافرادائی نے ''پرہیزگاری'' کا سارا بھرم توڑ دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر نشست گاہ میں آئے، شغل چائے نوشی شروع ہوا تو پھر شعر و سخن کی بات آ گئی، ہم نے اصرار کر کے عزیز احسن صاحب سے ان کا کلام سنا اور محظوظ ہوئے۔ صبیح نے عزیز احسن کو یہ بتا کر مجھے دار پر چڑھا دیا کہ اسید شاعر بھی ہیں، اب عزیز احسن جیسے نقاد کے سامنے غزل سنا کر کوئی کیوں اپنی شامت کو دعوت دے! شاید یہی سوچ کر ابوالفیض معینی کے سامنے ہزار اصرار کے باوجود صبیح نے کچھ نہیں سنایا، بہر حال مَیں نے بھی اپنی شاعری سنائی ۔ اب شمع مشاعرہ شریف زادہ صاحب کے سامنے تھی، جو غزل انہوں نے اپنی کہہ کر سنائی اس کے تین شعر یاد رہ گئے۔

اس حد تک بھی جا سکتا ہوں — اپنا آپ گنوا سکتا ہوں

اپنے ساتھ نہیں ہوں لیکن — تیرا ساتھ نبھا سکتا ہوں

اتنی بھوک لگی ہے مجھ کو — مَیں دھوکا بھی کھا سکتا ہوں

آخر میں عزیز صاحب نے اپنی لائبریری دکھائی، جو انتہائی بے ترتیب ہونے کے باوجود بڑی وقیع ہے۔ وہاں کچھ دیر وقت گزارنے کو دل چاہتا تھا، مگر رات کافی ہو رہی تھی اس لیے ہم نے اجازت لی۔

۵/دسمبر: اتوار کی وجہ سے آج صبیح رحمانی کی چھٹی تھی، لہٰذا سیر و تفریح کا پروگرام بنا، صبیح اپنی گاڑی میں خوشتر کو لیتے ہوئے آئے اور مجھے لے کر کلفٹن کے ساحل سمندر کی طرف روانہ ہوئے، وہیں ساحل کے کنارے ایک عمدہ ریسٹوراں میں دوپہر کا کھانا کھایا گیا، وہیں کھانے کے دوران جام نور کے ''نعت

www.Qadri.info

نمبر'' کا خاکہ تیار کیا گیا، جو شاید اٹھتے وقت وہیں رہ گیا کیوں کہ اس کے بعد سے اب تک مَیں نے خوشتر صاحب کی زبان سے نعت نمبر کا کوئی تذکرہ نہیں سنا ہے، خدا اس نعت نمبر کو ''سواد اعظم نمبر'' ہونے سے بچائے- ساحل سمندر ہی پر صبیح نے ہم دونوں کو زبردستی اونٹ کی سواری کروادی، ایک اونٹ پر ہم دونوں سوار ہوئے، اونٹ کو سفینۃ الصحراء کہا جاتا ہے، اونٹ بڑی شان سے خراماں خراماں ہمیں لے کر چلا، اونٹ کا سفر کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے اس کا اندازہ اسی دن ہوا- زمین سے اتنی اونچائی پر ہلتے ڈلتے چلنے میں مجھے عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا، خوشتر یہ ظاہر کرنا چاہ رہے تھے کہ وہ نہ صرف یہ کہ بے خوف ہیں، بلکہ شتر سواری سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، بہت چہک رہے تھے، مَیں نے کہا اللہ کے بندے خاموش رہو کہیں آپ کی اس نغمہ سرائی کو اونٹ حدی خوانی سمجھ بیٹھا تو ابھی قابو سے باہر ہو جائے گا اور آپ کی ساری شوخی دھری کی دھری رہ جائے گی- ساحل کا ایک لمبا چکر لگا کر خدا خدا کر کے اونٹ واپس اپنے ٹھکانے پر آیا، اونٹ کے بیٹھنے کی بھی اپنی ایک عجیب ادا ہے، مَیں نے اونٹ سے اتر کے کہا کہ اس جملے کا مطلب آج سمجھ میں آیا کہ ''دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے!'' اس پر خوشتر نے چٹکی لی کہ اگر محاوروں کو عملی طور پر سمجھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو لگے ہاتھوں اونٹ کے منھ میں زیرہ رکھ کے بھی دیکھ لیں- شتر سواری کے بعد صبیح گھوڑے سواری کے درپے ہو گئے، بڑی مشکل سے ہم لوگوں نے جان بچائی- یہاں سے کیماڑی کے ساحل پر گئے، وہاں سیر و تفریح کر کے صدر میں ایک آئس کریم پارلر میں گئے، صبیح کے بقول یہ کراچی کی مشہور آئس کریم کی دکان ہے، آئس کریم واقعی مزے دار تھی- وہیں ایک بوڑھا کوئی ساز بجا رہا تھا، اس کو دیکھ کر اچانک خوشتر کا ''جذبہ افادۂ عامہ'' جاگ اٹھا، بولے کہ یہ طنبورہ ہے اور اسی کے اوپر فارسی کی وہ مشہور مثل ہے کہ ''من چہ می سرائم وطنبورہ من چہ می سرائد''، پھر داد طلب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولے کہ یقیناً آپ کی معلومات میں اضافہ ہوا ہوگا، مَیں نے جواب دیا کہ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ یہ طنبورہ ہے اور فارسی کی یہ مثل بھی چند ماہ پہلے مَیں نے ہی آپ کو بتائی تھی، مگر اب آپ اپنی معلومات میں یہ اضافہ کر لیں کہ ساز کے تار کو عربی میں الوَتَر کہتے ہیں، اسی پر عربی کا یہ محاورہ ہے کہ ضرب علی وتر حساس جس کا قریب المعنی محاورہ اردو میں ہے کہ ''دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا''- صبیح جو اب تک خاموش تھے، بولے کہ اب آپ دونوں حضرات اجتماعی طور پر اپنی معلومات میں یہ اضافہ کر لیں کہ یہ طنبورہ نہیں ہے، بلکہ اس کو گٹار کہتے ہیں، مَیں نے کہا کہ بھائی یہ مراثیوں کا موضوع ہے، اس سلسلے

www.Qadri.info

میں ہماری معلومات محدود ہے،لہٰذا آپ جو کہہ رہے ہیں وہی صحیح ہوگا!-

آج رات میرے بھتیجے عبدالعلی محمد قادری کی منگنی کی رسم تھی،اس لیے مَیں گھر واپس آ گیا اور خوشتر صبیح رحمانی کے ساتھ کہیں اور چلے گئے-

۶ردسمبر کو کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر محمد احمد قادری صاحب سے ملاقات کا پروگرام تھا،جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے- دن میں ایک بجے ان سے ملاقات طے ہوئی،مَیں اور خوشتر موئید بھائی کی رہنمائی میں کراچی یونیورسٹی پہنچے،پروفیسر صاحب کے چیمبر میں ان کے بھائی پروفیسر عبداللہ قادری صاحب اور ڈاکٹر عابد حسنین صاحب بھی موجود تھے،ڈاکٹر عابد صاحب نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات کے بارے میں سوال کیا،خوشتر نے اس کا بڑا نپا تلا جواب دیا- گفتگو آگے بڑھی تو پروفیسر عبداللہ قادری صاحب نے حدیث اختلاف امتی رحمۃ کی صحت وضعف کے سلسلے میں میری رائے جاننا چاہی،مَیں نے تفصیلی جواب دیا،پھر خوشتر نے حسب عادت ڈاکٹر محمد احمد قادری صاحب سے بھی انٹرویو کیا- پھر ڈاکٹر صاحب نے یونیورسٹی کے مختلف شعبے دکھائے اور کئی اہم شخصیات سے ملاقات کروائی،پانچ بجے واپسی ہوئی-

ہماری اگلی منزل ''بیدل لائبریری'' تھی،وعدے کے مطابق صبیح رحمانی بھی وہیں پہنچ گئے- اس لائبریری کی ایک خصوصیت اس کے مجلّات کا سیکشن ہے،پرانے مجلّات کی فائلیں بڑے اہتمام سے رکھی گئی ہیں،مَیں نے ''العلم'' (کراچی) کی فائلیں نکلوائیں اور ان میں ڈوب گیا،صبیح رحمانی نے خوشتر کو بھی کسی رسالے کی فائل پکڑا کر مصروف کر دیا،مَیں نے فوٹو کاپی کے لیے العلم کے متعدد مضامین پر نشان لگائے،لائبریرین جناب زبیر صاحب بڑے کوآپریٹو آدمی ثابت ہوئے- اس لائبریری میں میرے لیے دوسری پُرکشش چیز پروفیسر ایوب قادری صاحب کا ذخیرہ کتب تھا،جس میں کافی تعداد میں قلمی نوادرات بھی ہیں- پروفیسر موصوف کے صاحبزادے نے ان کا سارا ذخیرہ بیدل لائبریری کو وقف کر دیا ہے،یہاں مجھے فارسی کی ایک ایسی قلمی کتاب ملی جس کی مجھے مدتوں سے تلاش تھی،ان شاء اللہ اس کا ترجمہ کرکے شائع کروں گا- اس کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں فوٹو کاپی کو دیں،لائبریری یوں تو آٹھ بجے بند ہو جاتی ہے،مگر ہم لوگ نو بجے تک وہاں رہے اور استفادہ کرتے رہے-

۷ردسمبر کی صبح جناب مجاہد بریلوی صاحب کے گھر ناشتے کی دعوت تھی- مجاہد بھائی میرے

www.Qadri.info

بہنوئی (پھوپھی زاد بہن کے شوہر) ہیں اور سید الطاف بریلوی صاحب (مدیر سہ ماہی العلم کراچی) کے صاحبزادے ہیں اور خود بھی صحافی ہیں، ان کے گھر بھی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے، پچھلے سفر میں بھی انہوں نے مجھے چھوٹ دے دی تھی کہ جو کتاب پسند آئے وہ لے لو اور اس بار بھی، مَیں نے کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لیا اور چند کتابیں منتخب کر لیں۔

دوپہر میں المجلس العلمی کی لائبریری کا دورہ کیا، خوشتر اور موئید بھائی بھی ساتھ تھے، ادھر سے صبیح بھی آ گئے۔ یہ لائبریری بھی بہت قیمتی ہے، بالخصوص عربی کا اچھا ذخیرہ ہے۔ یہاں بھی مَیں نے دو جلدوں پر مشتمل ایک نایاب کتاب کی فوٹو کاپی کروائی، خوشتر نے اپنے مطلب کی چیزیں تلاش کیں، صبیح کو آفس میں کچھ کام تھا، وہ چلے گئے۔

ہم نے بانی پاکستان کے مقبرے کا رخ کیا کہ یہ بھی کراچی میں ایک دیکھنے کی چیز ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر مَیں اور موئید بھائی پھر بیدل لائبریری میں آ گئے، خوشتر کو کہیں دعوت میں جانا تھا، وہ چلے گئے۔ لائبریری بند ہونے کے وقت تک مَیں پھر کتابوں میں سر کھپاتا رہا اور کئی کام کی چیزیں فوٹو کاپی کے لیے دے دیں۔

رات میں تسلیم صابری صاحب کی طرف سے دعوت تھی، وہ گھر پر آ کر مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک بہت اعلیٰ ریسٹوراں میں کھانے کا اہتمام تھا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو حسب وعدہ صبیح رحمانی اور اپنی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ڈاکٹر طارق شریف زادہ موجود تھے۔ طے یہ ہوا تھا کہ خوشتر دعوت سے فارغ ہو کر یہیں آ جائیں گے، کافی دیر انتظار کیا گیا، پھر ہم نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران خوشتر بھی آ گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر کراچی کی ایک مشہور دکان پر آئس کریم کھائی گئی، بہت پر لطف گفتگو رہی۔ صاحبزادہ تسلیم صابری کی یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ جیسی شستہ اور نپی تلی گفتگو وہ ٹی وی پر کرتے ہیں ویسی ہی گفتگو نجی محفلوں میں بھی کرتے ہیں، ورنہ بہت سے لوگ کیمرے کے سامنے الگ انداز میں بولتے ہیں اور نجی گفتگو میں ان کا لب ولہجہ الگ ہوتا ہے۔ مَیں اور خوشتر تسلیم کے ساتھ گاڑی میں تھے، صبیح اور شریف زادہ دوسری گاڑی میں۔ راستے میں تسلیم نے بڑی تمہید باندھ کر ایک لطیفہ سنایا، جس پر وہ خود ہنس ہنس کر بے حال ہو گئے، لطیفہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، مگر پھر بھی ہم نے ہنسی میں ان کا ساتھ دیا، اب بندے کو اتنا بھی حقیقت پسند نہیں ہونا چاہیے، آخر میزبان کے بھی تو کچھ حقوق ہوتے ہیں۔

www.Qadri.info

۸؍دسمبر: یہ ہمارا کراچی میں آخری دن تھا، کل ہماری واپسی ہونا تھی، ۱۱؍بجے ہم موئید بھائی کے ساتھ اردو بازار کی طرف روانہ ہوئے، اس دن تشنگی باقی رہ گئی تھی، شام چار بجے تک کتب خانوں کی خاک چھانتے رہے، بہت سی کتابیں خریدیں اور کچھ کے بارے میں تفصیلات نوٹ کیں- پاکستان میں ایک بڑا کام لوگوں نے یہ کیا ہے کہ بے شمار تراث کی کتابوں کے اردو ترجمے کر دیے ہیں، فتح الباری، تاریخ طبری، طبقات ابن سعد، البدایہ والنہایہ، اسد الغابہ، حلیۃ الاولیا، بیہقی کی شعب الایمان اور سب سے بڑھ کر تو مسند احمد بن حنبل وغیرہ کے اردو ترجمے مارکیٹ میں دست یاب ہیں، پاکستان کے شائع شدہ کچھ ترجمے ہندوستان میں بھی شائع ہو گئے ہیں- ایک دکان پر مغربی اسکالرز کی کتابیں نظر آئیں، مَیں نے کیرین آرمسٹرانگ کی The Battle For God خریدی اور خوشتر نے صموئل ہینٹگٹن کی مشہور زمانہ کتاب The Clesh of Civilizaeion اور جان پرکنز کی The Secret History of American Empire خریدی- شام کو گھر واپسی ہوئی تو مولانا حسین عطاری موجود تھے، یہ مجموعہ رسائل فضل رسول شائع کروا کر لائے تھے- اس مجموعے میں سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کے چھ رسائل ہیں، یہ تمام رسائل پہلے الگ الگ تاج الفحول اکیڈمی نے شائع کیے، پھر حضرت اشرف میاں مارہروی کی تقریظ اور مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کے طویل اور وقیع مقدمے کے ساتھ ''مجموعہ رسائل فضل رسول'' کے نام سے رضا اکیڈمی ممبئی سے شائع ہوئے، رضا اکیڈمی والے مجموعے میں پانچ رسائل ہیں، مولانا حسین عطاری نے اس میں مزید ایک اور رسالہ شامل کر کے اس کو اور بھی مفید بنا دیا- میری کتاب احادیث قدسیہ بھی مولانا حسین عطاری ہی کی کوشش سے پاکستان میں شائع ہوئی تھی اور اب وہ ''تحقیق و تفہیم'' کی اشاعت کی تیاری کر رہے ہیں- رب قدیر جزائے خیر عطا فرمائے-

آج یہاں آخری رات تھی، اس لیے صبیح نے کہا کہ آج میری طرف سے الوداعی ڈنر ہوگا- خوشتر کو لیتے ہوئے وہ ہمارے گھر آئے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ شریف زادہ صاحب بھی گاڑی میں موجود تھے- ''لال قلعہ'' نامی ریسٹورنٹ پہنچے، علامہ لیاقت حسین صاحب کا گھر قریب ہی تھا، صبیح نے فون کر کے ان کو بھی بلا لیا، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کھانا زیادہ پر لطف تھا یا شریف زادہ کی گفتگو، ہاں! اگر صرف صبیح اور خوشتر گفتگو کرتے تو یہ فیصلہ بہت آسان ہو جاتا- کھانے سے فراغت کے بعد علامہ لیاقت صاحب نے کہا

www.Qadri.info

کہ اتنا قریب آ گئے ہیں تو میری مسجد اور ادارہ بھی دیکھ لیں- ہم لوگ پیدل ہی ان کی مسجد کی طرف چل پڑے جو چند قدم پر تھی، واقعی بڑی پرشکوہ اور عالی شان مسجد تھی، روانہ ہوتے وقت ہم لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے، مگر علامہ لیاقت اور خوشتر محو گفتگو رہے، علامہ صاحب نے خوشتر کو اپنا کارڈ دیا جو خوشتر نے بڑے ادب سے لیا، جیسے ہی خوشتر گاڑی میں بیٹھے فوراً شریف زادہ نے فقرہ کسا کہ "آپ تو علامہ لیاقت کا کارڈ اتنی عقیدت سے لے رہے تھے جیسے علامہ اقبال کا کارڈ لے رہے ہوں" یہ کہہ کر شریف زادہ صاحب نے داد طلب نگاہوں سے ہم لوگوں کو دیکھا اور ہم ایک بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ پا سکے-

۹ر دسمبر: یہ پندرہ دن پلک جھپکتے میں گزر گئے، ان میں ریکارڈنگ بھی ہوئی، علمی مذاکرے بھی ہوئے، کتابوں سے استفادہ بھی ہوا، اہل علم سے ملاقاتیں بھی ہوئیں اور پیٹ بھر کے سیر وتفریح بھی ہوئی- سبھی لوگوں کی طرف سے ہمیں پذیرائی اور محبتیں ملیں جو یاد رہیں گی، مگر سید صبیح الدین صبیح رحمانی نے جس خلوص ومحبت کے ساتھ دوستی نبھائی ہے اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں ہے، مَیں شکریہ کے چھوٹے سے لفظ کے ذریعے صبیح کے آبگینۂ محبت کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا-

روانگی کے وقت ایک مسئلہ سامان کے وزن کا کھڑا ہو گیا، ایک آدمی کو ۲۰ رکلو وزن لے جانے کی اجازت تھی، مگر ہمارے سامان کا مجموعی وزن تقریباً ۹۰ رکلو ہو رہا تھا، ظاہر ہے کہ "چار پائے بر و کتابے چند" کی طرح یہ سارا وزن کتابوں کا تھا- اس مسئلے کو برادرم فرید اقبال قادری نے حل کروایا کہ وہ P.I.A میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں، ان کی وجہ سے وزن کا مسئلہ حل ہوا، کچھ اعزہ اور احبابِ سلسلہ الوداع کہنے کے لیے ایئرپورٹ تک آئے، ہم نے جہاز میں بیٹھ کر اس مصرع کے ساتھ سرزمین پاک کو الوداعی سلام کیا کہ......ع

روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

﴿ماہ نامہ جام نور: مئی ۲۰۱۱ء﴾

□□□

www.Qadri.info

تو کجا بہر تماشہ می روی

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی وفات پر ایک سوگوار تحریر

گذشتہ سال ۲۰۱۲ء کے عرس قاسمی (مارہرہ شریف) میں استاذ مکرم امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کو خانقاہ برکاتیہ نے اعزاز اور سپاس نامے سے نوازا تھا، اِس موقعے پر برادر عزیز مولانا عطیف قادری بدایونی نے تعارفی تقریر کی تھی- انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ:

> آج عام طور پر کسی عالم کی عظمت و وقعت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اس کو غزالیِ دوراں اور رازیِ زماں جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن مَیں نے خواجہ صاحب کے نام کے ساتھ ایسا کوئی لاحقہ نہیں لگایا، کیوں کہ ہمارے استاذ خواجہ علم وفن، علم وفن کی اُن بلندیوں پر فائز ہیں کہ آج سے پچاس سو سال بعد اگر کوئی عالم علوم عقلیہ میں غیر معمولی درک حاصل کرلے گا، فلکیات وریاضی میں مہارت تامہ پیدا کرے گا اور درس وتدریس کے میدان میں کوئی نمایاں خدمت انجام دے گا تو اُس کے معاصرین اُس کے بارے میں کہیں گے کہ ''یہ اپنے وقت کا خواجہ مظفر ہے''-

یہ ایک تقریری جملہ تھا، جو پوری خطیبانہ گھن گرج کے ساتھ کہا گیا تھا، وقتی طور پر لوگوں نے داد دی اور بات آئی گئی ہوگئی، لیکن آج جب کہ حضرت خواجہ صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں مجھے اِس جملے کی صداقت، معنویت اور حقیقت کا احساس ہورہا ہے-

ابھی چند ماہ پہلے ۲۴؍ مارچ ۲۰۱۳ء کو لکھنؤ میں امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار تھا، اس میں شرکت کر کے مَیں اسی روز شام کو حضرت کی خدمت میں دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور (فیض آباد) حاضر ہوا تھا، جس محبت وشفقت سے ہمیشہ پیش آتے تھے ویسے ہی ملے، البتہ چہرے سے کچھ کمزور، مریض اور تھکے تھکے

www.Qadri.info

سے محسوس ہوئے- بہت سی باتیں ہوئیں، کچھ علمی مسائل میں مَیں نے استفسار و استفادہ کیا، کچھ جماعتی حالات، کچھ ماضی کے تذکرے، کچھ مستقبل کے منصوبے، کچھ تفریح، کچھ ظرافت، کچھ شعر و شاعری، غرض کہ وہ سب باتیں ہوئیں جو ہمیشہ حضرت کی محفلوں میں بے تکلفی کے ساتھ ہوتی آئی ہیں- بس ایک نئی بات یہی تھی کہ یہ سب کچھ آخری تھا، آخری ملاقات، آخری زیارت، آخری محفل استفادہ، آخری بزم شعر و سخن اور آخری دیدار-

سفر آخرت سے ۶/روز قبل ۸/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۱۴/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو رات تقریباً سوا آٹھ بجے فون پر شرف کلام حاصل ہوا، قاری انعام الحق صاحب کے ذریعے مَیں نے کچھ سامان بھیجا تھا، حضرت نے پسند فرمایا- ساتھ میں مَیں نے اپنی نئی کتاب 'اکمل التاریخ' بھی حاضر خدمت کی تھی، اس کے بارے میں فرمایا کہ ''مَیں نے ابھی اس کی فہرست ایک طالب علم سے سنی، ماشاءاللہ بہت عمدہ کام کیا ہے''، ہمیشہ کی طرح حوصلہ افزائی فرمائی، دعاؤں سے نوازا- مَیں نے بتایا کہ مَیں نے 'قصیدتان رائعتان' پر بھی کام کیا ہے، جو عن قریب چھپ کر آنے والا ہے، اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور دیر تک دعاؤں سے نوازتے رہے- کسے معلوم تھا کہ یہ آخری بات ہے!-

عیدالاضحیٰ کے دن شام کو مَیں نے فون کیا، فون بزی تھا، بات نہیں ہو پائی، پھر مَیں کہیں مصروف ہوگیا- اگلے دن یاد آیا تو پھر فون کیا، فون بند تھا- شاید سال بھر پہلے کچھ مخلص احباب نے حضرت خواجہ صاحب پر کسی رسالے کا نمبر نکالنے کا عزم کیا تھا، ان لوگوں نے مجھ سے بھی رابطہ کیا، مَیں نے نہ صرف یہ کہ بہ خوشی مضمون لکھنے کی حامی بھر لی، بلکہ اس کو اپنی سعادت اور اپنا فرض سمجھا- یوں بھی مَیں مضمون کے نام پر خانہ پُری کرنے کا عادی نہیں ہوں اور پھر جب معاملہ خواجہ صاحب جیسے استاذ، محسن، مشفق، مربی اور نابغہ عصر کا تھا تو کسی بھی طرح میرے ضمیر اور میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اِس 'داستان یوسف' کو دو چار صفحات میں سرسری طور پر بیان کر کے احسان مندی اور حق شاگردی کو بدنام کروں- مَیں نے ارادہ کیا کہ پہلی مرتبہ حضرت پر قلم اٹھا رہا ہوں تو بہت تفصیل سے لکھوں گا، کیوں کہ......ع

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

مگر جیسا تفصیلی اور تحقیقی مضمون مَیں چاہتا تھا، اس کے لیے وقت اور فرصت درکار تھی، جو میسر نہیں آسکی اور یہ مضمون التوا میں پڑا رہا ہے- جو احباب نمبر کی تیاری کر رہے تھے انہوں نے کافی انتظار کیا-

www.Qadri.info

جب ایک عرصے تک میرا مضمون نہیں پہنچا تو انہوں نے اِس مجرم کا مقدمہ حضرت کی عدالت میں دائر کر دیا- حضرت نے فون پر فرمایا کہ ''یہ لوگ اہل محبت ہیں، بڑی محنت کر رہے ہیں، بہت سے مضامین آ چکے ہیں، تمہارا ہی مضمون اب تک نہیں آیا''- ملزم نے اقبال جرم کر کے سر تسلیم خم کر دیا، انکار کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور پھر مجھے پہلے بھی انکار کب تھا؟ معافی تلافی ہوئی، وعدہ وعید ہوا، لیکن پھر ایک عرصہ گذر گیا-

اسی دوران ایک بار مَیں نے مزاج پُرسی کے لیے فون کیا تو فرمایا کہ ''مضمون لکھا یا نہیں؟'' جواب نفی میں تھا، اِس پر فرمایا کہ ''کیا میرے مرنے کا انتظار کر رہے ہو؟ میرے مرنے کے بعد لکھو گے؟''

تقریباً یہی معاملہ خوشتر صاحب کے ساتھ بھی ہوا- اُس وقت تو یہ جملہ ہنسی مذاق میں ٹل گیا، لیکن آج یہ میرے دل پر ایک وزنی پتھر بن گیا ہے، جب بھی یاد آتا ہے تو ایک ہوک سی اٹھتی ہے، آہ! کاش اُس وقت دو چار صفحے میں ایک سرسری مضمون ہی لکھ دیا ہوتا-

چلنے والے ہی کو ٹھوکر لگتی ہے اور ٹھوکر کھانے والا ہی سنبھلتا ہے، اس جرم کے کفارے کے طور پر مَیں نے طے کیا ہے کہ اب حضرت خواجہ صاحب پر مستقل ایک کتاب لکھ کر ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت و محبت پیش کروں گا- جلدی بہت جلدی...... تا کہ ان کی قبر پر جا کر یہ کہہ سکوں کہ دیکھیے آپ نے تو مرنے کے بعد صرف ایک مضمون کی بات کی تھی، آپ کا یہ ناکارہ شاگرد پوری کتاب لکھ لایا ہے، اب تو اپنے اِس مجرم کی تقصیر معاف کر دیجیے......ع

تم نظر تک چاہتے تھے ہم تو جاں تک آ گئے

۲۰/ اکتوبر کی صبح محبّ گرامی مولانا مبشر رضا ازہر کی فون کال سے آنکھ کھلی، انہوں نے حضرت کے سانحہ ارتحال کی خبر دی- اس خبر سے دل پر جو کچھ گذری اس کو الفاظ میں بیان نہیں کروں گا، لوگ خوامخواہ کی افسانہ طرازی سمجھ لیں گے- یہ خبر سنتے ہی سب سے پہلے مَیں نے برادر عزیز مولانا عطیف قادری کو فون کیا، پھر دوسرا فون مولانا خوشتر نورانی کو کیا- فجر کی نماز میں حضرت والد گرامی مدظلہ سے شرف نیاز حاصل ہوا، مَیں نے اطلاع دی، انہیں بھی سخت صدمہ ہوا، فرمایا کہ ''تدفین فیض آباد میں ہو خواہ بہار میں تمہیں ہر حال میں جانا چاہیے، عطیف سے بھی بات کر لو اگر وہ پہنچ سکیں تو بہت اچھا ہے''- بہر حال صبح آٹھ نو بجے تک یہ طے ہو گیا کہ تدفین ان کے آبائی وطن موضع سنگھیا، ضلع پورنیہ (بہار) ہی میں ہو گی

www.Qadri.info

اور کل یعنی ۲۱/ اکتوبر کو ظہر کے بعد ہوگی- مولانا خوشتر نورانی بھی چلنے کو تیار ہو گئے- عطیف میاں ممبئی میں تھے، ۱۸/ اکتوبر کو ہماری ہمشیرہ کا آپریشن ہوا تھا، وہ اسپتال میں ایڈمٹ تھیں اور عطیف میاں ان کی تیمار داری میں تھے، اس لیے ان کا جانا ممکن نہیں ہوسکا- میری روانگی سے کچھ پہلے حضرت نے فرمایا کہ ''حضرت خواجہ صاحب سے ہمارے تعلقات جس نوعیت کے تھے اور انہوں نے تم دونوں بھائیوں کو جس محبت اور توجہ سے پڑھایا ہے اس کو دیکھتے ہوئے میرا دل چاہتا ہے کہ مَیں بھی چلوں''- مگر اُس وقت تک کچھ طے ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ ہم کس طرح جائیں گے، ٹرین سے جائیں گے یا فلائٹ سے جائیں گے، فلائٹ بھی لیں گے تو پٹنہ جائیں گے، کلکتہ جائیں گے یا باگ ڈوگرا جائیں گے؟ پھر وہاں پہنچ کر سنگھیا تک کا سفر کس طرح ہوگا؟ یہ سب مسائل تھے، پھر حضرت کی صحت بھی اس اچانک اور ایسے لمبے سفر کی اجازت نہیں دے رہی تھی، لہٰذا یہی طے ہوا کہ حضرت سفر نہ کریں-

مَیں قریب ۱۰/ بجے بدایوں سے روانہ ہوا، ۳/ بجے دہلی پہنچا، راستے میں ایک جگہ سے خوشتر صاحب کو لیا اور ہم سیدھے ائیر پورٹ پہنچ گئے- پٹنہ کی فلائٹ میں سیٹیں مل گئیں، شام ۷/ بجے روانہ ہو کر ساڑھے آٹھ بجے پٹنہ پہنچے- حضرت سید شاہ شمیم الدین منعمی مدظلہ سے بات ہو گئی تھی، انہوں نے از راہ کرم فرمائی اپنی کار ائیر پورٹ بھیج دی، سیدھے خانقاہ منعمیہ پہنچے- جن خانقاہوں میں جا کر مجھے 'خانقاہیت' نظر آتی ہے ان میں ایک خانقاہ منعمیہ بھی ہے-

حضرت منعمی صاحب نے دوسرا کرم یہ فرمایا کہ پورنیہ کے سفر کے لیے ایک بہت عمدہ ٹیکسی کا نظم کر دیا- وہیں باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ سفر کے راستے میں مظفر پور بھی پڑے گا، ہم نے اپنے کرم فرما پروفیسر ڈاکٹر فاروق صدیقی صاحب کو فون کیا کہ ہم آپ کے شہر سے گذر رہے ہیں، اگر آپ کا بھی ارادہ ہو تو ہمارے ساتھ ہی چلیں- ڈاکٹر صاحب تیار ہو گئے-

صبح ۴/ بجے پٹنہ سے روانہ ہوئے، مظفر پور سے ڈاکٹر فاروق صاحب کو ساتھ لیا، راستے بھر حضرت کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی- راستے میں ایک شہر 'ارریا' آیا تو یہاں اپنے دوست مولانا منظر الاسلام ازہری کی یاد آئی، اسی وقت فون کیا، امریکہ میں اُس وقت رات تھی، ان کو سانحہ ارتحال کی خبر ہو چکی تھی- مَیں نے بتایا کہ اس وقت ہم لوگ آپ کے وطن سے گذر رہے ہیں، اس لیے آپ کی یاد آ گئی، ان سے بھی دیر تک حضرت خواجہ صاحب کے بارے میں بات ہوتی رہی-

www.Qadri.info

گیارہ بجے 'باز بیریا' پہنچے، یہاں سے سنگھیا چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے-محترم سید شمس الدین صاحب کے دولت خانے پر اترے، یہاں حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی اور دیگر علما موجود تھے- معلوم ہوا کہ صبح ۳ر۴ر بجے قریب حضرت کا جسد خاکی فیض آباد سے سنگھیا پہنچ گیا ہے- یہ سفر ایمبولینس سے کیا گیا، ساتھ میں چرہ محمد پور سے کچھ لوگ آئے تھے- کچھ دیر یہاں رک کر سنگھیا کے لیے روانہ ہوئے- وہ طوفان جو کل سے کسی طرح روک رکھا تھا، اب مزید رکنے کو تیار نہیں تھا، ایسا موجیں مارتا ہوا آیا کہ دل کی بستیاں بہالے گیا- بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ حضرت میرے زمانہ طالب علمی سے فرماتے تھے کہ شعبان کی چھٹی میں جب مَیں گھر پر رہوں تو تم لوگ سنگھیا آؤ، ہفتہ عشرہ یہاں رہو، تم، خوشتر، عطیف، مفتی آل مصطفیٰ، مفتی مطیع الرحمٰن اور تمہارے ساتھی، بہت سے پرانے احباب ہوں، سب سے ملاقات ہو، علمی بحثیں ہوں، کچھ تفریح ہو- ساتھ میں مزاحاً یہ بھی کہتے تھے کہ بھائی! ہم ایک غریب آدمی ہیں، ایک ہفتے تک اتنے بہت سے لوگوں کے کھانے کا انتظام نہیں کر پائیں گے، لہٰذا کھانے پکانے کا سارا سامان اپنے ساتھ لے کر آنا- حضرت کی خواہش پر کئی بار پروگرام بنا، مگر کسی نہ کسی وجہ سے کینسل ہو گیا-

بار بار یہی خیال ذہن میں آ رہا تھا کہ پہلی مرتبہ سنگھیا آنا ہوا بھی تو کیسے حالات میں ہوا- سنگھیا میں کسی مدرسے کے صحن میں حضرت کا جسد خاکی رکھا گیا تھا، غم گساروں، سوگواروں اور آخری دیدار کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا -مَیں چہرہ دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا، پیروں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا-

لیجیے! آپ کی برسوں پرانی خواہش پوری کر دی، ہم آپ کے گاؤں سنگھیا آ گئے، آپ کب سے بلا رہے تھے، دیکھیے اسید الحق بھی ہے، خوشتر ہے، مفتی مطیع الرحمٰن ہیں، انوار مایوسؔ ہے، ذاکر ہے، تبریز ہے، راج محل سے سید عبدالسلام ہیں اور سید معین الدین بھی آئے ہیں، سب پرانے احباب جمع ہو گئے ہیں، مگر معاف کریں بہت جلدی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے اس لیے کھانا ساتھ لے کر نہیں آئیں ہیں، وہ آپ کو ہی کھلانا پڑے گا- اٹھیے، دیکھیے، کچھ تو بولیے، چلیے ہم آپ کو کوئی تکلیف نہیں دیں گے، ہم نے ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام سید شمس الدین صاحب کے گھر پر کر لیا ہے، مگر آپ تو کچھ بولیں...... یہ کیسی نیند ہے؟ آپ کو تو ہمیشہ بے خوابی کی شکایت رہی، راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اب دن کو

www.Qadri.info

بھی ایسی گہری نیند سوئیں گے؟ ایک ہلکی سی آہٹ پر آپ کی آنکھ کھل جاتی تھی، اب ہزاروں آدمیوں کا شور بھی آپ کو بیدار نہیں کر پا رہا ہے؟ دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر یہ باتیں کہوں، لوگوں کو پکڑ پکڑ کر بتاؤں کہ مَیں وعدے کے مطابق سنگھیا آ گیا ہوں، خدا کے واسطے ان کو اٹھا دو، بس ایک بار مجھے سنگھیا میں دیکھ لیں۔

مَیں ہمیشہ جھک کر قدم بوسی کی کوشش کرتا تھا، حضرت ایک جھٹکے سے پیر کھینچ لیتے تھے، مَیں نے یہ سوچ کر پیر پکڑ لیے کہ شاید کچھ جنبش ہو......ساری کوششیں ناکام ہوگئیں، مَیں نے وہی شعر ان کو سنایا جو اکثر مجھے فون پر حضرت سنایا کرتے تھے:

اب وہ پہلا سا التفات نہیں
جایئے خیر کوئی بات نہیں

اس پر مَیں جھنجلا کر کہتا تھا کہ ’’حضرت یہ طعنہ مت دیا کریں، یہ بتایئے کہ مَیں نے کب بے التفاتی کی ہے، آپ کے کتنے شاگرد ہیں جو شد رحال کر کے ہر سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں؟‘‘

جذبات، خیالات، پرانی باتوں اور یادوں کا ایک سیلاب تھا جو ہوش وحواس کو بہا لے گیا۔ ساڑھے بارہ بجے مقامی مسجد میں ظہر کی نماز ہوئی، ایک بجے جنازہ اٹھایا گیا، یہاں سے تقریباً ایک ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر قبرستان کے پاس کسی صاحب نے حضرت کی آخری آرام گاہ کے لیے ایک قطعہ آراضی وقف کیا ہے، وہاں تدفین ہونا ہے، نماز جنازہ بھی وہیں ہوگی۔ قرب وجوار کے تمام مدارس و مکاتب کے اساتذہ وطلبہ، ائمہ مساجد اور دور دراز سے آئے ہوئے علما کثیر تعداد میں موجود تھے۔ عزیز، اقارب، احباب، اہل محبت واہل عقیدت اپنے پرائے غرض کہ ہزاروں آدمیوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا جو تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا، جب عاشق کا جنازہ ہے تو ذرا دھوم ہی سے نکلنا چاہیے۔

نماز جنازہ حضرت کے بھائی خواجہ جاوید عالم صاحب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد دعائے مغفرت ہوئی، مَیں پائیں کھڑا ہوا تھا، مَیں نے آخری بار قدم بوسی کی اور پیچھے ہٹ گیا۔ جنازہ گاہ سے کچھ دوری ہی پر قبر کی جگہ تھی، حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب اور دیگر علما ومشائخ کے ساتھ ہم لوگ بھی وہیں رک گئے، بھیڑ کی وجہ سے قبر تک جانا ممکن نہیں تھا۔

www.Qadri.info

مغرب کے بعد حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور راقم الحروف کو مولانا عسجد رضا اپنی کار میں حضرت کی قبر تک لے گئے، پیچھے سے مولانا انوار احمد مایوسؔ، مولانا تبریز رضا اور دیگر حضرات بھی پہنچ گئے، اُس وقت تک لوگ وہاں موجود تھے، کچھ کام چل رہا تھا- ہم نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیے- سچ پوچھیے تو مجھ سے صحیح طور پر فاتحہ بھی نہیں پڑھی گئی- مَیں تو اس عجیب وغریب نظام عالم پر غور کرنے لگا کہ ہم بھی کیسے لوگ ہیں، ہمیشہ اپنے محسنوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں، ہم نے ان کے احسان کا کتنا اچھا بدلہ دیا کہ انہیں منوں مٹی کے نیچے دبا دیا- واپسی کے لیے کار میں بیٹھے تو مَیں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ یہ شعر سنا تو بہت تھا:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

لیکن اس شعر میں ''گنج ہائے گراں مایہ'' کا مطلب آج سمجھ میں آیا ہے-

وہاں سے ہم لوگ حضرت کے دولت خانے پر پہنچے- حضرت کے صاحبزادے خواجہ تمہید عالم جوانی ہی میں رخصت ہو گئے تھے، ان کے بیٹے اور حضرت کے پوتے خواجہ وقار عالم ہیں، یہ ابھی ۱۰/۱۲/ برس کے ہیں- گھر کے باہر کرسیوں پر عزیز واقارب اور کچھ علما موجود تھے، مَیں بھی ایک کرسی پر خاموش بیٹھ گیا، گھر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی - کچھ دیر بیٹھ کر بوجھل قدموں سے واپس ہوئے- رات میں بازبیریا ہی میں قیام رہا-

اگلے دن صبح حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب اپنے ساتھ اپنے دولت خانے پر لے گئے، دوپہر کا کھانا کھا کر روانہ ہوئے، باگ ڈوگرا ائیر پورٹ سے دہلی کے لیے فلائٹ لی، شام کو دہلی پہنچے، خوشتر صاحب کو ان کے گھر چھوڑا اور مَیں نے بدایوں کی راہ لی-

واپسی کے سفر میں مَیں سوچنے لگا کہ حضرت خواجہ صاحب کو ۶/سال مدرسہ قادریہ بدایوں میں دیکھا، ۴/سال چرہ محمد پور میں بہت قریب سے دیکھا، پھر اس کے بعد ۱۵/۱۶/سال سے میرا معمول یہ رہا کہ سال میں ایک مرتبہ حضرت سے شرف نیاز حاصل کرنے چرہ محمد پور ضرور جایا کرتا تھا- کل ملا کر تقریباً ۲۵/۲۶/سال مَیں نے حضرت کو دیکھا- ان کی ہر ہر ادا کو دیکھا، علم وفن کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو دیکھا، ان کا استحضار علمی، ان کی حاضر جوابی اور مشکل سے مشکل مسئلے کو چٹکیوں میں حل کرنے کا ملکہ بھی

www.Qadri.info

دیکھا، ان کا اندازِ تفہیم، ان کا طریقۂ تدریس اور دورانِ تدریس ان کی ایسی ایسی مثالیں جو معقول کو محسوس کے درجے میں لا کھڑا کریں، یہ بھی دیکھیں- ان کو اپنے اساتذہ کا ادب اور اکابر کا احترام کرتے ہوئے دیکھا، معاصرین کے ساتھ خوش گوار تعلقات بھی دیکھے اور معاصرانہ چشمک بھی دیکھی، حالتِ جنگ بھی دیکھی اور زمانۂ امن بھی دیکھا، اپنوں کے لیے ان کی قربانیاں بھی دیکھیں اور ان قربانیوں کا صلہ بھی دیکھا- ان کی شفقت، محبت اور مہربانیاں بھی دیکھی، ناراضگی، خفگی اور غصہ بھی دیکھا- ان کو ذرا ذرا سی بات پر روٹھتے ہوئے بھی دیکھا اور بڑی سے بڑی غلطی پر درگذر کرتے ہوئے بھی دیکھا- ان کی ڈانٹ بھی کھائی اور ان کی دعائیں بھی سنیں- غرض کہ اِن ۲۵؍ برسوں میں مَیں نے اُن کو ہر رنگ میں، ہر روپ میں دیکھا اور پھر بالآخر ان کو کفن پہنے ہوئے بھی دیکھ لیا، ان کا جنازہ بھی دیکھا، ان کی خواہش کے مطابق ان کا گاؤں سنگھیا بھی دیکھ لیا، وہاں ان کا گھر بھی دیکھا اور ان کا وہ گھر بھی دیکھ لیا جہاں نہ تو کوئی کسی کو ساتھ لے جا سکتا ہے اور نہ خود جا کر واپس آ سکتا ہے-

مَیں نے اُن کو اتنا دیکھا جتنا دیکھا جا سکتا تھا
لیکن پھر بھی دو آنکھوں سے کتنا دیکھا جا سکتا تھا

﴿ماہ نامہ جامِ نور: نومبر ۲۰۱۳ء﴾

□□□

www.Qadri.info

مؤلف ایک نظر میں

نام: اسید الحق محمد عاصم قادری

پیدائش: مولوی محلّہ بدایوں (یوپی)، ۲۳؍ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶؍مئی ۱۹۷۵ء

والدگرامی: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

جدمحترم: حضرت مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی ابن تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تعلیم:
(۱) حفظ قرآن
(۲) فاضل درس نظامی
(۳) فاضل دینیات الہ آباد بورڈ، اتر پردیش
(۴) فاضل ادب عربی الہ آباد بورڈ، اتر پردیش
(۵) الاجازۃ العالیۃ، شعبۂ تفسیر وعلوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف مصر
(۶) تخصص فی الافتاء، دارالافتاء المصریۃ قاہرہ مصر
(۷) ایم۔اے۔علوم اسلامیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مشغلہ: تدریس، تبلیغ، تحقیق، تصنیف

خادم التدریس مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

ڈائرکٹر الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں

بانی رکن دی نیو ایج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر دہلی

شہادت: ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/۴؍مارچ ۲۰۱۴ء، بغداد (عراق)

www.Qadri.info

قلمی خدمات

مقالات و مضامین: تقریباً ساٹھ مقالات و مضامین ہند و پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں:

تصنیف:
(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعے کی روشنی میں (مطبوعہ)
(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)
(۳) احادیث قدسیہ (مطبوعہ)
(۴) خامہ تلاشی (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
(۵) تذکرۂ شمس مارہرہ، (مطبوعہ)
(۶) جدید عربی محاورات وتعبیرات (مطبوعہ)
(۷) قصیدۂ فرزدق تمیمی ایک تحقیقی مطالعہ (مطبوعہ)
(۸) افہام وتفہیم (مطبوعہ)
(۹) اسلام اور خدمت خلق (زیر طبع)
(۱۰) اسلام، جہاد اور دہشت گردی (زیر طبع)
(۱۱) وارثین انبیا (زیر طبع)
(۱۲) مسائل تقلید واجتہاد (زیر طبع)

ترتیب و تقدیم:
(۱) تذکرۂ ماجد (مطبوعہ)
(۲) خطبات صدارت مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)
(۳) مثنوی غوثیہ مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)
(۴) علوم حدیث (مطبوعہ)
(۵) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (مطبوعہ)
(۶) اکمل التاریخ، مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی (مطبوعہ)
(۷) تذکرۂ نوری، مولانا غلام شبر نوری (مطبوعہ)
(۸) قصیدتان رائعتان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں (مطبوعہ)

www.Qadri.info

ترجمہ،تخریج، (۱) احقاق حق (فارسی) مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
تسہیل،تحقیق: (۲) عقیدۂ شفاعت مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
(۳) مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ (عربی) مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)
(۴) الکلام السدید فی تحریر الاسانید (عربی) مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)
(۵) تحفۂ فیض (فارسی) مولانا عبدالقادر بدایونی (زیر طبع)
(۶) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول) مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (مطبوعہ)
(۷) اکمال فی بحث شد الرحال (فارسی) مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
(۸) مکاتیب فضل رسول (فارسی) مولانا فضل رسول بدایونی (زیر طبع)

○○○

www.Qadri.info